

(۱۰) ۹۲: ۷۵۲ جنوری ۱۹۸۴ء

ندوة المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ  
H. BAD

سُرگال

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مُرْتَبِع  
سعد احمد سرآبادی



## مطبوعات عائدۃ المصنفین

- ۱۹۳۹ء اسلام میں نمائی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانون شریعت کے لحاظ کا مسئلہ -  
تعمیرات اسلام اور سبکی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -
- ۱۹۴۰ء لغات القرآن - لغات و فلسفہ الخلاق - تفسیر القرآن - تاریخ ملت خدا اول - نبی علیہ السلام (اصراط مستقیم) (انگریزی)
- ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول - دہلی - جدید بین الاقوامی سہ ماہی مکتوبات خدا اول -
- ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام - دہلی - جدید بین الاقوامی سہ ماہی مکتوبات خدا اول -
- ۱۹۴۳ء نقل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول - اسلام کا نظم و حکومت - تاریخ ملت خدا اول -
- ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظم و حکومت - تاریخ ملت خدا اول -
- ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور سنت - اسلام کا اقتصادی نظام - دہلی - جدید بین الاقوامی سہ ماہی مکتوبات خدا اول -
- ۱۹۴۶ء ترجمان اللہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - بیروت - بیروت - بیروت - بیروت -
- ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظم و حکومت - مسلمانوں کا عروج و زوال - دہلی - جدید بین الاقوامی سہ ماہی مکتوبات خدا اول -
- ۱۹۴۸ء ترجمان اللہ جلد دوم - تاریخ ملت خدا اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - بیروت - بیروت - بیروت - بیروت -
- ۱۹۴۹ء قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات و خدمات - اسلام کے شانہ و زمام کے زائے و کائنات -
- ۱۹۵۰ء تاریخ ملت خدا اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - بیروت - بیروت - بیروت - بیروت -
- ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت خدا اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - بیروت - بیروت - بیروت - بیروت -
- ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی مکتوبات جلد اول - دہلی -
- ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیریت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -



050-5-40  
45 73 41

# برہان

قیمت فی پرچہ

تین روپے پچاس پیسے

۷۱ ۷۳ ۷۵

سالانہ چندہ

چالیس روپے

جلد ۹۲ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۲ء شماره ۱

- |                                       |                                       |
|---------------------------------------|---------------------------------------|
| ۱۔ نظرات                              | ۲۔ خواجہ میر درد کے نظریہ وحدت الوجود |
| ۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی        | ۳۔ وحدت الشہود کا تحقیقی جائزہ        |
| ڈاکٹر محمد عمر، ریڈر شعبہ تاریخ       | ۴۔ وشوا بھارتی یونیورسٹی کے           |
| ۳۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ            | فارسی، عربی اور اردو مخطوطات          |
| ۴۔ عبد الوہاب بدرستوی، سنٹرل لائبریری | ۵۔ ۱۹۳۲ء کا ایک یادگار سفر            |
| ۵۔ وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی ٹیکنک | ۶۔ جدید عربی ادب میں                  |
| ۶۔ مولانا ظفر الدین مفتاحی            | افسانہ نگاری کی نشوونما               |
| ۷۔ دارالعلوم دیوبند                   |                                       |
| ۸۔ ڈاکٹر عبد الحق، شعبہ عربی          |                                       |
| ۹۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی |                                       |

عبد الرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا



# نظر

جنوبی افریقہ کے صوبہ نیٹال میں نیو کاسل (New Castle) نام کا ایک نہایت پر رونق اور شاندار شہر آباد ہے، اس میں کم و بیش دس برس سے ایک عربی مدرسہ قائم ہے جس کا نام دارالعلوم ہے اور جو یہ بھی دارالعلوم دیوبند کے نمونہ کا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم تک یہاں حدیث کی تعلیم ہوتی ہے، اس مدرسہ کے پرنسپل اور مہتمم مولانا قاسم محمد سیماہی جو جنوبی ہند کے نامور عالم دین اور پختہ استعداد کے فاضل ہیں، ان کے علاوہ جو اساتذہ ہیں وہ بھی دیوبند یا کراچی کے فارغ التحصیل ہیں اور اپنے اپنے مضامین میں درس و بصیرت رکھتے ہیں۔ جنوبی افریقہ سے اردو بحیثیت مادری زبان کے ختم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ انگریزی نے لے لی ہے، اس بنا پر اس مدرسہ میں بھی ذریعہ تعلیم انگریزی ہے، اسلئے میں جب میں یہاں آیا تھا تو مدرسہ میں میری دو تین تقریریں انگریزی میں ہی ہوئی تھیں اور اساتذہ اور طلباء نے انہیں دلچسپی سے سنا تھا۔

مدرسہ کا تعلیمی سال، یہاں کے دوسرے اداروں اور یونیورسٹیوں کی متابعت میں، جنوری میں شروع ہو کر دسمبر میں ختم ہو جاتا ہے، اس سال پہلی مرتبہ سات طلبہ دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد فارغ التحصیل ہوئے تھے، اس لئے مدرسہ کی مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا



ملک گیر پیمانہ پر مدرسہ کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا جائے، اس غرض کے لئے مجلس نے ۱۱ دسمبر بروز اتوار کی تاریخ مقرر کی اور ساتھ ہی راقم الحروف کا نام جلسہ کی صدارت، تقریر اور تقسیم اسناد کے لئے منظور کیا، چنانچہ مولانا قاسم محمد سیما نے تین چار ماہ پہلے مجھے خط لکھا اور میں نے دعوت قبول کر لی۔ دعوت نامہ مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب انوار الباری شرح صحیح البخاری کے نام بھی تھا اور انھوں نے بھی دعوت قبول کر لی تھی۔

جنوبی افریقہ کا سفر آسان نہیں ہے، اس کے لئے پاڑ پیلنے پڑتے ہیں، آخر خدا خدا کر کے یہ ہفتخواں طے ہوا اور ہم دونوں ایرانڈیا کے جہاز سے ۸ دسمبر کو شب میں ۹ بجے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، بمبئی سے کینیا ایر ویز کے جہاز سے نیروبی پہونچے وہاں سے اٹلی کے جہاز کے ذریعہ جوہانسبرگ آئے، یہاں ایر پورٹ پر مولانا قاسم محمد سیما اور ایک صاحب اور موجود تھے، ان کے ساتھ کار میں ڈھائی سو میل کا سفر کار میں طے کر کے مغرب کے وقت نیو کاسل آئے اور مولانا سیما کے ہی وسیع اور کشادہ مکان پر قیام کیا۔ مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ اور شہر کے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، سب نہایت گرم جوشی اور محبت سے پیش آئے۔

۱۱ دسمبر کو دس بجے ایک وسیع و عریض شامیانہ کے نیچے مدرسہ کے جلسہ تقسیم اسناد کی کارروائی شروع ہوئی، جلسہ میں شرکت کی غرض سے نیشال کے علاقہ کے علاوہ ٹرانسوال



اور کیپ ٹاؤن کے دور دراز علاقوں سے بھی لوگ جوق در جوق آئے تھے، مختلف اندازہ کے مطابق مردوں اور خواتین کی مجموعی تعداد پانچ ہزار کے لگ بھگ ہوگی، جلسہ کا آغاز، راقم الحروف کی صدارت میں، قرآن مجید کی تلاوت اور نعتیہ نظموں سے ہوا، اس کے بعد جنوبی افریقہ کے ممتاز علماء و فضلاء اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کی انگریزی اور اردو عربی میں مختصر مختصر تقریریں ہوئیں، ساتھ ہی ساتھ کوئی کوئی نظم اور عربی میں ایک مکالمہ اور ایک ڈرامہ بھی درمیان میں ہوتے رہے، آخر میں میری صدارتی تقریر انگریزی میں چالیس منٹ کے قریب ہوئی، تقریروں کا پروگرام ختم ہوا تو اب تقسیم اسناد کی کارروائی شروع ہوئی، اس سلسلہ میں سب سے پہلے مولانا قاسم محمد سیما نے ایک نہایت مفصل اور جامع رپورٹ مدرسہ کی تاسیس اور اس کے ماضی و حال اور مستقبل میں اس کے متعلق اپنے عزم کے بارہ میں پڑھ کر سنائی جس سے حاضرین کافی متاثر اور محظوظ ہوئے، اس کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کو میں نے ختم بخاری کرایا اور ان طلبہ کو اسناد اور علمے تقسیم کئے، ان کے علاوہ تجوید و حفظ قرآن اور دوسرے انعامات کے مستحق طلبہ کو انعامات بھی دیے، آخر میں جنوبی افریقہ کے نامور عالم دین اور جمعیت علمائے نیٹال کے صدر مولانا عبدالحق صالح عمری کی طویل دعا پر جلسہ کا اختتام خیر و خوبی اور کامیابی سے ہو گیا، اب ظہر کی نماز باجماعت شامیہ کے نیچے ہی ہوئی، نماز سے فراغت



ہو گئی تو تمام حاضرین کی خاطر مدارات، یہاں کی روایات کے مطابق،  
مکلف نظرائے (پنج) سے ہوئی، عصر کے وقت تک سب مہمان رخصت  
ہو گئے، مدرسہ کی تعطیل کلاں شروع ہو گئی تھی، اس لئے اساتذہ  
اور طلباء بھی اپنے اپنے گھروں کے لئے رخصت ہونے لگے۔

میں اس کے بعد دو دن اور نیو کاسل میں ٹھہرا، مدت قیام  
میں مولانا سیما، ان کے اہل خانہ اور مدرسہ کے ارکان مجلس شوریٰ  
اور مولانا منصور الحق اور مولانا ممتاز الحق (دو پاکستانی اساتذہ  
مدرسہ) نے جو غیر معمولی پذیرائی اور دل جوئی و مدارات کا معاملہ  
کیا ہے اس کے لئے ہم دونوں سراپا سپاس و تشکر و امتنان ہیں،  
فجزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

۱۴ کی صبح کو میں نیو کاسل سے ڈربن ہوائی جہاز سے پہونچا، ایرپورٹ  
پر حسب معمول حاجی موسیٰ پارک اور ان کی فیملی کے افراد موجود تھے،  
موصوف اور ان کے اہل خانہ کو اس پیس میز کے ساتھ جو قلبی رابطہ  
اور محبت ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ کو خط میں ہمیشہ *Dear father*  
سے مخاطب کرتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۱ء  
کو جب میری اہلیہ کا انتقال ہوا تو اس کے بعد سے میاں موسیٰ پارک  
نے اصرار شروع کر دیا کہ غم غلط کرنے کے لئے میں دو تین مہینے کے لئے ان کے پاس ڈربن  
چلا آؤں، انھوں نے اس کا بھی یقین دلایا کہ میں یہاں صرف آرام  
کروں گا اور کسی جلسہ وغیرہ میں تقریر کرنے سے میں آزاد رہوں گا،



چنانچہ میں ستمبر میں یہاں آیا اور ڈیڑھ ماہ کے بعد واپس ہوا۔ اب نیوکاسل سے ڈربن انہی کی وجہ سے آیا تھا، یہاں اللہ کے فضل و کرم سے احباب کا وسیع حلقہ ہے، ان سب نے حسب سابق اپنی ملاقاتوں اور عنایتوں سے ممنون کرم کیا۔ اب پروگرام یہ ہے کہ ۲۵ کو یہاں سے روانہ ہو کر جونسبرگ جاؤں گا، وہاں دو دن قیام کے بعد ۲۸ کو زمبیا پہنچوں گا، وہاں تین روز کا پروگرام ہے، اس سے فارغ ہو کر زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس حاضر ہوں گا، اور غالباً ایک ہفتہ کے بعد وطن واپسی ہوگی، والعلم عند اللہ۔

## شکائیں

بچوں اور کم اہل دو پڑھ طلباء اور طالبات کے لئے آسان ارا دو میں سب سے مفید اور دلچسپ کتاب۔

مولانا مقبول احمد سیوہاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا شاہکار۔ حسن صورت اور حسن سیورت کا مرقع۔

عکسی طباعت۔ قیمت چار سو پیسے 4/-

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان ارا دو بک انار دہلی



# خواجہ میر درد کے نظریہ وحدت الوجود وحدت الشہود کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد عمر، ریڈر شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۳)

شاہ غلام علی [متوفی ۱۰۷۳ھ] نے لکھا ہے کہ نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود  
سیر و سلوک کے دو راستے ہیں۔ اور جس شخص نے ان دونوں مقامات کی سیر نہ کی ہو اس کے لیے  
یہ ناممکن ہے کہ وہ ان دونوں راستوں کے تجربوں کو ہم آہنگ کر سکے۔ مراد یہ ہے کہ شاہ  
ولی اللہ، وحدت الوجود کے مقام سے آگے کی منزل کی طرف نہ بڑھ سکے تھے اس لیے وہ  
وحدت الشہود کے مقام تک نہ پہنچ سکے تھے۔

شاہ فخر الدین دہلوی اٹھارہویں صدی کے ایک بلند مرتبت چشتی سلسلے کے صوفی بزرگ  
تھے اور اس سلسلے کی روایت کے مطابق وہ نظریہ وحدت الوجود کے پیرو تھے۔ چوں کہ  
اس عہد میں نظریہ وحدت الوجود و شہود کے مسئلے کے بارے میں بڑے زوروں پر مباحث  
چل رہے تھے اس لیے انھوں نے بھی نظریہ وحدت الوجود کے موضوع پر ایک رسالہ



لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس خیال سے: "کہ لوگ مجھ کو بدنام کریں گے" انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا۔

ایک موقع پر شاہ فخر الدین نے شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا تھا اور فرمایا تھا:

"شیخ اکبر کے مطالب کو لوگ بالکل نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لیے لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق توحید کا مطلب کچھ سے کچھ سمجھ رکھا ہے۔ شیخ اکبر کا مقصد کچھ اور ہے۔۔۔۔۔ شیخ اکبر کی عبارت کو لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ان کا عقیدہ خراب ہو گیا ہے۔ اور شیخ اکبر کی عبارت سے صاف و واضح مطلب نکالنا بھی مشکل ہے۔ جب تک پوری کتاب کا [بڑے غور سے] مطالعہ نہ کیا، مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ مثلاً: ایک جگہ پر شیخ اکبر نے ایک چیز کو بیان کیا ہے۔ اس کے تین، چار ورقوں کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر کا طرز بیان اسی طرح کا ہے"

شاہ رفیع الدین [متوفی ۸۳۳ھ] بن شاہ ولی اللہ نے ۱۰۴۰ھ میں کلمات الحق کے جواب میں دفع الباطل نامی ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انھوں نے مدلل انداز میں یہ ثابت کیا تھا کہ نظریہ وحدت الوجود، ایک صحیح نظریہ ہے اور یہی اسلام کی حقیقت ہے اور تمام مشہور و معروف صوفیائے کرام سلف اس کا ذوق رکھتے تھے۔ جبکہ نظریہ وحدت الشہود ایک نیا نظریہ ہے جو مجدد الف ثانی نے پیش کیا تھا جنھوں نے ابن عربی کے دلائل کو نہ سمجھا تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وحدت الشہود کا نظریہ، وحدت الوجود کے نظریہ سے بالکل



الگ اور اس کی ضد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریہ وحدت الوجود کو ایک بنیادی اصول مانا جانا چاہئے اور اس کی روشنی میں نظریہ وحدت الشہود کی وضاحت کی جانی چاہئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے کیا تھا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی [متوفی ۱۸۱۰ء] نے بھی ایک مکتوب میں خالق اور مخلوق کی نسبت اور نظریہ وحدت الوجود و شہود کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور انہوں نے نقشبندی مجددی روایت کے مطابق نظریہ وحدت الوجود کی تردید کی ہے اور نظریہ وحدت الشہود کو ٹھیک بتایا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے وحدت الشہود صوفیائے کرام کے استدلال کو پیش کیا ہے، یعنی ممکن اور واجب ایک نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ممکن اپنے وجود کے لئے واجب کا محتاج ہے۔ کوزہ اور کلال کی جو مثال نظریہ وحدت الوجود کو ثابت کرنے کے لئے دی جاتی ہے وہ نظریہ وحدت الشہود کو ثابت کرنے کے لئے صادق نہیں آتی۔ اور ممکن واجب تعالیٰ کے ظل کی مانند ہے جیسے کہ آفتاب کو روئے زمین پر ظلی آفتاب کہتے ہیں نہ کہ اس معنی میں کہ ممکن اور واجب میں مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس جگہ ظل کو اصل کے ساتھ کسی قسم کی مماثلت اور مشابہت نہیں ہے اور ان کثیر منظر۔ وہ خود بخود موجود ہے لیکن ان سے الگ تھلگ بھی ہے۔ وحدت الوجودی حالت سکر میں اس وہمی کثرت کو عین واجب کہتے ہیں اور اس کے ذاتی عدم پر نظر نہیں کرتے۔ وہ ”ہمہ اوست“ کے قائل ہو گئے ہیں۔ مجدد الف ثانی کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن اور واجب میں خالق اور مخلوق کی نسبت ہے۔

اس پس منظر میں میر تقی میر کی تصنیف ”علم الکتاب“ کے وارد ۱۰۴ کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا



ہے جس کو پڑھ کر قارئین خود یہ اندازہ لگا سکیں کہ انہوں نے نظریہ وحدت الوجود وحدت الشہود کے بحث میں کیا اضافہ کیا۔

وارد ۱۰۴

در توحید محمدی کی طرف دعوت کے بیان میں:

وحدت الوجود کا لفظ صوفیہ کی اصطلاحات اور ان کی اختراعات میں

سے وارد ہے۔ یہ ہے۔ شریعت علیہا السلام، ریڈر شعبہ دینیات سے مدد ملی ہے، میں ان کا شکریہ گزار ہوں۔

سہ و تہم بنفین اول، یعنی حقیقت محمدیہ نام ہے۔ اسے علم جمال، حسب ذاتی در برزخ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے علم الکتاب - ص: ۱۲۲

سہ وجود کے معنی تہمتی کے ہیں، یعنی حق تعالیٰ کا وجود جو خود بخود موجود ہے۔ اور بذات خود قائم اور اپنی ذات میں قائم و دائم ہے۔ جا ہے باطن کا، تہمتیہ جو ماخوذ ہے۔ اور ایجاد اضافت سے مراد شد تعالیٰ کا وجود ذاتی ہے۔ لہذا وجود ایک نور ہے جو خود بخود روشن ہے، ظاہر ہے اور مرتبہ ایجاد کی طرح دوسری چیزوں پر جب اس کے نور کا پرتو پڑا ان کو بھی منور اور ظاہر کر دیا۔ علم الکتاب - ص: ۱۰۳، ۵۸۰؛ اصطلاحات صوفیہ - ص: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲۔ قرآن و حدیث میں لفظ وجود کا استعمال نہیں پایا جاتا ہے بلکہ لفظ نور آیا ہے۔ علم الکتاب - ص: ۱۰۴۔

وحدت الوجود، یعنی جمع موجودات کا وجود ایک ہے۔ سلوک کی یہ ایک ایسی منزل ہے جہاں سالک پر وحدت الوجود کا انکشاف اس طرح ہوتا ہے کہ ذات واحد، وجود واحد، نور واحد میں عیاں دیکھتا ہے۔ اس کو وحدت فی اکثریت بھی کہتے ہیں۔

اس کے بارے میں ہے۔ علم الکتاب - ص: ۱۸۳-۱۸۵۔



سے ہے۔ حضور پر نور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس طور پر اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اور توحید وجودی اور توحید شہودی<sup>۱۸۵</sup> جیسے کہ آج کل صوفیہ کے درمیان بحث کے دو علیحدہ موضوع بنے ہوئے ہیں، میرے سے اس زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ نفس توحید<sup>۱۸۶</sup> جو توحید مطلق سے عبارت ہے اسی کا اظہار اجمالی و کلی طریقے پر کیا جاتا تھا۔ توحید کی جزئیات سے تفصیلی بحث نہیں کی جاتی تھی۔ اور وجودیت و شہودیت کی قیود کی یہ کثرت جو لوگوں کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، نمودار نہ ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت توحید کا مطلب و معنی کا بیان کرنے والا صرف فرد واحد تھا یعنی جناب ہدایت مآب رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور دوسرے تمام لوگ یعنی صحابہ آپ کے پیرو و تابع تھے۔ وہ لوگ دینی معاملات میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہیں دیتے تھے اور جس بات کو سنتے تھے سمعنا و اطعنا اس پر یقین رکھتے تھے اور شبہ، اعتراض، دلیل و بحث سے

۱۸۵ شہود۔ رویت حق بحق، یعنی جملہ کائنات اور جمیع موجودات کو عین حق برتبہ حق الیقین سمجھنا۔ اور جمیع اعتبارات غیریت کو اٹھا دینا اور ہر ذرہ میں ذات واحد کو اور ذات میں جملہ موجودات کو بصفت عینیت دیکھنا۔ اصطلاحات صوفیہ۔  
ص : ۸۰ - ۸۱ -

۱۸۶ وحدت الشہود۔ سالک ان منزلوں کو طے کر کے آگے بڑھتا ہے اور توحید خاص الخاص کے مزے لیتا ہے تو حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سوا کوئی دوسرا حقیقی وجود نہیں ہے۔ سب موجودات اس کا ظل یا سایہ ہیں۔ علم الکتاب ص ۱۸۵  
۱۸۷ وحدۃ لا شریک لہ، یعنی وہ وجود ایک ہے، اور کوئی شے اس کی شریک نہیں ہے۔  
برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص : ۱۸۵ -



ہام ہزار بیتے تھے۔ حضرت رسول علیہ السلام ہر سننے والے کے حال کے مناسب اور اس کی  
 منفعہ دہانے کے مطابق توحید کے مطالب کو اس طریقے سے بیان فرماتے تھے جو اس شخص  
 کے ہر ایک حدیث اور سیرے کے خاتم کے لئے مفید ہوتا تھا نیز مطابق واقعہ بھی ہوتا تھا۔  
 لہذا اسی کے پیش نظر توحید کے سوا واحد مطلب اور معنی کو، جو اصل ایمان ہے، آپ نے  
 طرح طرح سے بیان کیا، اور ہر فرد کی قوت دید کی مناسبت سے اس کی نظر سے پردہ اٹھایا۔  
 اسی انداز سے اس نے توحید کا مطلب تابعین کے سامنے بیان کیا۔ پھر اس شخص نے  
 جس طرح توحید کا کائنات کی محبت سے بلا واسطہ اطمینان و یقین کا استفادہ کیا تھا،  
 اس کے علاوہ دوسرے معتبر لوگوں سے اس نے مختلف حجرتوں پر مشتمل جو حدیثیں سنیں  
 ان سب کی نسبتاً ہی اس مفہوم کے لحاظ سے کی جو اس نے خود سمجھا تھا۔ یہی صورت حال  
 توحید کے رتبہ تابعین کے زمانے میں بھی رہی۔ چنانچہ ہر شخص سرور کائنات کے دوسرے  
 توحید کے نام سے اس مفہوم پر محمول کرتا تھا جو اس نے اپنے معتبر راویوں سے سنا اور  
 سمجھا۔ لیکن جب ایک طویل زمانہ گزر گیا اور اس بعد زمانے نے تغیر پیدا کر دیا اور  
 ساتھ ہی اس کیفیت کی قوت میں ضعف پیدا ہو گیا جو سلسلہ وار بطون [ لوگوں کے باطن  
 میں ] منتقل ہوئی تھی اور اکثر و بیشتر حدیثوں کی صرف روایت باقی رہ گئی تھی تو اس زمانہ  
 میں آخر جس مذہب عقل و دانش ایمان والوں نے جو حکیمانہ صلاحیت کے بھی مالک تھے،  
 اپنی قوت تکریر کے ذریعہ اور قرآنی آیتوں اور حدیثوں سے بھرپور جدوجہد کے بعد جو کچھ  
 استنباط کیا اسے بیان کیا، اور اس شنباط کردہ اُمور کا نام انھوں نے معارف رکھا۔  
 انھوں نے توحید شلوک کو توحید وجودی میں مقید کر دیا اور وحدت وجود کے قائل ہو گئے اور  
 اس مسئلے کی انھیں کو علم تصوف کے نام سے موسوم کیا۔ اس جماعت کے اکابر کو صوفیہ

ایک علم توحیدی ہے۔ اس کے جائے کی چند واردات جن کی تربیت سے  
 بڑے جوہر کی وحدت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)



اور اہل باطن کہتے ہیں۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ان اکابر صوفیہ کے قلوب پر نسبت ولایت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور انہیں خدا کا قرب عام عطا کیا گیا۔ ان کے علاوہ بعض ایسے خالص ایمان والے جن کی فطرت میں ایمان کا نور پوری قوت کے ساتھ رکھ دیا گیا تھا، آیتوں اور حدیثوں کے پردے سے جو معنی انہیں مشہود ہوئے، انہیں اسی نور کی روشنی میں بیان کیا اور انہیں اسرار کا نام دیا۔ ان لوگوں نے توحید مطلق کے مفہوم پر توحید شہودی کی قید کا اضافہ کیا اور وحدت شہود کے قائل ہو گئے۔ اس سے متعلقہ مسائل کی تفصیل کا نام انہوں نے علم حقائق رکھا۔ اس جماعت کے بڑے لوگوں کو محقق کہا جاتا ہے اور انہیں اہل اللہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کمالات نبوت کا دروازہ ان کے بواطن میں کھول دیا گیا ہے اور انہیں قرب خاص تک رسائی بخشی گئی ہے۔ صاحب ایمان سادات میں سے بعض حضرات ایسے تھے جن کی استعداد [صلاحیتوں] کے انق پر خالص محمدیت کا وہی آفتاب طلوع ہوا اور محمد کی جامعیت کی اس صبح کا ظہور ہوا۔ عالم کو روشن کرنے والے اسی آفتاب کے نور کی مدد سے جو خورشید عالم تاب ہے آیات قرآنی اور حدیثوں میں اللہ اور رسول کی جو مراد ہے اسے روشنی میں لائے اور ان مفہیم کو تحریر و تقریر کے ذریعہ بیان کیا۔ یہ لوگ اسی توحید محمدی کے قائل ہوئے جو توحید مطلق ہے۔ اور وحدت وجود و شہود علیٰ ان لکلی ہوئی شاخوں کو پھر اسی ابتدائی اصل میں ملا دیا اور اس کے مسائل کو علم الہی محمدی کے نام سے موسوم کیا۔ اس سلسلے کے بزرگوں کو محمدیان خالص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صوفیاء اس علم کو علم تصوف کہتے ہیں اور اس مطلب کو سمجھانے کے لیے انہوں نے چند مثالیں قائم کی ہیں۔ مثلاً آب و موج، حباب وغیرہ۔ برائے تفصیل دیکھئے:

علم الکتاب - ص: ۱۸۴



اور انہیں رسول اللہ کے اہل بیت میں شمار کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ باب مدینہ علم اور نسبت محمدیت ان کے بواطن میں کھول دی گئی ہے، اور انہیں  
 ان خاص انخاص قرب سے نوازا گیا ہے۔ واللہ یخس برحمۃ من یشاء واللہ ذو الفضل  
 العظیم [اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے، اور اللہ بڑا فضل  
 ہے]

اس توحید مطلق کا تفصیلی بیان، جو اپنی جامعیت اور شمولیت کی بنا پر توحید کی ان دونوں  
 شاخوں پر حاوی ہے اور جو کہ اپنی حقیقت کے پیش نظر ان دونوں [شاخوں] سے اعلیٰ اور  
 دقیق ہے، اسی وارد کے متن اور اس کی شرح میں تفصیل سے آئے گا۔ بحون اللہ  
 العلیم وهو الہادی الی السراط المستقیم [اللہ کی مدد سے وہی صراط المستقیم کی  
 طرف ہدایت دینے والا ہے]

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ توحید وجودی کے ماننے والے اکثر صوفیہ اپنی عقل و  
 وجدان کے تابع ہوتے ہیں۔ پہلے درجے میں وہ لوگ اپنی دریافت پر اعتماد کرتے ہیں  
 اور دوسرے درجے میں عقل کے ضمن میں وہ رسول علیہ السلام کا کمزور اتباع کرتے ہیں۔  
 آیات قرآنی اور احادیث کے مطالب کو اپنے ذوق اور مذاق پر محمول کرتے ہیں۔ اور

اہل بیت سے داد، حضرت رسول کریم کی اولاد اور ذریات، یعنی فاطمہ زہرا کی ولاد۔

اللہ رسول کریم کی ایک حدیث ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باب مدینہ العلم کہا گیا ہے۔  
 اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے میر درد نے لکھا ہے کہ آنحضرت رسول اکرم نے حضرت علی  
 کے لیے جو باب کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے  
 اور قیامت تک، اس کا فیض جاری رہے، نہ یہ کہ یہ دروازہ بند ہو جائے۔ برائے تفصیل  
 ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۵۵۔



حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے کہ انہیں شریعت سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ انہوں نے جو کچھ سمجھا اور محسوس کیا، ان کے نزدیک وہی ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اصلاً شریعت فہمی کا اتباع ان کا مطمح نظر نہیں۔ اپنے خیال میں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقت نفس الامری کا ادراک ہوا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ کسی شخص پر توحید کی حالت طاری ہو یا نہ ہو، ہمارا مقصد تو اس مسئلہ کی تحقیق کرنا ہے کہ ارروئے واقعہ ممکن ہے واجب کا عین ہے یا اس کا غیر، اور یہ کہ مخلوق عین خالق ہے یا اس کا غیر۔ اس امر

۱۔ ادراک: لغوی اعتبار سے کسی بات کو معلوم کرنا، کسی شے کو پانا۔ اصطلاح صوفیہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کو پالینا، اس سے مل جانا، ادراک ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، بسیط و مرکب۔ ادراک بسیط یہ ہے کہ سالک حق سبحانہ کی معرفت میں ایسا غرق ہو جائے کہ اسے بندہ اور مولا کی اضافی نسبت کا شعور باقی نہ رہے۔ ادراک مرکب یہ ہے کہ سالک کو حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہو، اور اس اضافی نسبت کا شعور بھی باقی رہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳؛ نیز علم الکتاب، ص: ۱۲۴۔

۲۔ عالم ارواح: عالم مثال اور عالم اجسام کو ممکن یا ممکنات کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ، ص: ۱۳۲۔

۳۔ واجب: وہ ہے جو اپنے وجود و بقا میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو، ظاہر ہے کہ ہر ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے کوئی شے واجب نہیں ہے کیونکہ جملہ کائنات و موجودات وجود و بقا میں ذات سبحانہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اصطلاحات صوفیہ، ص: ۱۶۰۔

۴۔ عین: سالک کا اپنی ہستی و خودی کو مٹا کر ذات حق میں محو ہو جانا اور باقی باللہ ہو جانا، عین کہلاتا ہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۰، ۱۰۱۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ ادراک کے سلسلے میں یہ لوگ اپنی عقل کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں اور عقلی دلائل کے سہارے راستہ  
 ملے کرتے ہیں اور ایمان کی ہستی بزور اپنے ساتھ گھیٹتے ہیں لیکن ایمان سے اپنا رشتہ  
 پورے طور پر توڑ لینا اپنے حق میں قرین مصلحت نہیں سمجھتے کیونکہ بہر حال اپنے آپ کو مسلمان  
 تو کہتے ہیں اور بالفعل بظاہر مومنین کی جماعت میں داخل ہیں بھی۔ شہودی صوفیہ میں سے اکثر  
 شریعت کے تابع ہوتے ہیں اور پہلے درجے میں اصلاً وہ لوگ شریعت کے مطابق اعتقاد  
 رکھتے ہیں اور دوسرے درجے میں شریعت کے ضمن میں جس حد تک ہو سکتا ہے اپنی  
 عقل کا دخل بھی روا رکھتے ہیں اور سمجھی ہوئی اپنی باتوں کو آیات قرآنی اور حدیثوں کے  
 مطابق ڈھالتے ہیں۔ درحقیقت جیسے انھیں عقل سے کوئی سروکار نہیں۔ خدا اور رسول  
 نے جو کچھ فرما دیا وہ سب کچھ ان کے نزدیک ثابت شدہ ہے اور فی نفسہ عقل کا اتباع  
 کرنا جیسے کہ انھیں ہرگز ملحوظ نہیں۔ یہ حضرات اپنے باطن [دل] میں اس بات کا یقین  
 رکھتے ہیں کہ جو کچھ امر واقعی ہے، خدا اور رسول نے اس کی خبر دیدی ہے۔ وہ اس بات  
 کو تہ دل سے مانتے ہیں کہ اخبار شرعیہ کی تحقیق کے سلسلے میں ہماری عقل کا کوئی دخل نہیں  
 ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عقلی قوت کے ذریعہ اس مسئلے کی تحقیق کہ واجب اور ممکن ایک دوسرے  
 کی عین ہیں یا غیر، سرے سے ہمارا مقصد نہیں۔ اس امر کے ادراک کے لیے یہ حضرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میر ذوق نے لکھا ہے کہ اس کے معنی حقیقت کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح میں  
 اس کو حقائق موجودات و صور علمیہ اور ایمان ثابتہ اور مرتبہ واحدیت کہتے ہیں۔ حکمران سے ماہیت  
 کہتے ہیں۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۳۔

شے غیہ، غیریت: جملہ موجودات بشرح حقیقت عین ذات سبحانہ ہیں۔ اور باعتبارات رسوم و  
 صفات و افعال ایک دوسرے کی غیر ہیں۔ غیریت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔

اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۱-۱۰۲۔



کلام اللہ کی آیتوں اور حدیثوں کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو اپنا رہنا مانتے ہیں، ایمان کی روشنی میں راہ طے کرتے ہیں اور عقل کی ہستی کو کوشش کر کے زبردستی سے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہیں۔ یہ لوگ عقل سے اپنا تعلق کلی طور پر منقطع کر لینا اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ بہر حال اپنے آپ کو صاحب عقل و ہوش کہلاتے ہیں۔ اور بالفصل ظاہری طور پر عقائد کی جماعت میں شامل ہیں بھی۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرع میں ہر شخص پر بلا اس کے ارادے کے خدا کی طرف سے کوئی بات ثابت ہو جاتی ہے اور دلائل اس کے بعد سامنے آتے ہیں لہذا جن کو عقل کے تابع بنا دیا گیا، بنا دیا گیا۔ اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ اس پابندی سے آزاد ہو جائیں، جنہیں نقل کے تابع کر دیا، کر دیا۔ اب ہرگز وہ اس کی حد سے باہر نہیں نکل سکتے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ بِالْاٰيْمَانِ** [اللہ تعالیٰ تم پر ایمان کے ذریعہ احسان کرتا ہے]

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے توحید مطلق کا آفتاب، جو توحید مجددی ہے، اگر قلب پر جلوہ گر ہو، اور سچا مفہوم دن کی طرح تم پر روشن ہو جائے تو توحید کی یہ کثیر شاخیں تمہارے تمہارے وقت میں خلل انداز نہ ہوں گی اور ذہن کو پر آگندہ نہ کریں گی۔ **وَاللّٰهُ يَجْتَبِيْ مِنْ عِبَادِهِ مَنۡ يَّشَآءُ** [اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے]

رباعی:

اے بے خیر از ہستی ہست مطلق	نہ گرفتہ از کتاب توحید سبق
کثرت نہ کند ترا پریشان چو شود	نصب العین تو معنی واحد حق

سہ وقت و حال سالک کے حاضر زمانے کو کہتے ہیں جو زمانہ گزر گیا وہ ماضی ہے۔ اس کی فکر ہی کیا۔ جو آئندہ آنے والا ہے، وہ مستقبل ہے، اس کا کیا اعتبار۔ موجودہ حاضر زمانے کو بیکار نہ کھونا چاہئے، یہی وقت کہلاتا ہے۔

[اے مخاطب تو جو وجودِ مطلق کی ہستی سے بے خبر و ناواقف ہے، تو نے توحید کی کتاب کا کوئی سبق نہیں پڑھا ہے۔ اگر تیرا نصب العین حق ہو جائے جو معنی واحد ہے تو تجھے یہ کثرت پریشان نہ کرے گی]

اے وہ شخص جو نفس وجود کے مرتبہ اطلاق کی موجودیت سے جو موجودات کی حقیقت ہے، جو بذاتِ خود اعرف المعارف [سارے معارف کے پھوڑ کی حیثیت سے مشہور] ہے، سبق نہیں پڑھا ہے اور اس اعلیٰ ترین مرتبہ کی ذاتی وحدت سے نابلد ہے اور کوئی قیہ و بند اور اضافتوں میں اے مگر نثارِ لوگو! اس دنیا کی یہ اعتباری اور متکثرہ صورتیں تجھے پر اگندہ خاطر نہ کریں گی اور نہ تجھے اپنی طرف متوجہ کریں گی۔ تمہارے دل کو پریشان اور مشغول نہ کریں گی بشرطیکہ حق تعالیٰ کے وجود کا یہ واحد مفہوم اگر اچھی طرح تیرے ذہن نشیں ہو جائے اور تیرے دل میں گھر کر لے اور اللہ تعالیٰ کے حضور و شہود کا دوام، ہمیشگی تجھے حاصل ہو جائے۔

۱۔ صور متکثرہ اعتباریہ: سور، صورتیں، اعیان ثابتہ کو کہتے ہیں یعنی جو علم الہی میں حقائق عالم کی تمام صورتیں محفوظ ہیں اور صور علمیہ کو حقائق الاشیاء بھی کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ: ص: ۵۔  
۲۔ ہر موجود شے کو کون کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ: ص: ۱۲۲۔  
۳۔ خلق سے بے زار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا۔

۴۔ رویت حق بحق یعنی جملہ کائنات اور جمیع موجودات کو عین حق برتبہ حق الیقین سمجھنا اور جمیع اعتبارات غیریت کو اٹھا دینا اور ہر ذرہ میں ذات واحد کو اور ذات میں جملہ موجودات کو یہ صفت عینیت دیکھنا۔ اصطلاحات صوفیہ: ص: ۸۰-۸۱۔ میر درد نے ان دونوں سے اصطلاحوں میں بہت ہی باریک فرق بتایا ہے۔ حضور سے مراد واحد حقیقی سے آگاہ ہونا جو سب تک میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شہود و مشاہدہ، قرب و معیت قویہ جو قرار پاتی ہے۔ اور دائمی ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۱۳۔  
۵۔ دوام۔ ہمیشہ قائم رہنے والی شے اور حالت۔



بیز اللہ تعالیٰ کی طرف بے چوئی اور بے کیفی کے ساتھ توجہ حاصل ہو جائے۔ مزید برآں دنیوی صورتوں کے یہ نقوش تیرے دل سے محو ہو جائیں اور حق تعالیٰ کے علاوہ تیرے دل میں کچھ باقی نہ رہے۔ توحید اسی حالت کے حاصل ہو جانے کا نام ہے اور اِنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ [اور تمہارا خدا، ایک خدا ہے] کی آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ کو ایک جاننا چاہئے اور اس کے سوا ساری چیزوں سے خود کو آزاد کر لینا چاہئے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کر کے خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت بجالانا چاہئے۔

توحید پر بحث کے بارے میں عارفوں اور اولیاء اللہ کے اپنے مذاق کے مطابق مختلف بیانات اور کثیر تعداد میں تحقیقات ہیں۔ اور اس ایک مفہوم کی وضاحت کے بارے میں یعنی مرتبہ وجود سے متعلق ان کی عبارتیں بھی مختلف ہیں اور اختلافات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ متقدمین اور متاخرین میں سے بعض لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست [وہی سب کچھ ہے] کا کلمہ کہنے پر جرات دکھاتے ہیں۔ لیکن اہل سلف اور خلف ہی میں سے بعض لوگ وحدت الشہود کا اقرار کرتے ہیں۔ اور ہمہ اوست [سب کچھ اسی سے ہے] کہتے ہیں۔

۱۔ بے چوئی : بے مثل، جس کا کوئی ہمسر نہ ہو، مراد خدا تعالیٰ۔

۲۔ بے کیفی : کیف بمعنی نشہ و مستی۔ بے کیف، وہ حالت جس میں ہوش و حواس درست صورت میں نہیں۔

۳۔ توجہ : اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی قلبی طاقت دوسرے کے دلوں پر ڈالنی اور اُن کو اپنے اختیار میں لانا اور دوسرے یہ کہ اپنے وجود کو نابود کرنا یعنی اپنی خودی کو ٹٹانا اور صرف ذات حق تعالیٰ کو موجود اور حق جاننا۔ اصطلاحات صوفیہ : ص : ۳۴۔

۴۔ نیز دیکھئے۔ علم الکتاب۔ ص : ۱۸۸-۱۸۹۔

وقد جعلتكم بارسالى الحق بالحكمة البالغة ولا بين لكم من الاسرار  
بعض الذى يختلفون فيه بمقتضى استعداد انكم الجزئية القاصدة  
وانه يحكم فيها كنتم تختلفون وهو احكم الحاكمين [اور وہ کہتے  
ہیں کہ میں بے شک تمہارے پاس حق کو پہونچانے کے لئے حکمت لے کر  
آیا ہوں اور تمہارے لئے بعض ایسے امور کو تمہاری استعداد کے مطابق بیان  
کروں گا جن میں وہ لوگ [یہود و نصاریٰ] اختلاف کرتے ہیں اور جن چیزوں کے  
بارے میں تم اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا وہ حاکم الحاكمین ہے]

لہذا یہ بات جاننی چاہئے کہ یہ سب لوگ جو آپس میں تنازع کر رہے ہیں اگر انصاف کی  
نظر سے غور کریں، تعصب کی رگ کو حرکت میں نہ لائیں تحقیق کی نظر سے ابھی طرح سے دیکھیں اور  
کسی فریق کی جانب داری نہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اہل وجود ہوں یا اہل شہود دونوں فریقوں  
کا حال کار ایک ہی ہے اور ان میں باہم صرف لفظی نزاع ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان  
دونوں نسبتوں کے قائلین کے حال کی کیفیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سب کا ما حاصل  
کی گرفتاری سے قلب کو آزاد کرنا اور حق تعالیٰ تک رسائی یا وصل حاصل کرنا ہے  
کیونکہ توحید و ہجود کا حاصل اور اس تحقیق کا انجام کار بھی یہی ہے کہ شہود میں بھی غیر نظر نہ

۱۔ حال: ساری کے دہر جو کیفیات بلا کوشش محض اللہ کی طرف سے وہی طور پر  
وارد ہوں۔

۲۔ سیر و سلوک کی ایک منزل ہے جس میں بندہ کو بت تعالیٰ کا وصل نصیب ہوتا ہے۔ وصل  
یہ ہے کہ وصل کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور بندہ کے علاوہ کسی چیز کا وجود باقی نہ  
رہے۔ یہ وصل حقیقی ہے اور اتحاد حقیقی۔ یہود و مسلمان ممکنہ میں سے کسی کو بھی یہ وصل نہ تو  
نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ علم الکتاب ص: ۵۴



آئے، توحید شہودی جلوہ فرما ہو جائے اور شاہدہ کی یہ حالت پیدا ہو جائے، ورنہ زبان سے ایک کہنا اور دل میں دو سمجھنا بے کار ہے۔ گفتگو میں موجودات معلومہ کی نفی کرنا اور دل پر تصور کونیہ کے نقوش کو منقش رکھنا کسی راستے کو نہیں کھولتا۔ توحید شہودی کا کمال اور اس کے قائل ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وجود میں غیر کا مشاہدہ نہ ہو، ورنہ یہ کیا توحید ہوئی کہ تمام امور کا سرچشمہ تو اسے سمجھا جاتا ہے لیکن موجودات کے وجود کو جو ان تمام امور کا اصل ہے وجود حق کا غیر تصور کر کے کثرت موجودات کا مشاہدہ کیا جائے بلکہ وحدۃ الشہود کا حاصل ہی یہی ہے کہ تمام موجودات کا وجود ایک وجود مطلق کے نور میں گم ہو جائے۔ کثرت اعتباریہ، شہود میں ٹخن نہ ہو اور کسی بھی صورت میں ان کا وجود نظر میں نہ آئے اور سب کچھ ایک ہی وجود کے نور میں ظاہر ہو [۶] اس حالت کے پیدا ہونے بنا اور اس کیفیت کے حاصل کئے بغیر [۶] چاہے وہ توحید وجودی کا قائل ہو یا توحید شہودی کا، ہجور ہے۔ مقلد، بیہودہ گو اور اہل قال لوگوں کے گروہ میں شامل ہے اور صحیح مذاق رکھنے والوں، صاحبانِ حال اور با کمال حقیقت شناسوں سے دور ہے اور ایسے شخص کی عالم حقیقت تک رسائی نہیں۔ کامل محققین جو صاحب نظر ہیں اور ہر امر کی حقیقت کو ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسی کہ وہ ہے، ان دونوں مفہام سے واقف ہیں۔ وہ وحدت الوجود کے بتر کو بھی جیسا چاہئے سمجھتے ہیں اور وحدت الشہود کی حقیقت کو بھی کما حقہ جانتے ہیں۔ نفس وجود کی وحدت میں، جو واجب کے ساتھ مخصوص ہے، کیا شک ہو سکتا ہے اور اس میں تردد کی کیا گنجائش ہے کیونکہ وجود مفہوم واحد ہے، اور موجودات کے ظہور سے ان میں تکثیر و تعدد نہیں پیدا ہوتا۔ اہل کشف و برہان کے نزدیک لفظ وحدانیت کے قائل ہیں۔

۱۔ موجودات سے عبارت ہیات مکشفہ اور حقائق موجودہ ہے۔ موجودات معلومہ،

مظاہر قدرت جن کا علم حاصل ہو۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۰۵

یہ اشتراکیت لفظی اشتراک نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو دہم ہوا ہے کہ مرتبہ موجودہ میں دوسرے وجود کا دہم کیا جائے، وحدۃ لا شریک لہ [اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں]۔ حقائق اور وجود کے دو میان ایسی غیریت ہے جو بدیہی ہے۔ اس کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اس میں سوچ بچار کی کہاں گنجائش ہے۔ چوں کہ ماہیت ایک دوسری چیز اور جداگانہ مفہوم ہے اور وجود ایک علیحدہ چیز اور مختلف مفہوم ہے۔ اگر وجود کا مابہ الوجودیت [یعنی جس کے ذریعہ کوئی شے موجود ہوتی ہے] کے مفہوم میں لیا جائے تو اس مفہوم کے اعتبار سے اگر وجود ماہیت و حقیقت کا عین ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ممکن بھی واجب ہو جاتا اور کسی جاں میں بھی معدوم نہ ہوتا۔ ان صوفیہ کے نزدیک جنہوں نے وحدت الوجود کے بارے میں اپنی زبان کھولی ہے۔ حقائق ممکنہ اور ماہیات امر کا معانی عدمیہ ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ الاعیان ماضیۃ الوجود [اعیان نے وجود کی خوشبو کو نہیں سونگیا ہے] اس لئے وہ حقائق دراصل عدمات ہیں اور عدم، وجود سے مختلف ہے اور ایجاب اور سلب کا تقابل وجود و عدم میں ثابت ہے اور حقائق ممکنہ میں یہی غیریت کی حیثیت اور اثینیت دو ہوتا کی صلاحیت خارجی اور ذہنی صورتوں کے ظہور کے باعث اور مرتبہ واجب سے ممکنات کے باہمی امتیاز کا سبب ہوئی اور اس چیز

۱۔ عدم : جس کا وجود نہ ہو، اس سے مراد ذات پاک ہے کیونکہ عدم کا عدم اثبات ہے اور حقیقت میں اثبات اور وجود بجز ذات حق تعالیٰ کے کسی شے کا نہیں ہے۔

میر درد نے عدم کو ظلمت سے تعبیر کیا ہے جو وجود کی نفی ہے۔ عدمات اعتباریہ بمعنی ظلمات۔

علم الکتاب۔ ص : ۱۰۷۔

۲۔ ایجاب : قبول کرنا۔

۳۔ سلب : نیست کرنا۔



نے ممکن کو واجب سے جدا اور الگ کر دیا۔ چنانچہ اس بنا پر عینیت اور اتحاد اور وجود کی موجودات کے ساتھ یگانگت کی نسبت، ذہن اور خارج میں موجودات کی موجودیت کا سبب بن کر وجود کے مرتبہ میں داخل ہوگی۔ ورنہ وہ عدم محض تھے اور موجودات اور معدومات میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی تھی۔ فانہم ولا تغفل [سمجھ لیجئے اور غفلت میں نہ پڑ بیٹے]۔

لہذا دین کے مقتدا، پیشوا، اکابر اور ارباب تمکین جو ان دونوں حیثیتوں کو نگاہ میں رکھنے والے اور اتحاد اور امتیاز دونوں کے پہلوؤں کو ہمہ وقت نظر میں رکھتے ہیں، تنزیہ و تشبیہ کے جامع، عینیت اور غیریت کے راز کے واقف کار ہیں۔

۱۔ اتحاد: حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی میں سالک کے مستغرق و محو ہونے کو کہتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وجود مطلق اس طرح پر مشاہدہ ہو کہ تمام موجودات و افراد عالم حق تعالیٰ کی ہستی سے موجود ہیں۔ اور اس کے عین ہیں اور خود کوئی ہستی نہیں رکھتے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۹-۱۰، ۱۲۔

۲۔ امتیاز: علیٰ ہر گز، بیگانگت۔ خدا اور بندہ کے درمیان عبد اور معبود کا رشتہ پایا جاتا ہے، خدا خدا ہے اور بندہ بندہ۔ امتیاز، اتحاد کی ضد ہے۔

۳۔ تنزیہ: اس کے کئی معنی ہیں (۱) ذات باری تعالیٰ کو جملہ عیوب و نقائص امکانیہ سے پاک جاننا (۲) تعینات سے بالا درجہ (جس کو احدیت اور ذات بحت اور وجود مطلق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) مرتبہ تنزیہ کہلاتا ہے کیوں کہ ذات اس مرتبہ میں ہر اسم و ہر صفت سے مبرا و منزہ ہے اور بعض مرتبہ وحدت اور مرتبہ واحدیت کو بھی مرتبہ تنزیہ کہتے ہیں۔ (۳) ذات حق سبحانہ باوجود مختلف شانوں میں ظاہر ہونے کے اپنی صفات و اسماء میں آشکارا ہونے کے بھی ویسے ہی منزہ ہے۔ الان کما کان اسی طرف اشارہ کرتا ہے کیوں کہ ذات کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں ہے۔ علم الکتاب۔ ص: ۳۵۹۔

۴۔ حق تعالیٰ کی ذات کے مراتب ظہور کو تشبیہات کہتے ہیں۔ بعض تعینات اور منزلات خارجی یعنی عالم ادراج، عالم مثال، عالم اجسام کو مراتب تشبیہیہ کہتے ہیں۔

۱۰ فرق اور جمع کی کیفیات کے حامل ہیں اور جنہوں نے سُکر، صحو، عروج و نزول، جذب و سلوک، فنا و بقا اور ولایت کی قربتوں اور نبوت کے کمالات کے مرتبے مفصل طور

۱۱ فرق: مشاہدہ مطلق بلا حق اور بعض کہتے ہیں کہ مشاہدہ عبودیت کا نام فرق ہے۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۳-۲۸۴۔

۱۲ جمع: شہورِ حق بلا خلق کو کہتے ہیں۔ علم الکتاب، ص: ۲۸۳-۲۸۴۔

۱۳ سُکر: محبوب کے جمال کے مشاہدہ کے وقت مست و بے خود ہو جانا اور عقل اور عشق سے مغلوب ہو جانا۔ اور اس نوبت پر پہنچ جانا کہ اس کو عاشق و معشوق کی تمیز نہ رہے۔ یہی وہ حالت تھی کہ حضرت منصور سے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامی سے سبحانی ما عظم شانی صادر ہوا تھا۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۳-۲۸۴۔

۱۴ صحو: سالک کا انتہا توحیدِ حقیقی میں پہنچ کر فرقِ مراتب سے غافل نہ ہونا۔ علم الکتاب۔ ص: ۲۸۴۔

۱۵ عروج و نزول: ذاتِ باری تعالیٰ کا تعین اول یعنی مرتبہ وحدت میں ظہور پذیر ہونا اور وحدت سے واحدیت میں اور واحدیت سے عالم ارواح اور عالم مثال میں اور عالم مثال سے عالم اجسام میں ظہور فرمانا۔ نزول کہلاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ذات مرتبہ احدیت صرفہ سے اپنی شانوں اور گونا گوں صفات میں تنزل فرما رہی ہے اور سالک عالم اجسام سے ذات صرفہ کی طرف ترقی کرنا عروج کہلاتا ہے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۹۹۔

۱۶ جذبہ: کشش حق تعالیٰ بغیر سعی حق تعالیٰ کا بندہ کو اپنی طرف کھینچ لینا۔

۱۷ سکر: طلب قرب حق تعالیٰ۔ برائے تفصیل دیکھیے۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۶۱۔

۱۸ فنا و بقا: سالک کا اپنی ہستی و وجود اضافی کو فنا کر کے وجود حقیقی ذات حق سبحانہ کے ساتھ بقا حاصل کرنا۔ بقا بالشد ہو جانا یعنی نور بعیرت سے اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



پر طے کئے گئے ہیں اور تفصیل سے انہیں دیکھا۔ یہ بزرگ لوگ اپنے زمانے کے لوگوں کی استعداد کے تقاضے کے مطابق حقیقت کا بیان اس طور پر کرتے ہیں جو ان کے حال اور انجام کو بہتر بنائے اور دارین [دنیا و آخرت] کے لئے مفید ہو اور ان کی نگاہوں پر پڑے پر دے اٹھاتے ہیں اور سیدھے راستے کی طرف، جو اعتدال کا سیدھا راستہ ہے، اپنے زمانے والوں اور اپنے ہم عصر لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور خیر کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ چوں کہ حضرت شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں علم رقتشر اور فضلائے فاسر پہنچوی اور محبوبی کی وجہ سے حقیقت کے ادراک سے محروم اور قربت کی بساط سے دور ہو چکے تھے اور اپنی خودی کے حجاب کو دور نہیں کر پاتے تھے۔ ان کے ہمناموں میں اثنینیت اور لبطون میں غیریت نے اس قدر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اتنی رستہ اور کیم سوجا تھی کہ وہ لوگ خالق اور مخلوق، صانع اور مصنوع کے درمیان اسی طرح کی نسبت سمجھنے لگے تھے کہ جس طرح کی نسبت بنا عمارت اور معمار اور گھر سے اور کمہار کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اسی نسبت کو ثابت بھی کیا کرتے تھے۔ غیریت کذائیمہ کو غیریت ممکنات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وجود اضافی کو عدم محض بنانا، فنا ہے۔ اور نہ فناء ذات ہے نہ وجود حقیقی ہے [کو موجود جاننا بقا ہے۔ برائے تفصیل دیکھئے اقسام فنا۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۱۵۔ وارد ۵۸۵، ص: ۳۱۸، ۴۷۵۔

۱۔ قشر: ظاہری علوم کو کہتے ہیں۔ علماء رقتشر، ماہرین علوم ظاہری۔ اصطلاحات صانیہ: ص ۱۱۸۔  
۲۔ محبوبی: حجاب۔ ہر وہ چیز جو عاشق کو معشوق کی طرف سے روکے، محبت دنیا کا در میں جاگزیں ہونے کو حجاب کہتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۲۹۔

۳۔ غیریت کذائیمہ: غیر۔ ماسوا اللہ کو غیر کہتے ہیں۔ اس کی آٹھ قسمیں ہیں: برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۰۱-۱۰۳۔

۴۔ غیریت ممکنات: ماسوا اللہ کو ممکن کہتے ہیں۔ غیریت ممکنات کے معنی ہیں کہ ممکنات واجب تعالیٰ سے غیر ہیں۔

کے مانند ایک دوسرے سے جدا کرنا کیا کرتے تھے۔ وجود ممکن کو مستقل اور وجود کے ذریعے جو چیز قائم ہے اس سے علیحدہ خیال کرتے تھے۔ ان کی یہ بات شرک کی طرف لے جانے والی ہے۔ ان کا اس طرح سمجھنا ایک عجیب سی بات ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے کمالات کی تمام صفات کو اس کمالات کی صفات ناقصہ کی طرح نہیں سمجھتے اور اس واحد حقیقی کو واحد عددی کی طرح نہیں جانتے تاہم خالق کی مخلوق سے غیریت کو اس طرح نہیں سمجھتے جس طرح عمارت اور حمار کے درمیان نسبت غیرت پائی جاتی ہے۔ بخود باشد منہ [اس بات سے مراد یہ ہے کہ] نہ کہ یہ ہیں کہ ہر اس طرحت سوچیں۔ ایسی صورت میں فنا اور بقا اور اللہ تعالیٰ سے نسبت اور قرب اور مشابہت، استغراق اور حضری میں مستہلک اور انجملہ۔

نسبت، مشابہت، ذات کو صفت کہتے ہیں۔ ان کی چیدہ نہیں ہیں۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔

اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۸۵-۸۶۔

لے مرعد واحد بگرامی نے توحید مطلق کی بحث میں لکھا ہے کہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے، وہ واحد عددی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عددی نہیں ہے اور حقیقی تجزی و بعض سے میرا اور منزہ ہے اور واحد عددی کی نسبت اور اعداد سے ہوتی ہے۔ مثلاً نصف اثنین، ثلث اثلث اور ربع الاربع وغیرہ۔ جس عدد کو فرض کرتے ہیں، وہ واحد عددی کا ایک ہوتا ہے جس ذریعہ سے اکائی۔ اس لیے اکائی کی نسبت جملہ اعداد سے ہوتی ہے اور اس لیے کہ کسی قسم کی نسبت نہیں ہوتی ہے۔ یہ بھی ہے کہ وہ واحد عددی تمام اعداد میں شامل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس واحد حقیقی اس قسم کی نسبتوں سے منزہ اور پاک ہے۔

برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ سبب سبب ص: ۶۶-۵۰۔ علم الکتاب۔ ص: ۶۳۱-۶۳۲۔

لے اسباب۔ مستحب، وہ طالب حق اور عاشق ذات ہے جس نے دوئی و اپنی خودی و جملہ التبارک اضافات کو مٹا کر بالکل مستغرق اور فنا فی الذات ہو گیا۔ علم الکتاب۔ ص: ۱۴۰۔



ولایت اور تقرب کا وہ راستہ بالکل اور سرسبز بند ہو جاتا ہے جس سے اولیاء اللہ کے توسط سے بندوں کا تعلق حق سبحانہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس لیے شیخ اکبر اور ان کے تابعین نے جو صاحب نسبت تھے، اسرار عینیت کے فلسفے کو مجبوراً تفصیل سے بیان کیا اور وحدۃ الوجود کے معارف قلم بند کئے اور اثینیت اور غیرت کو اپنے خیال میں نظروں سے پوشیدہ رکھا اور کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کا دروازہ کھول دیا تاکہ ظاہر میں اور صورت شناس حضرات اپنے باطن کی طرف رجوع ہوں اور مفہوم کو سمجھ لیں، حقیقت کی طرف دیکھیں اور ماسوا اللہ سے اپنا تعلق توڑ لیں۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز وجل سعید مشکور کے زمانے میں عینیت اور اتحاد کی نسبت اس دور کے لوگوں نے اس حد تک غالب آچکی تھی کہ اس حال کی کیفیت سے نابلد اکثر جہلا اور پریشان خاطر مقلدین صرف قال پر اکتفا کرنے لگے تھے اور انہوں نے اپنے قلب کو ماسوا اللہ کی گرفتاری سے آزاد نہ کیا تھا اور تسمیۂ قلب اور تزکیۂ نفس پر عمل نہ کرتے تھے۔ اس لیے گمراہی کے شکار تھے۔ عباد و معبود، خالق و مخلوق، حلال اور حرام، مشروع اور غیر مشروع

۱۔ تصفیۂ قلب، دل کی صفائی۔ دل کا ماسوا اللہ سے پاک کرنا اور دل میں غیر اللہ کو جگہ نہ دینا۔

۲۔ نفس کو صفات ذمیمہ سے پاک رکھنا، ماسوا اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہونا اور غیر کا شعور باقی نہ رہنا۔ جس سے عبارت اعتباریہ کونیہ کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اگر اس عالم کی طرف جس کا نام بالغیر ہے بالکل التفات نہ ہے، اس کو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کہتے ہیں۔ علم الکتاب۔ ص ۱۱۴۔

۳۔ ہر مرتبہ ظہور کو عید کہتے ہیں۔

۴۔ معبود : جس کی عبادت کی جائے۔

میں یہ نکتہ کہ تمام کائناتیں نہ کھرتے تھے۔ اور ان باتوں کو انھوں نے عوام میں پھیلا دیا ہے۔  
 فی الواقع اس وقت کہ تعالیٰ کا وجود ان تمام علویہ، سفلیہ، مجردیہ، مادیہ، ذہنیہ اور خارجیہ  
 موجودات سے دور اندوز ہے جس طرح کہ وجود کئی طبیعی کا ظاہر میں بذات خود اپنا کوئی وجود  
 نہیں ہے، گو، ذرا دور اپنے جزئیات کے بارے میں اسے موجود سمجھتے ہیں۔ تعالیٰ اللہ  
 تعالیٰ یہ فنون۔ اس باب سے حضرت مجدد [یعنی اللہ تعالیٰ عنہ] نے جو کمالات نبوت سے  
 مشہور تھے، انہیں تین تین اور غیریت کے مراتب کے اثبات کا صرف اظہار کیا تھا اور اس  
 انداز کو اس وقت مضبوط کرنے کے لئے انھوں نے نئی اور اچھی تحقیقات کیں اور نئی اصطلاحات  
 بیان کر کے نظریہ وحدت اشہود کے بارے میں لکھنا تھا کہ بے دین اور مسیحہ لوگ،  
 جو منہ میں مونیہ کے اقوال کی پیروی میں اپنے کو موحّدین میں شمار کرتے ہیں۔ تشبیہ سے  
 نکل کر کہہ کہ جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور اپنے محسوسات اور مقولات کی پابندیوں  
 سے آزاد ہو کر اس مرتبے پر ایمان لے آئے تھے اور اس سے نسبت۔ یا اگر لی تھی جو جس  
 اور شے سے دور ہے اور مجہول الکلیفیت کی نسبت پیدا کر لی تھی اور انہوں نے اس

۱۔ سفلی : دنیوی

۲۔ علوی : آسمانی

۳۔ مجہول : کلمہ کی اصطلاح میں وہ شے جو مادہ سے پاک ہو، جیسے برہنہ، ارواح۔

۴۔ مادیہ : مادی۔

۵۔ ذہنیہ : باطنی

۶۔ مجردیہ : مادیہ

۷۔ مادیہ : مادیہ کی اصطلاح ہے کہ اس کے نفس تصور کا مفہوم شرکت کا مانع،

۸۔ مجردیہ : مجردیہ جو اس معنی میں صادق آتا ہے۔

۹۔ مادیہ : مادیہ جس میں کسی بات کا خیال نہ رہے۔



مرتبہ قصویٰ اور اس عالی مقدس ذات سے قربت اور معیت کی حالت پیدا کر لی تھی اور کمالات نبوت کی قربت سے بہرہ مند ہو گئے تھے۔

(باقی آئندہ)

۱۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۱۳-۱۱۴۔

۲۔ معیت: صوفیاء کرام کے ہاں یہ مسئلہ معیت بڑی اہمیت رکھتا ہے چنانچہ قرآن میں آیا ہے: **وہو معکم ایما کنتم**۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو کیونکہ ذات حق تعالیٰ سے الگ اس کی صفات و اسماء کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی ہیں اور جملہ کائنات اسماء و صفات سے ظہور ہی کا نام ہے۔ لہذا ذات باری تعالیٰ جملہ موجودات کے ساتھ ہے۔

اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳۰-۱۳۱۔

## ایک اعلان

حضرت قبلہ مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی مکمل صحت یابی کیلئے دعا کی درخواست

جیسا کہ آپ لوگوں کے علم میں ہے کہ حضرت قبلہ مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی تقریباً دو سال سے سخت علیل ہیں اور دوران علالت خاص طور پر آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں ڈیڑھ ماہ داخل رہنے کی بنا پر ندوۃ المصنفین کے ممبران اور رسالہ برہان کے خریداروں اور تجارتی امور پر مکتبہ برہان کے خطوط کے جوابات یا وقت پر آرڈروں کی تعمیل نہ ہونے پر ندوۃ المصنفین و مکتبہ برہان دہلی کا جنرل مینیجر آپ سے معذرت خواہ ہے۔ نیز رسالہ برہان کا تاخیر سے شائع ہونا بھی اس میں شامل ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خیریت کی اطلاع اخبارات میں برابر دی جا رہی ہے۔ آپ اس سلسلے میں محض اس پر ہی اکتفا کریں، خط کے جواب کے منتظر نہ رہیں۔

# وشوا بھارتی یونیورسٹی کے

## فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب بدرستی سنٹرل لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی کیتن مغربی بنگال

(۲)

مثنوی لیلیٰ مجنون | ہاتھی (ملا عبد اللہ ہاتھی) - صفحہ ۲۲۴، کاتب مثنوی مانک چند،  
سال ۱۱۸۳ھ بمطابق ۱۷۶۹-۷۰ء، کتابت خط شکستہ۔ اس میں  
کل ۲۴ عنوانات ہیں جو مترخ روشنائی سے کتابت کئے گئے ہیں۔ ابتدائی چھ عنوانات  
کے قبل ۵۴ اشعار بغیر کسی عنوان کے ہیں جنہیں حمدیہ اشعار کہہ سکتے ہیں۔ اختصاراً بطور نمونہ  
مذکورہ چھ عنوانات ذیل میں دئے جاتے ہیں :

(۱) مناجات بقاضی الحاجات

(۲) در صفت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) در معراج حضرت رسالت پناہؐ

(۴) در صفت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ

(۵) در صفت قاسم انوار گوید

(۶) در صفت پیری



نسخہ مذکور کے مجموعی اشعار کی تعداد ۱۸۷۱ ہے جبکہ مطبوعہ میں ۲۰۷۵ ہیں اور لغت نامہ  
 دہخدا میں دو ہزار بتائی گئی ہے۔ بحیثیت تعداد اشعار، عنوانات اور الفاظ مطبوعہ نسخہ سے کافی  
 مختلف ہے۔ یہ مثنوی پہلی بار سر ولیم جانس (W. JONES) نے مع نوٹ مرتب  
 کی جو ۱۷۸۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی اور تقریباً اس کے ۷۵ سال بعد ۱۸۶۲ء میں بصورت  
 اور پمپل نو لکچور لکھنؤ سے طبع کی گئی تھی

ہند کے حسب ذیل کتب خانوں میں بھی یہ مثنوی بلیاس قلمی موجود ہے :

خطابخش لائبریری ٹینہ، گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس، بمبئی یونیورسٹی لائبریری،  
 مسلم یونیورسٹی لائبریری (سبحان اللہ کلکشن) علی گڑھ، کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد  
 اور کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ

ملا ہاتھی نے خمسہ نظامی کے مقابل میں جو مثنویاں لکھی ہیں ان میں سب سے پہلی  
 یہی مثنوی لیلیٰ مجنوں ہے۔ موصوف نے مثنوی لکھنے سے قبل اپنے ماموں ملا جامی سے اجازت  
 طلب کی، جامی نے کہا خمسہ پہلے تم فردوسی (متوفی ۱۰۳۱ھ) کی اُس ہجو کا جواب لکھ دو جو  
 اس نے محمود غزنوی سے متعلق کہی ہے۔

فردوسی کی ہجو :

درختے کہ تلخ است وی را سرشت      گوش در نشانی بہ باغ بہشت  
 وراز جوی خلش بہ ہنگام آب      بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب

۱۔ مطبوعہ منشی نو لکچور ۱۲۷۹ھ  
 ۱۸۶۲ء

۲۔ انڈیا آفس لائبریری لندن، جلد اول : ص ۷۷

۳۔ یہاں کے کتب خانہ میں نو لکچور لکھنؤ ۱۸۸۶ء کا مطبوعہ بھی ہے۔

۴۔ شمارہ مسلسل ۷، (۲۵ — ہائی گرملہ) : ص ۳۳۔

سیرانجام گوہر بکار آورد  
ہمان میوہ تلخ بار آورد  
ہاتفی کی جوابیہ ہجو :

اگر بیند ز غفلت سرشت  
نہی زیر طاؤس باغ بہشت  
بہ ہنگام آبن بیند پرورش  
ز انجیر جنت وہی ارز نش  
وہی آیش از چشمہ سلسبیل  
بدان بیضہ دم درد مد جبرئیل  
شود عاقبت بیضہ زاع زاع  
بر درنج بیہودہ طاؤس باغ

ہاتفی کے اس جواب پر ملا جاتی نے مذاق کہا کہ بہتر تو ہے لیکن انڈے بہت سارے  
جمع کر دئے ہیں۔ جاتی کی اسی ہمت افزائی کی وجہ سے ہاتفی نے اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں کی ابتدا  
تبرکاً جاتی ہی کے اس شعر سے کی ہے :

ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد  
توقع قبول روزیش باد  
موصوف مثنوی مذکور کے "تہ" میں لکھتے ہیں کہ "اسد سے نظامی گنجوی کی لیلیٰ مجنوں کے  
مقابل میں مثنوی لکھنے کی تمنا تھی جو خوش قسمتی سے اب پوری ہو گئی :

می بود ہمیشہ شوق ایتم  
کز خرمن گنجہ خوشہ چینم  
صد شکر کہ شد تیر آخر  
دین بخت رسید بر سر آخر

مثنوی کی تکمیل ہاتفی اپنے مرشد قاسم انوار کے فیوض و برکات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ  
"در صفت قاسم انوار" (متوفی ۸۳۷ھ) (عنوان ۷) میں لکھتے ہیں :

در خدمت او دودست بستم  
دراز سر مکرمت بدستم

Literary history of Persia v. 11: 1228 by Brown

ڈے بروفسر براؤن نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں صفحہ ۲۷۸ پر یہ مذاقیہ جملہ رضا قلی خاں ہرآیت  
کی "تبع الفسی" جلد ۲، ص ۵۶ اور ضیاء بے کی کتاب "خرابات" جلد ۳، ص ۳۷۴ سے نقل کیا ہے۔



درجی مشحون ز در مکنون      کین قصہ لیلیٰ نست و مجنون  
 دیدم چو دوران صحیفہ نو      نے نام نظامی و نہ خسرو  
 عنوان صحیفہ نام من بود      این بادہ نصیب جسام من بود  
 گردیدم ایقین ازین پس      کین نان مفت و نیت از کس  
 شہنشاہ بابر ہاتھی کی اس مثنوی پر تنقید لکھتے ہیں:  
 ”اس کی مثنویوں میں سے لیلیٰ مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے، گو جیسی  
 شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے۔“

خمسہ ہاتھی کی دیگر چار مثنویاں:

۱۔ خسرو شیریں بمقابل شیریں خسرو نظامی

۲۔ ہفت منظر • ہفت پیکر •

۳۔ تیمور نامہ • سکندر نامہ •

۴۔ شاہنامہ حضرت شاہ اسماعیل

تیمور نامہ کا دوسرا نام ظفر نامہ بھی ہے اس کی ترتیب و تکمیل میں ہاتھی نے ۳۴ سال صرف  
 کیے پھر بعد میں اس کے کچھ نامناسب اشعار کو حذف کر کے دیگر اشعار سے خانہ پری کی۔  
 حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۹۶ھ) لکھتے ہیں:

فارسی منظوم فی وقائع تیمور لمولانا عبد اللہ بن  
 اخت الجامی المعروف ہاتھی المتوفی سنہ ۹۲۷ھ  
 وهو نظم متین فی مقابلة اسکندر لآمن الخمسة  
 نظم فی اربعین سنة لآمن کثیر اما کان

یخرج بعض ابیات غیر المستحسنۃ ویبدلہ  
غیرہا۔

پروفیسر براؤن نے اس کتاب کی اہمیت کے سلسلے میں خود باتنی کے خیال کا ذکر کیا ہے کہ "اس میں من گھڑت قصے اور افسانے نہیں بلکہ صحیح اور سچے واقعات پر مبنی ہے۔ یہ منظوم تاریخ تیموری بنام "ظفر نامہ" کہنؤ سے جمع ہو چکی ہے۔ نیز مغربی جرمنی کے ایک اسکالر ڈاکٹر فرانز ٹیوفیل (Franz Teufel) نے برائے اشاعت مرتب کیا ہے۔ یہ مرتب موصوف مقام کارلس روہی (Karlsruhe, W. German) کی گرائڈ ڈوگل لائبریری (Grand-Ducal Library) میں ناظم کتب خانہ تھے۔ اور شاہنامہ حضرت شاہ اسماعیل کتاب کو منظوم کرنے کا سبب خود شاہ مذکور ہوئے۔ متعدد کتابوں میں سام نرا کے تذکرہ سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ شاہ اسماعیل ۹۱۷ھ میں جب خراسان کی فتحیابی کے بعد واپسی میں سید قاسم انوار کے مزار پر حاضری کے ارادے سے آ رہا تھا تو اچانک ماہ کے گھر پہنچ گیا۔ ملا موصوف شاہ کی آمد سن کر گھر سے برآمد ہوئے اور نہایت ہی احترام کے ساتھ بادشاہ کا استقبال کر کے اپنی لباس کے مطابق ضیافت کی۔ اس ضمن میں بہت ساری باتیں دونوں کے مابین ہوئیں جن میں سے بادشاہ کی یہ فرمائش بھی تھی کہ میری موجودہ فتحیابی پر ایک منظوم تاریخ مرتب کرو۔ باتنی نے شاہ کا حکم بجالاتے ہوئے نظم کہنی شروع

۱۔ کشف الظنون جلد دوم : ص: ۱۰۴۔

۲۔ Literary history of Persia, V 4, P 299

۳۔ سنگ انڈیا آفس لائبریری لندن جلد اول : ص ۷۷۹۔

۴۔ Indian Antiquary Dec 18 ۱۸۳۶

۵۔ اس منظوم نسخہ کی ایک کاپی کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں موجود ہے۔



کی لیکن شاعر موصوف کی عمر نے وفات کی جس سے یہ منظومہ نامکمل رہ گیا۔ پروفیسر براؤن کی تحریر کے مطابق ساڑھے چار ہزار اشعار کہہ پائے تھے۔ لیکن لغت نامہ دہخدا میں ان اشعار کی تعداد ۳۶۵۶ بتائی جاتی ہے۔

باقی کا محبوب شاہ اسماعیل شیخ صفی الدین کی چھٹی پشت میں گنزا ہے جس نے سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں خاندان صفویہ کی بنیاد ڈالی اور ایران کی کھوئی ہوئی سابقہ عظمت و شوکت واپس دلائی۔ پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ "تخت لشیں ہوتے ہی شاہ بنے پورا ارادہ کر لیا کہ شیعیت کو نہ صرف سلطنت کا مذہب قرار دیا جائے بلکہ صرف یہی ایک مذہب ایران میں باقی رہے۔ بادشاہ کے اس ارادے سے خود تبریز کے بعض شیعہ مجتہدین کو بھی تشویش لاحق ہوئی۔ چنانچہ شاہ اسماعیل کی تخت نشینی سے ایک روز قبل رات کے وقت یہ لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

قربانت شویم، دو بیست سی صد ہزار خلق کہ در تبریز است چہار دانگ  
آن ہمہ سنی انداز زمان حضرات تا حال این خطبہ را کہ برکلا خوانند  
ومی ترسیم کہ مردم بگویند کہ بادشاہ شیعہ نمی خواہیم و رہا شد  
اگر رعیت برگردند چہ تدارک درین باب توان کرد؟ بادشاہ فرمود:

۱۔ Literary history of Persia, v. 4: p. 229

۲۔ شمارہ مسلسل ۷۵، (ع۔ حانی گزمل): ص ۳۳۔

۳۔ یہ شاہان صفویہ کے مورث اعلیٰ اور اپنے عہد کے مشہور صوفی و بزرگ تھے۔ ہجری ۸۵۵ سال ۱۴۵۷ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ موصوف کی سوانح حیات "صفوة الصفا" کے نام سے مرتب ہو چکی ہے جس کے لئے مواد ان کے صاحبزادے صدر الدین (متوفی ۹۴۳ھ) نے بھی کیا تھا اور شیخ صفی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ان کے ایک مرید خاص ابن البراز نے تالیف کی۔

کہ مرابین کار بازداشتہ اند و قدای عالم باحضرات انک معصومین  
ہمراہ منند و من از پیچ کس باک ندارم، و من از پیچ کس باک  
ندرم۔ بتوفیق شد تعالی اگر رعیت حرفے بگویند شمشیر می کشند  
یک کس را زندہ نمی گزارم۔

مدا عبد اللہ ہاتھی مقام خرجرد (صوبہ جام) میں پیدا ہوئے اور یہیں ۵۷۷ھ میں  
وفات پائی۔ آپ ملا جاتی کے بھانجے اور شاہ قاسم انوار (متوفی ۸۳۷ھ) کے خاص

سہ تاریخ ادبیات ایران (اردو) اور  
*Literary history of Persia, v.4: P53*

۷۷۷ھ آپ کا نام معین الدین علی تھا، مولد آذربائیجان بساں ۷۷۷ھ اور وفات ۸۳۷ھ تکمیل  
علم و معرفت کے بعد اپنے مولد کو خیر باد کہہ کر گیلان، نیشاپور وغیرہ میں کچھ عرصہ بسر کرتے رہے پھر  
شاہ رخ (عہد ۸۰۷-۸۱۷ھ) کے دور میں دارالسلطنت ہرات میں اقامت گزین ہوئے۔ یہ بزرگ  
جہاں بھی گئے ہزار ہا افراد خواص و عوام کھائے عقیدت پنچاؤ کرتے رہے۔ اس مقبولیت نے کچھ  
خداہن کو رقیب بنا دیا جس کی بنا پر ہرات سے خروج کرنے پر مجبور کر دئے گئے۔ یہاں سے آند مرزا  
لغ بیگ (متوفی ۸۵۳ھ) کی حفاظت میں پناہ دی و آخر میں ۸۵۳ھ میں ہرات سے نکل کر خرجرد (جام)  
میں آکر ہمیشہ کیلئے آسودہ خاک ہو گئے۔ موصوف کی علی یار ۱۰۰۰ میں بصورت نثر و نظم دیوان غزلیات،  
ایس اور شقیں اور انیس العارفین ہیں۔ تفصیلی حالات زندگی ملا خدہ ہوں۔ تمہید السیرج ۲۳:

ص ۱۳۵، نفحات الانس ص ۵۳۵ تا ۵۳۷ اور مفتاح التواریخ ص ۱۷۱ تا ۱۷۲، از مسٹر طامس  
ویہ ہیلی۔ موصوفی موصوف کے سلسلے میں پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ شیخ صفی الدین اردبیلی  
نے صاحب دے صدر الدین کا مشہور ترین مرید قاسم الانوار نامی ایک شاعر ہوا ہے جس کے عقیدے  
۱۰۰۰ ال۔ ہے۔ ملا خدہ ہوتا تاریخ ادبیات ایران ۱، (دو ترجمہ) ص ۷۲-۷۱ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



مردیوں میں سے تھے۔ موصوف کی شاعری کا خاص میدان مثنوی گوی تھا جس میں انھیں انفرادیت حاصل تھی۔ خواند میر لکھتے ہیں:

”در نظم مثنوی از سائر شعرا ی زمان گوی تفوق  
می ربود<sup>۱</sup>۔“

یہی وجہ ہے کہ آصفی صرف تین ہی شخصیتوں کو صحیح معنوں میں شاعر خیال کرتے اور ان کے ساتھ ہی چوتھی شخصیت کا اذعا خود اپنے بارے میں تھا جس کا اظہار کیلیٰ مجنوں کے خاتمہ ”عنوان میں کیا ہے:

”در شعر سہ تن پیمبرانند  
فردوسی و انوری و سعدی  
قویست کہ جملگی برانند  
ہر چند کہ لائیتی بعبدی  
ایں خاتم آن سہ گان آمد  
زان بے بدل زمانہ آمد  
دانم کہ دران سخن نہ باشد  
محتاج بو صف من نہ باشد“

موصوف مسلک شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جس کی وضاحت اپنی مثنوی کیلیٰ مجنوں میں ”در صفت امیر المومنین علی بن طالبؑ“ کے تحت کرتے ہیں:

دردین نبیؑ علی است دالی  
او کرد جهان از کفر خالی  
من بعد نبیؑ امام برحق  
بر مسند شرع شاہ مطلق  
خواہم کہ سخن شود تمام  
در مدح دوازده امام  
یارب کہ کنی خجستہ نام  
در مدح دوازده امام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مترجم سید و ہاج الدین احمد کفوری۔ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے پروفیسر براؤن

کی کتاب Literary history of Persia, V.3: P 365-66  
473-86

۱۔ حبیب السیر جلد سوم: ص ۳۶۶۔

بخشای بہاتنی ز کوثر یک جرعه کہ بحق آل حمید

ہاتنی کی وفات اپنے وطن خرد (ہرم) میں بسال ۹۲۴ھ واقع ہوئی۔ خواند میر نے مولانا حبیب اللہ معرفت کا ایک قطعہ ذیل ذکر کیا ہے جس میں تعریف و تاریخ وفات بیان کی گئی ہے :

انہ باغِ دہر ہاتنی خوش کلام رفت	سوی ریاضِ فلد بعد عیش و صد طرب
جان داد و ہر وضع پاک۔ رسول گفت	روحی فداک الضیم ابھی لقب
رفت از جہان کسی کہ بود بطف شعرا و	آشوب ترک و شور عجم فتنہ عرب
تاریخ فوت او طلبیدم ز عشق گفت	از شاہِ عرشہاں و شاہِ شاعران طلب

۹۲۴ھ . ۹۲۴ھ

از ملا عبد الرحمن جامی۔ صفحات ۱۶۶، درمیان میں جا بجا اور آخر ناقص، یوسف زلیخا کتابت خط شکستہ، کاتب اور سال کتابت مذکور نہیں۔ درمیان سطور مشکل الفاظ کے معانی سہل فارسی میں موجود ہیں۔ کاتب نے کتابت نہایت ہی لا پرواہی سے قلم چلایا ہے۔ اکثر و بیشتر بند کے عنوانات غائب ہیں، چند ہیں بھی تو ان میں کسی بند کا عنوان ”حکایت“ اور کسی کا داستان۔ پھر مزید اس پر یہ کہ صفحات کے ہندسے کہیں موجود اور کسی مقام پر قلم انداز ہیں۔

یہ مثنوی قلمی صورت میں نیشنل لائبریری (بوہار کلکیشن) کلکتہ، گجرات و دیا بسھا احمد آباد خدا بخش لائبریری پٹنہ، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ، مسلم یونیورسٹی لائبریری (سیو شہ کلکیشن) علی گڑھ، سولت پبلک لائبریری راپور (یو پی) اور کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بھی موجود ہے۔



ملا جاتی کی حیات اور تصنیفات مع شروح و حواشی وغیرہ سے متعلق ماہ جولائی و اکتوبر ۱۹۸۲ء کے برہان میں کچھ تفصیل عرض کی جا چکی ہے۔ مثنوی مذکور کے تعارف کے دوران چند مزید ترجموں اور شرحوں کا سراغ ملا جو اب عرض کئے جا رہے ہیں۔

- ۱۔ شرح یوسف زلیخا (فارسی) از مولوی محمد رضا (طبع ہو چکی ہے)
- ۲۔ یوسف زلیخا مع شرح (شارح نامذکور) (مطبوعہ بمبئی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)
- ۳۔ ایضاً (ترکی ترجمہ) از شیخ عمر الخلوئی المغیساوی برائے سلطان عثمان ۱۸۳۳ء
- ۴۔ " (ایٹلیین ترجمہ) از ایف، رتی نو (F. Simeoni) جو ۱۸۹۹ء میں مقام نیپلس (Naples) سے طبع ہوا ہے
- ۵۔ " (جرمن ترجمہ) صرف ابتدائی اشعار کے ترجمہ ایچ بارب (H. Barb) جو ویانا (Vienna) سے طبع ہوا ہے
- ۶۔ زلیخا جاتی (اردو) ۱۹۷۰ء
- ۷۔ شرح زلیخا جاتی از مولوی محمد شاہ ۱۹۷۰ء

۱۔ فہرست مہولت پبلک لائبریری رام پور (یوپی) ص: ۱۶۴۔  
 ۲۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد، جلد دوم:  
 ص: ۱۴۹۲

۳۔ کشف الظنون، جلد دوم: ص: ۶۶۲۔  
 ۴۔ کننگ انڈیا آفس لائبریری لندن، جلد اول: ۱۵۶۷  
 ۵۔ ایضاً: ص: ۷۴۷  
 ۶۔ فہرست کتب حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ: ص: ۴۰  
 ۷۔ فہرست کتب کلاں منشی نو لکھنؤ و کانپور۔ ص: ۱۴۴۔

۸۔ روضۃ دلکشا (شرح یوسف زلیخا) از غلام عبدالقادر ناظر مدرسی  
(متوفی ۱۲۴۳ھ)  
۱۸۲۴ء

۹۔ شرح یوسف زلیخا از ملا سعد عظیم آبادی (یہ نسخہ دشوا بھارتی لائبریری میں ہے جس کا تعارف اپنے موقع پر کیا جائے گا)

۱۰۔ سنسکرت ترجمہ بنام کتھا کو تو کا " مترجم شری در"

مذکورہ بالا شروح و ترجموں سے متعلق شارحین و مترجمین کے اسماء اور زبان، مطابِع اور سالہای طباعت درج نہیں کوسکا۔ جن ذرائع سے یہ مختصر فہرست پیش کی گئی ہے ان میں یہ اطلاعیں مذکور نہیں تھیں۔ اس کمی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

(باقی آئندہ)

۱۔ "سخنوران بلند فکر" ص: ۵۷-۱۵۶ مصنفہ محمد نور صاحب بہادر گوہر۔

(اس حاشیہ میں دئے گئے خط کشیدہ کتب خانوں میں وہ شرحیں بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے کتب خانہ میں جرمن ترجمہ مع متن دیانا (Vianana) ۱۸۳۳ء کا پایا جاتا ہے۔ اس کتب خانہ کی فہرست میں مترجم کا ذکر نہیں ہے لیکن میرا قیاس ہے کہ Mrs. Rosenzweig کا ترجمہ ہے جو دیانا سے ۱۹۲۳ء میں طبع ہو چکا ہے جس کا ذکر اکتوبر ۱۹۸۲ء کے برہان میں گذر چکا ہے۔

۲۔ "اسلامی کتب خانے" مصنفہ الحاج محمد زبیر صاحب مرحوم۔ ص: ۲۷۱



# ۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر

(۱۳)

مولانا محمد ظفر الدین مفتاحی، دارالعلوم دیوبند

**دعوت ناشتہ** | جب ہم لیٹ چکے تو ایک آدمی نے آکر خبر دی کہ کل صبح سویرے کا ناشتہ کر کے جائیں، آپ سب کی دعوت ہے، صبح نماز بعد جب آفتاب نکل چکا تو ہم نے چلنے کی تیاری کر لی بلکہ نکل چکے، دعوت کرنے والے دوڑے آئے، کہ چلیں ناشتہ کریں۔ بیچارے نے فوراً اندر جا کر چولہا جلوایا۔ روٹیاں اور سبزی ترکاری بہت جلد تیار کرائی، مجھے یاد ہے دو دن کے بعد آج میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا اور رغبت سے کھایا۔ کھا کر چل دیئے، اور لائن پکڑ کر چلے کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا یہ قاضی پو والوں نے بتادیا تھا کہ جب فوجی ٹرین کی آواز آئے آپ لوگ ریلوے تار سے باہر کہیں اوٹ میں کھڑے ہو جائیں۔

اب خوف و ہراس تقریباً (مذہب معلوم کیوں) دلوں سے نکل چکا تھا، ہنسی خوشی ہم بلیا سے چھپرہ کی طرف جا رہے تھے، راستہ میں ریلوے کے دونوں کنارے پانی میں ڈوبے ہوئے نظر آئے۔ تھوڑی دیر بعد ٹرین کے آنے کی آواز آئی، اب پانی میں ہم کہاں جائیں، کلمہ پڑھ کر اور توبہ کر کے پانی کے کنارے کھڑے ہو گئے، مگر الحمد للہ فوجی گذر گئے، کوئی گولی نہیں چلی، اب اطمینان تھا کہ خطرہ ٹل گیا۔

**حکومت کے منظم** | اب پانی کا سلسلہ ختم تھا۔ پیاس لگی تو ایک ہم کے باغ میں کنواں نظر آیا، وہاں پہنچے، پانی پیا گیا، دیکھا کہ ایک ٹوٹی ہندو کنسانوں کی جمع ہے، انھوں نے بتایا کہ ہم پر اور مہاری آبادی پر برطانیہ کی پولیس اور فوج نے کتنے منظم ڈھائے، مجبوراً بستی خالی کر کے مکئی کے کھیتوں میں آکر بچوں اور عورتوں کو پناہ دینا پڑی ہے، بستی میں تمام اچھے مکانوں کو انھوں نے پھونک ڈالا اور بہت ساری ہتھیوں میں ایسا ہوا ہے، نہ جان محفوظ ہے نہ عزت و آبرو، ہم بھی جان بچانے کے لئے آبادی چھوڑ کر جنگل میں ٹھہرے ہوئے ہیں، عورتوں کی آبرو بے تحاشا ٹوٹی جا رہی ہے، کھیتی برباد ہو رہی ہے، ان کی یہ داستان درد و غم سن کر دل شق ہو گئے، کچھ تھا، سو کا بیڑہ بنا ہوا تھا، حکومت وقت سے ٹکری تھی، غصہ سے بات کاٹنے لگا، مگر مجبور آدمی کیا کر سکتا ہے، میں نے ان سے کہا گھبراہٹیں نہیں۔ ہمارا ملک بہت جلد آزاد ہوگا، میں بھی مجرم ہوں، بغاوت کا وارنٹ ہے۔ سو سے پیدل درجنگہ جا رہا ہوں، انگریزوں سے پورا بدلہ لیا جائے گا، اب ان کی حکومت باقی رہنے والی نہیں۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ آنے جانے والے مسافروں نے بتایا ہے کہ چھپرہ سے سمتی پور تک جزوی ٹرینیں چلنے لگی ہیں، اس خبر سے تھوڑی مسرت ہوئی، بانس ڈیہہ کا اسٹیشن بھی طلبہ نے پھونک ڈالا تھا، دوپہر میں سمبھار نامی اسٹیشن پہنچا، یہ اسٹیشن بھی خاکستر ہو چکا تھا۔ پولیس کی نگرانی میں کچھ مزدور صفائی کا کام انجام دے رہے تھے، اسٹیشن کے سامنے باغ میں کنواں تھا، وہاں دم لیا، پانی پیا، بلیا میں مشورہ دینے والے کہہ چکے تھے کہ دوپہر میں نہ گئے نہ چلین کہیں مسجد مل جائے تو سب آرام کرنا۔

**دوپہر میں قیام** | یہیں باغ میں دو پولیس کے آدمی ملے ان بھی بات چیت ہوئی، انھوں نے وہاں کے حالات بتائے کہ فوج نے یہاں بھی ظلم و جور سے کام لیا، بہت سے مکانوں میں آگ لگا دی، بہت سے مکانوں کے کچروں کو پٹوا دیا۔ کچرے سب ٹوٹ گئے، بازار ویران پڑا ہے، آج لوگ بازار ہوتے ہوئے بالکل کنارے چلے جائیں، وہاں ایک مسجد ہے

کنواں ہے، وہاں نہادھو کر آرام کریں، جب دھوپ کی تمازت کم ہو تو یہ سڑک ہے اس سے ریوتی چلے جائیں، لائن پکڑنے کی اب ضرورت نہیں ہے، ادھر سیلاب کا پانی نہیں ہے، لائن پر فوج کی نگرانی میں مرمت کا کام ہو رہا ہے، جو مسافر بھی مل جاتا ہے فوجی اسے روک لیتے اور زبردستی لائن کی درستگی کے کاموں میں لگا دیتے ہیں۔

۲۹ اگست ۱۹۷۲ء کی دوپہر کو سہتوار بازار ہوتے ہوئے کنارے والی مسجد میں جا کر ٹھہرے جو آبادی سے باہر ہے۔ واقعی وہاں بڑا اطمینان ملا۔ نہائے، کپڑے دھوئے پھر سو گئے، دو گھنٹہ بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ اذان پکاری، جماعت سے نماز ادا کی۔ ہمارے سوا کوئی ایک متنفس بھی جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔

سہتوار بازار میں ہو کا عالم تھا، دکانیں ویران پڑی تھیں، کچھ مکانات یہاں بھی فوج کی ستم ظریفی پر ماتم کناں نظر آئے، خواص و عوام سہمے سہمے اور چھپے چھپے نظر آ رہے تھے، حلوائی کی ایک آدھ دوکان کے سوا کوئی دوکان کھلی ہوئی نظر نہیں آئی۔ کھانے کے لئے بڑی مشکل سے سٹو اور کچھ میٹھی چیزیں ملیں۔

کوئی تین بجے دن میں کچی سڑک سے پیدل روانہ ہوئے، جب تھک سہتوار سے روانگی گئے، ایک درخت کے سایہ میں دم لیا، پھر چل پڑے یہاں بھی فوجیوں کے ظلم و ستم کی داستانیں لوگوں نے سنائیں کہ چلتے راہی مسافر کو پا جاتے ہیں تو کس بے دردی مارتے پیٹتے ہیں اور لائن میں باندھ دیتے ہیں، اور بید لگواتے ہیں، ان کو ذرا بھی رحم نہیں آتا، وہاں سے آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک بچہ بلڈنگ سے دھواں نکل رہا ہے، پوری عمارت سیاہ ہو رہی ہے، معلوم کرنے پر وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ابھی فوجیوں نے پٹرول چھڑک کر آگ لگائی ہے، اور مکان اندر جل رہا ہے، چار بج چکے تھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ریوتی قصبہ ڈھائی تین میل دور رہ گیا ہے، وہاں بازار بھی ہے۔ مسلمان بھی کافی تعداد میں بستے ہیں، ہم نے طے کر لیا کہ رات اسی قصبہ کی مسجد میں گزارنی ہے۔



**ریوتی میں** کوئی پانچ بجے دن میں ہم لوگ ریوتی بازار میں داخل ہوئے، خوف و ہراس نے ہمارے  
خیر مقدم کیا۔ جہاں ہم لوگوں کی نظر پڑتی، لوگ گھیر لیتے اور حالات معلوم کرنے  
لگتے، ہم راستہ پوچھتے ہوئے، سیدھے مسجد آئے، وہ وہاں کی جامع مسجد تھی، عصر کی نماز ادا کی،  
مقامی لوگوں سے گفتگو ہوئی، سبھوں نے بتایا کہ بازار میں غلہ نایاب ہے، دیہات سے غلہ نہیں  
آ رہا ہے، یہاں بھی بہت سے لوگ گرفتار ہو چکے ہیں، اور بہت سے گھر چھوڑ کر بھاگے ہوئے  
ہیں، تشدد بہت ہے۔

قبیل مغرب ایک شخص تشریف لائے، کہنے لگے، رات کا کھانا آپ سب آدمی ہمارے  
یہاں کھائیں گے، ہم نے پہلے اٹکار کیا کہ اس پریشانی کے زمانے میں کیوں آپ زحمت  
کر رہے ہیں، کہنے لگے اللہ کا فضل ہے، مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی، اللہ کا دیا ہوا  
برغاء موجود ہے، اصرار کے بعد دعوت قبول کرنا پڑی۔

اس بندہ فنانے اس حدیث پر عمل کیا جس میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اپنے  
مہمانوں کا اکرام کرو۔ بڑی محبت اور شوق سے انھوں نے کھلایا، پلایا، یہ سب فضل خداوندی  
تھا، دل سے دعائیں نکلیں اور اندازہ ہوا کہ مسلمانوں میں اب بھی مسافر نوازی کے جذبات  
کتنے عمدہ ہیں، رات وہیں مسجد میں گزاری، سویرے اٹھ کر ہم مسجد سے نکل کر باہر باغ  
میں آ گئے، وہاں ایک کنواں تھا، اور سامنے ریلوے لائن، حاجات بشری سے فراغت حاصل  
کی، پھر وضو کر کے باجماعت نماز ادا کی، اور وہاں سے لائن پکڑ کر چھپرہ کی طرف چل پڑے  
ذہن میں تھا کہ گرمی کے دن ہیں، سویرے ٹھنڈے ٹھنڈے کچھ راستہ طے ہو جائے تو  
بہتر ہے۔

**ایک ساتھی کی آمد** لائن پکڑے تیزی سے ہم راستے قطع کرتے آگے جا رہے تھے، کوئی آٹھ  
دن میں ایک اور ساتھی پیچھے سے تیزی سے آتا ہوا نظر آیا، یہ کون  
طاب علم ہے؟ جو تنہا چل رہا ہے، جب وہ قریب آگئے تو پہچانا کہ یہ ہمارے حافظ محمد خلیل صاحب

مظفر پوری ہیں، جہاں ان کی جان میں جان آئی، میری بھی خوشی کی انتہا نہ رہی، اس لئے کہ اب تک میں اپنے مدرسہ کا بھی تنہا تھا اور اپنے ذوق کا بھی، بقیہ پورنبہ کے طلبہ تھے جو دارالعلوم میں پڑھتے تھے، اور جنہیں بنگالیوں کے علاوہ دوسروں سے عام طور پر آنس بہت کم ہوتا ہے۔ سرمن پور اسٹیشن پر پہنچ کر حافظ صاحب کو ناشتہ کرایا، اب وہاں سے چلے تو اپنے ہم مذاق ساتھی کی وجہ سے چہرے پر ہناشت آئی، خاموشی ختم ہوئی، گپ شپ کرتا ہوا چلا، چلنا آسان ہو گیا اور راستہ کی تکلیف خاصی کم محسوس ہونے لگی۔

چلتا بھاگتا جا رہا تھا، ٹھیک دوپہر میں اس بڑی ندی بلکہ دریا کے کنارے پہنچا، جس پر ریلوے لائن کا بڑا لمبا پل ہے، ابھی کا پل کہا جاتا ہے، دریا کا پارٹ بہت عریض ہے، سیلاب کی وجہ سے دریا پھولا ہوا تھا۔ مگر کشتی سے لوگ ادھر سے ادھر پار ہو رہے تھے۔

ڈرتے ڈرتے کشتی پر بیٹھے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، پل سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی پولیس کا پہرہ پڑ رہا تھا، اللہ اللہ کر کے آدھ ایک گھنٹہ میں پار اترا، اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایک ہم سفر ہوئی، اس لئے کہ پورے راستہ میں سوچتا آ رہا تھا کہ اس دریا سے کیسے پار اترا جائے گا۔

**چھپرہ کی حیرتیں** | ادھر آکر کچھ کھایا پیایا گیا، اور ٹرک کے راستہ روانہ ہوا۔ اب چھپرہ ضلع میں داخل ہو چکا تھا، چھپرہ شہر میں میرا بچپن گزرا ہے، آمدنامہ سے لے کر شرح و قایہ تک میں نے ساری کتابیں اسی شہر کے مدرسہ دارالعلوم میں پڑھی ہیں، ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۳۷ء تک میرا قیام رہا، یہ مدرسہ پہلے محلہ کریم چک کے مختلف کرایہ کے مکانوں میں رہا۔ ذاتی مکان سے غالباً یہ دینی درسگاہ اب تک محروم ہے، لیکن، کانگریس کا جس زمانہ میں سخت ٹکراؤ تھا، چھپرہ میں ہی تھا، اپنے استاد سید محمد قادری صاحب کے حکم اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمن کی اجازت سے انجمنیتہ دہلی کے رس پرچہ منگوا کر

لوگوں تک کئی سال تک پہنچا تا رہا، جمعیتہ علماء کی نمائندگی کا فریضہ یہی دونوں حضرات ادا کرتے تھے، اس شہر میں اپنے بچپن اور ابتدائے نوجوانی میں پچاسوں تقریریں کی ہوں گی، ۱۹۳۸ء میں جمعیتہ علماء بہار کی صوبائی کانفرنس اسی شہر میں ہوئی، اور اسی سے جمعیتہ علماء کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، اور سب سے پہلے ہم طلبہ کے مطالبے پر ہی نائب امیر شریعت حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیتہ کا سفید و سیاہ دھاری کا جھنڈا انجیز فرمایا اور بہت نمایاں کر کے اسے لہرایا۔ یہ شان جھنڈے کی پھر کبھی دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ چھپرہ کی سرحد میں داخل ہوتے ہی اس کی سر زمین سے میں نے انس محسوس کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ اجنبی خطے سے نکل کر ایک مانوس خطے میں آ گیا، توانائی بڑھ گئی، دیول گنج بازار میں حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ یاد آئے، چنانچہ وہاں سے چل کر پورے قافلہ کے ساتھ مدرسہ حمید یہ گودنا کے احاطہ میں داخل ہوا، یہ ساڑھے تین بجے دن کا وقت تھا، معلوم ہوا کہ مولانا مدظلہ وطن جا چکے ہیں، مدرسہ بند ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مدرسہ کے متولی مولوی احسان احمد صاحب گرفتار ہو چکے ہیں، کیونکہ یہ بھی کانگریسی کے کارکن تھے۔

دہاں سے چل کر چھپرہ اسٹیشن آیا، جہاں پلیٹ فارم پر سخت فوجی پہرہ تھا، **چھپرہ میں قیام** | کسی کو ٹھہرے نہیں دیا جاتا تھا، اسٹیشن سے باہر نکل کر ایک مسلمان ہوٹل میں آیا۔ اب پانچ بج چکے تھے، عصر کی نماز پڑھی، چائے پی، اور اسی ہوٹل میں قیام کا ارادہ کر لیا۔

چھپرہ شہر اجنبی نہیں تھا، جی میں آیا کچھ دوستوں سے مل آؤں، پھر خیال آیا، قیام کے رات میں کانگریسی مشہور تھے اور بہت سے مسلم لیگی ہمارے سخت مخالف تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کوئی بدخواہ موقع غنیمت جان کر گرفتار کرادے۔ اس لئے شہر میں جانا مناسب نہیں معلوم ہوا، اور یہیں گیا۔ میں اور حافظ صاحب ہوٹل میں رہ گئے، میرے بقیہ ساتھی شہر کی کسی مسجد میں چلے گئے،



محلہ گڈری بازار کی مسجد میں غالباً ان سب نے رات گزاری، یہ ارزانی کا دور تھا، ایک آنہ فی چارپائی سونے کا معاوضہ لیا اور کھانے پائے میں جو خرچ ہوا وہ الگ سے چارج کیا۔ اس زمانے میں ایک آنہ ڈیڑھ آنے میں ایک شخص اوسط درجہ کا کھانا اسودہ ہو کر کھاتا تھا، شام سے صبح تک شہر میں کوئی نہ تھا۔

پانچ بجے شام سے دوسرے دن کے ڈھائی بجے دن تک ہوٹل میں قیام رہا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ریلوے کے بعض ملازمین نے بتایا کہ لائن درست ہو چکی ہے، آج ڈھائی بجے دن میں پہلی ٹرین یہاں سے سوئیپور جائے گی۔

چنانچہ ۳۱ اگست ۱۹۴۲ء کو ڈھائی تین بجے دن میں پسینہ خیز ٹرین چھپرہ سے سوئیپور سوئیپور روانگی کے لئے روانہ ہوئی، ٹکٹ لے کر ہم سب اس میں بیٹھ گئے، ۵ بجے اس نے سوئیپور پہنچایا، یہاں بھی اسٹیشن پر فوجی پہرہ تھا۔ مسافر کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، — یہ بھی معلوم ہوا کہ اب کل ۹ بجے دن میں ایک ٹرین سوئیپور سے مظفرپور جائے گی۔

ایک مسلمان کے مشورہ سے ہم لوگ اسٹیشن سے باہر آئے اور ایک میل کی دوری پر جا کر ایک مسلمان آبادی میں پہنچے، وہاں کی مسجد میں قیام کیا، رات اسی میں گزاری، حافظ خلیل صاحب بازار سے ستوا اور شکر خرید کر لائے، دہلین سیرام روڈ بھی لائے۔ اس کے سوا کھانے کی کوئی اور چیز نہیں ملی، رات کا کھانا اور صبح کا ناشتہ یہی تھا۔ آٹھ بجے دن میں وہاں سے چل کر اسٹیشن آ گئے۔

اسی دن یکم ستمبر ۱۹۴۲ء کو ٹرین کٹھیار کے لئے چلنے والی تھی، جو شاہ پور سوئیپور سے سمستی پور پٹودی ہو کر جاری تھی۔ پورنیہ کے اجاب اس سے روانہ ہو گئے،

دوسری ٹرین مظفرپور جانے والی تھی، ٹکٹ لے کر ہم دونوں (خاکسار اور حافظ خلیل) اس میں بیٹھ گئے، چنانچہ اس نے لا کر مظفرپور اتار دیا۔

باہر نکل کر تانگے والے سے در بھنگہ چلنے کی بات کی، تو بارہ روپے کرایہ بتایا، جو زیادہ معلوم ہوا، وہیں کسی نے بتایا کہ دوپہر بعد ایک ٹرین یہاں سے مستی پور جائے گی، ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آگئے اور ٹرین پر بیٹھ کر ۳ بجے مستی پور پہنچے، یہاں بھی اسٹیشن پر پہرہ تھا۔ باہر نکل کر قریب ک مسجد میں نماز ادا کی، پلیٹ فارم پر در بھنگہ کے کچھ جان پہچان کے ریلوے ملازم ملے، ان سے کہہ دیا کہ بھائی سراج الدین صاحب کو یہ اطلاع کر دیں کہ یہاں تک ہم لوگ پہنچ چکے ہیں، کل کسی وقت انشراح اللہ در بھنگہ پہنچیں گے، بھائی سراج الدین ریلوے ملازم تھے اور در بھنگہ اسٹیشن کے حلقے میں رہتے تھے۔

نماز کے بعد ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا گیا۔ اب کہنا چاہئے رنج و غم ختم ہو چکا تھا، اور خوف دل سے نکل چکا تھا کہ اپنے ضلع میں آچکا تھا اب سوال یہ تھا کہ رات کہاں گزاری جائے۔ معلوم ہوا کہ بھائی عبداللطیف کی ڈیوٹی آج کل یہیں ہے اور وہ کنارے کے فلاں کواٹر میں ہیں، ان کی تلاش میں نکلا اور آفتاب ڈوبنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا، رات ان کے پاس ہم دونوں نے گزاری، انھوں نے بتایا کہ ابھی در بھنگہ کے لئے فوجی ٹرین چلتی ہے اگر پسند کرو تو اس پر بٹھا دوں، یوں فوجی غیر مہذب ہوتے ہیں، ہم نے کہا پھر پیدل چلے جائیں گے، تردد کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔

۲ ستمبر ۱۹۴۷ء ناشتہ سے فارغ ہو کر در بھنگہ کے نئے پیدل روانہ ہوئے، گو **در بھنگہ روانگی** وطن کی قربت نے زندہ دل بنا دیا تھا، مگر ہفتہ بھر کی تکان اور سفر نے نیم جان بنا رکھا تھا، پاؤں پر درد بھی آچکا تھا، اور چلنے میں کافی تکلیف کا احساس تھا، مگر کرنا کیا تھا، جیسے تیسے چل پڑا، جوانی کی توانائی ساتھ دے رہی تھی، ایک بجے دن میں ہم جٹل پور پہنچے، یہاں پل ٹوٹا ہوا ملا۔ بہت جواب دے چکی تھی، ارادہ یہ ہوا کہ کوئی مسٹر آبادی مل جائے تو آرام کیا جائے۔ کل در بھنگہ کے لئے چلا جائے گا۔ اب پاؤں اٹھ نہیں پاتے تھے۔

نصف گھنٹہ کے انتظار کے بعد کشتی آئی جس نے ہمیں پار اتارا اور اس طرح دوسری طرف پہنچا، وہاں دیکھا بہت سے یکے تانگے کھڑے ہیں، دھوپ تیز تھی، ایک یکے والے سے در بھنگہ کے لئے بات کی وہ تیار ہو گیا، کچھ مسافر اور بھی اس کو مل گئے۔ اب جان میں جان آئی۔

ہم دونوں یکے پر بیٹھ کر در بھنگہ آئے، راستہ کافی لمبا تھا، تین گھنٹہ میں طے ہوا، گوگھوڑا تیز تھا، بھائی صاحب کے کواٹر میں آیا۔ وہ ڈیوٹی پر تھے، ایک آدمی فوراً بھاگا، جا کر بتایا کہ آپ کے چھوٹے بھائی بخیریت آگئے، وہ سنتے ہوئے دوڑے ہوئے آئے، دیکھ کر بہت مسرور ہوئے، فرما نے لگے کہ والد محترم دن رات تمہارا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، کبھی کبھی ان کے لب و لہجہ میں مایوسی آ جاتی تھی، ان کو معلوم تھا کہ تم تقریر زیادہ کرتے ہو، سیاسی بھی ہو، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں پولیس یا فوجی کی گولی کا نشانہ نہ بن گئے ہو، لوگ کہتے تھے کہ نہیں وہ زندہ ہے، دیر سویر آئے گا، وہ بھی کہنے لگتے انداز تو یہی ہے کہ زندہ سلامت ہے، مگر کبھی نامیدی کا حملہ ہو جاتا ہے، یوں دل بڑی حد تک مطمئن ہے۔

بھائی صاحب نے دیکھ کر فرمایا، پہلے ہوٹل چلو، وہاں لے جا کر ہم دونوں کو کھلایا پلایا، فارغ ہو کر آئے تو کہنے لگے، آج رات میں یہیں آرام کرو، گھر آدمی بھیج دیا ہے کہ وہ والد محترم کو بتا دے کہ تم بخیر عافیت واپس آ چکے ہو، کل ناشتہ کر کے چلے جانا۔

ہم دونوں نے رات یہیں گزاری، رات کا بڑا حصہ آپ بیتی کے قسطے کہانیوں کے سنانے میں گذرا، صبح ہوئی ناشتہ کیا گیا، اب بھائی صاحب نے اجازت دی کہ گھر جاسکتے ہو۔

سرستمبر ۱۹۴۲ء کو دن کے آٹھ بجے گھر پہنچ گیا، حافظ خلیل صاحب بھی ہمراہ آئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا کہ جو سفر ۲۴ اگست ۱۹۴۲ء کو خوف و ہراس کے ماحول میں شروع ہوا تھا اور بار بار مایوسی حصہ میں آ چکی تھی، مسلسل گیارہ دنوں کے بعد مسافر وطن میں اپنے لوگوں میں آ گیا نا محمد شاہ محمد اکثیراً۔



وال محترم، والدہ ۴ جلدہ اندر دوسرے خولیش واقارب میری لہلا مٹ آمدیر کس قدر خوش  
 ہوئے نفلوں میں بیان نہیں کیا ج سکتا۔ دل دسے ہواؤں در مسکھراں میں کدنا تقسیم کیا۔  
 ہانڈ خلیل صاحب دو تین دن میرے یہاں قیام پزیر رہے، اتفاق سے میرے ہی  
 دن اچھے بخار آگیا، حافظہ میں نے نہائی محسوس کی، کہنے لگے میں بابا اپنے وطن حائر کا، ان  
 ۴ مکان سینا ۴ بھی عمارت میں تھا میں نے بھائی صاحب کے پاس بھیجا یا وہاں سے وہ  
 بنے وطن روانہ ہو گئے۔

وطن میں لوگ کہنے لگے، اب کانگریس پھر نہیں اٹھائے گی حکومت نے ہم کو  
 کہ جس میں ڈال دیا ہے، میں کہتا تھا، اب ملک آزاد ہو کر رہے گا، سسٹھ کی اس تحریک نے  
 یہ نفاذ کر دیا ہے کہ انگریزوں کا یہاں رہنا ممکن نہیں ہے، عوام خواہش میں آزادی  
 کی جو اسپرٹ بھر گئی ہے، وہ ملک کی آزادی سے پہلے نہیں سکتی، حکومت کا لہم وجود اب زیادہ  
 دنوں کا نہیں کر سکتا، ملک آزاد ہو کر رہے گا، یہ فریاد کیا، نہ بے گے گی، آج جو جیلوں  
 میں ہیں وہ کل نکل کر حکومت کی تدبیروں کو سنبھالیں گے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ گئی تھی، وہاں کچھ دن رہا ہوا ہے۔

اس تحریک میں حصہ لینے کو بیجا یہ ہوا کہ مجھے ایک سال منام زندگی کذا سائیگی۔  
 راجا لعلو، لعلو، بن علی غلام گدھ کے صدر امیر حسین نے بذریعہ خط اطلاع دی  
 کہ ورلڈ جازم سپریم، جب تک دوسرا خط نہ جائے، پر گزرتا۔

میں نے جب سال بچہ تک مجھ سے ملا تو وہ ورلڈ سسٹم خ ہو کر داخل دفتر  
 میں آئے، اس سال تعلیم کا نقصان ہوا، یہ سال میں نے مدرسہ حمید گورنمنٹ میں  
 پڑھائی گذارا اور مدرسہ الرامیشن بورڈ سے عالمہ کا امتحان ان دے کر کامیابی  
 حاصل کی۔

۱۹۴۳ء میں ان دنوں استقامت والا صاحب الرحمن، متبرکات، متبرکات

گرامی نامہ آیا کہ اب آنے میں کوئی مضائقہ نہیں، خطرہ ختم ہو چکا ہے، ۱۹۸۳ء کے آخر میں دوبارہ مفتاح العلوم آیا اور دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ اس طرح ۱۹۸۴ء کے اگست یا ستمبر میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد تقریر کی راہ چھوڑ کر تحریر کے میدان میں آگیا۔ تاکہ تعلیم اور درس و تدریس کے سلسلے میں آئندہ رکاوٹ پیش نہ آئے۔

ندوة المصنفین کی نئی اور شاندار پیش کش

## عثمان ذوالنورین

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی

یہ ہی کتاب ہے جس کا ارباب ذوق کو صدیق اکبر کے بعد سے شدید انتظار تھا۔ اب زیور کتابت و طباعت سے آراستہ و ہر راستہ ہو کر منظر عام پر آگئی ہے، شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں عربوں کی تاریخ نویسی کی تاریخ اور اس پر محققانہ نقد و تبصرہ ہے۔ پھر سیدنا حضرت عثمان سوئم خلیفہ راشد کے ذاتی حالات و سوانح، اخلاق و مکارم، فضائل و کمالات اور اوصاف و کمالات، عہد نبوی اور عہد شیعہ میں نہایت عظیم الشان دینی خدمات، خود اپنی خلافت کے عہد میں نہایت اہم اور مختلف النوع کارنامے، مہمیں و فتنہ بیدار ہوا اس کے اسباب و وجوہ، فتنہ کے زمانے کے حوادث و واقعات اور پھر شہادت۔ ان سب مباحث پر اس قدر جامع اور محققانہ کلام کیا گیا ہے کہ اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اس موضوع پر ایسی کتاب اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی۔

عمید الرحمن عثمانی  
مینیجر ندوة المصنفین جامع مسجد دہلی۔

# جدید عربی ادب میں افسانہ نگاری کی نشوونما

## (۲)

ڈاکٹر عبدالحق، اسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی جو امہ لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

### ۶۔ رفاۃ الطرطاوی

اس میں شک نہیں کہ مصر میں ناول کی بنیاد ازہری شیخ رفاۃ الطرطاوی کے ہاتھوں پڑی ہے۔ انھوں نے حاکم مدہ محمد علی کے عہد میں فرانس سے واپس ہو کر "تخلص الابریز فی تلخیص تاریخ" کے نام سے ایک ناول ناکتاب لکھی ہے جو ان کے فرانس میں قیام کے دوران مشاہدات اور تاثرات پر مشتمل ہے۔ ظہارانی کی یہ کتاب اگرچہ سن ناول نگاری سے اصول و عناصر سے خالی ہے اور چشم دید امور پر مشتمل ہے مگر بھی وہ عربی میں ناول نگاری کی بنیاد قرار دی گئی ہے کیونکہ اس میں واقعات نمائانی کے رنگ میں رنگے گئے ہیں۔

رفاۃ الطرطاوی نے Fanelone فینیلون کے ناول

"Les Aventures de Lelcnage" کا "مغامرات لیلماک" کے نام سے ترجمہ بھی کیا ہے جو مغرب کی طرف عربوں کی توجہ دینے کا سبب بنی ہے۔

۷۔ دیکھو ڈاکٹر عبدالحسن بدر کی کتاب "تطور الروایۃ العربیۃ" ص ۵۷ اور اس کے بعد۔



## ۷۔ علی مبارک

(مصری) علی مبارک نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جو ”علم الدین“ کے نام سے موسومہ اور مشہور ہے۔ علی مبارک نے اپنی اس کتاب میں ناول نگاری کے انداز میں مختلف علوم و فنون کو قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ مشرق اور مغرب کے احوال و کوائف کے درمیان موازنہ بھی کیا ہے اور اس طرح اس کتاب نے ایک تعلیمی ناول کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اگر طہطاوی کی کتاب ”تخلیص الابریز فی تلخیص باریز“ مصر اور عرب دنیا میں ناول نگاری کی بنیاد ہے تو علی مبارک کی کتاب ”علم الدین“ ناول نگاری کے میدان میں ایک اہم پیش قدمی ہے جو عرب ادب کے اذہان فیہ کہانی کی طرف متوجہ کرانے میں بے حد معاون رہی ہے۔

۱۸۸۳ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان عربی میں کہانی نگاری کافی کچھ ناولوں کے بارے میں

ترقی کر چکی تھی اور اس میں مختلف رجحانات داخل ہو چکے تھے۔ اخیر میں یہ رجحانات تین شکلوں میں منحصر ہو گئے۔ ایک شکل تقلیدی تھی۔ اس شکل میں عرب افسانہ نگار اپنے قدیم تراث سے استفادہ کرنے لگے۔ اور قدیم عربی ادب میں کہانی کے جو نمونے تھے ان سے متاثر ہونے لگے۔ دوسری شکل تجدیدی تھی۔ اس میں عرب افسانہ نگار مغربی کہانیوں کے فنی قواعد اور عناصر سے استفادہ کرنے لگے اور ان کے مطابق اپنی کہانیاں لکھنے کی کوشش کی، اور تیسری شکل ان دونوں سے الگ تھلگ تھی۔

## پہلی شکل:

ناول نگاری کی تقلیدی شکل میں مختلف قسم کے ناول لکھے جانے لگے۔ ایک قسم سماجی ناولوں کی تھی۔ ان ناولوں کے لکھنے میں قدیم عربی تراث (الف لیلیہ و لیلیہ اور مقامات ہمدانی اور حریری) سے استفادہ کیا جانے لگا۔ یہ ناولیں مضامین اور اغراض

کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کچھ خیال پر مبنی ہیں۔ ان سے غرض تسلیہ ہے۔ ان ناولوں میں عظیم عربی شاعر احمد شوقی کا ناول (ورثۃ الآس) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو اپنے عناصر کے اعتبار سے الف لیلا ولیلہ کی کہانیوں اور طرز نگارش کے اعتبار سے مقامات حریری اور ہمدانی کے طرز نگارش سے متاثر ہیں۔

دوسری شکل :

اس شکل میں ایسے ناول مقصود ہیں جو سوسائٹی کے حقائق پر مشتمل ہیں اور ان کے طرز نگارش سے متشابہ ہے۔ ان ناولوں میں مصری شاعر حافظ ابراہیم کا ناول "بیالی سلیع" ہے جو مضمون کے اعتبار سے عباسی عہد کے "مقامات" سے متشابہ ہے۔ ان ناولوں میں سب سے زیادہ مشہور محمد المولیٰ کی "حدیث عیسیٰ ابن ہشام" ہے جو قدیم عربی نگارش سے لکھی گئی ہے اور جو اس وقت کے سماجی مقصد پر مشتمل ہے۔ اس ناول کی سماجی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم ذیل میں اس کے چند مکالمات پیش کرتے ہیں :

دکیاں : ان باتوں کو چھوڑو اور کہو کہ ان اوقاف میں ہمارا کیا حق ہے۔ اور ان کی مالیت کیا ہے۔ تاکہ ہم اپنی فیس کا اندازہ کر سکیں ؟

سینخ عیسیٰ بن ہشام : صحیح طور پر ہم کو معلوم تو نہیں لیکن ان کی مالیت ہزاروں کی ہے۔

دکیاں : تو پھر ہماری فیس سیڑوں کی سہوگی۔

۱۔ دیکھو ڈاکٹر محمد شوکت کی کتاب "الفن القصصی فی الادب المصری" ص ۵۴ اور

اس کے بعد

۲۔ کبیر ڈاکٹر عبدالحسن "تطور الروایۃ العربیۃ" ص ۱۷۷ اور اس کے بعد۔

۳۔ دیکھو ڈاکٹر شوقی صیف کی کتاب "الادب المعاصر فی مصر" ص ۱۲۳ اور اس کے بعد۔

شیخ عیسیٰ بن ہشام: فیس کے بارے میں آپ ہم سے سختی نہ کریں اور نرمی برتیں کیونکہ ہم فقر و فاقہ سے دوچار ہیں۔

ایک نوجوان: فقر و فاقہ کا عذر کورٹ اور کچہری میں نہیں چل سکتا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ اس کام میں وکیل صاحب کے ساتھ منشی و محرر اور مختار بھی ہوں گے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی بھی قضیہ ایسا نہیں جو وکیل صاحب کے ہاتھوں جیتا نہ گیا ہو۔ ہمارے وکیل صاحب تو جرح اور قرح میں جیتا ہے۔

شیخ عیسیٰ بن ہشام: یہ جو ہمارے پاس ہے لے لو۔ اور باقی کے لئے ہم آپ کو چیک دیتے ہیں۔ جس کو آپ قضیہ میں جیت کے بعد ہی کیش کریں گے۔ وکیل: (روپے لیتے ہوئے) ہم ان تھوڑے روپوں کو تو ابھی لے ہی بیٹے ہیں۔ اور باقی الٹ پر چھوڑتے ہیں۔ اور پھر مسلمانوں کی خدمت ثواب دارین تو ہے ہی۔ آپ دو گواہوں کا انتظام کریں۔

تیسری شکل:

اس شکل کی کہانیوں سے میرا مقصد وہ نادلیں اور کہانیاں ہیں جو شکل اول اور شکل ثانی سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ اس قسم کی کہانیوں کے لکھنے میں نہ تو قدیم عربی ادب سے استفادہ کیا گیا ہے اور نہ ہی مغربی کہانیوں سے، بلکہ یہ کہانیاں ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہیں جس میں افسانہ نگاری کے فنی قواعد کا لحاظ رکھا تو گیا ہے لیکن مکمل طور پر نہیں بلکہ اس میں مقالہ اور خطابت کے عناصر بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے پند و نصیحت کا عنصر بھی اس نمونہ کی کہانیوں میں کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی کہانیوں کے لکھنے میں مصطفیٰ لطف المنصور



سبقت سے گئے ہیں۔ منفلوطی نے اپنی کہانیوں کے ذریعہ اپنے عصر کے نوجوانوں کو انسانیت اور اخلاقیات کے ذریعہ (جیسے زقا، شرف، بہداری، فضیلت، صداقت اور خیر و جمال) تیار کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس مقصد کی خاطر انھوں نے کہانیاں لکھنے میں خطابت کا طرز اپنایا ہے اور ان میں انھوں نے نغمہ کلام کردار کی تصویر کشی اور احساس و شعور کی برانگیختگی جیسی خصوصیات سے کام لیا ہے۔

منفلوطی کی کہانیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو فرانسیسی کہانیوں میں افکار اور آراء پر مشتمل ہے۔ دوسری وہ جو منفلوطی کی اپنی تخلیق ہے۔ پہلی قسم کی بیشتر کہانیاں فرانسیسی میں جو رومانس پر مشتمل ہیں۔ جن میں انھوں نے حذف و اضافہ اور تغیر اور تبدیلی کے ذریعہ اس طرح تصرف کیا ہے کہ وہ عربی زبان میں ایک نئی شکل لئے ہوئی ہیں۔ اس قسم کی چند کہانیوں کا تذکرہ ہم ذیل میں باختصار پیش کرتے ہیں:

۱۔ ”الفضیلت“ اس کہانی کی بنیاد فرانسیسی ناول ”پاؤں اور فرجنی“ پر قائم ہے۔

۲۔ ”ماجد ولین“ جو ایک دوسری فرانسیسی کہانی پر مبنی ہے۔

۳۔ ”الشاغر“ اس کا اس میں ایک تیسری فرانسیسی کہانی سے ماخوذ ہے۔

۴۔ ”فی سہیل التاج“ اس کا حصہ ایک فرانسیسی شعری ڈراما ہے۔

ان کے علاوہ کچھ مختلف کہانیاں بھی ہیں جو منفلوطی کی دو کتابیں ”نظرات“ اور

”جہان“ میں شامل ہیں۔ ان مختلف کہانیوں میں کچھ مترجمہ ہیں اور ان کے نام

۱۔ الذکری (دگھر) ۲۔ الشہدار ۳۔ الضحیہ (قربانی) ۴۔ اور ۵۔ اتالا ہیں

اب میں کچھ تحفہ کہانیاں بھی جو سماجی اور انسانی موقفوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے

چند نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ لقطاء (بن ماں باپ کے بچے)

۲۔ صغایا النحر (شرابیان)

۳۔ المفلومون (مفلوم لوگ)

۴۔ کاس اولی (پہلا جام) ۱

کہانی ”پہلا جام“ میں مفلوطی کہتا ہے کہ اس نے پڑوسی کے گھر سے آدھی رات کو آہ و فغاں سنی تو وہ اس کی مدد کو اس کے گھر گیا اور اس کا حال معلوم کرنا چاہا تو.... اس نے ایک درد بھری سانس لی جیسے گویا اس کی پسلیاں چور چور ہو گئیں اور کہا ”مجھے پہلا جام کی شکایت ہے“ میں نے کہا کونسا جام ؟ جواب دیا ”وہی جام جس پر میں نے اپنا مال، اپنی عقل، اپنی صحت اور عزت گنوا دی ہے اور اب اپنی زندگی برباد ہو رہی ہے“ میں نے کہا : ”میں نے تم کو نصیحت کی تھی اور اس عاقبت سے خبردار کیا تھا لیکن تم نے اس پر دھیان نہیں دیا تھا“ اس نے کہا : ”جس وقت تم نے نصیحت کی تھی تو اس وقت میں بھی اس کی عاقبت کے بارے میں جانتا تھا۔ مگر اس کے باوجود صرف پہلا جام پیا تھا لیکن آہستہ آہستہ معاملہ قابو سے نکل گیا اور پھر پتیارہا۔۔۔“ وہ اس لئے پتیا گیا کہ اس کے بے ایمان اور غیر مخلص دوستوں اور ساتھیوں نے اس کو دھوکا دیا.... اور وہ اس کے دھوکے میں آ گیا.... کیونکہ وہ انتہا درجہ کا بے وقوف ہے اور اپنے مقصد میں پلے درجہ کا کمزور ہے۔

اس نمونہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لطفی المفلوطی کی کہانیاں اسی قسم کے پسند و نضاع اور مواعظ سے بھری پڑی ہیں۔

اس ہم چند تاریخی ناولوں کا ذکر کریں گے۔ تاریخی ناولوں کے بارے میں  
 ناولوں کا رجحان جدید عرب ادب میں عظیم ادیب  
 جورجیہ سے نہ بڑھ سکتا ہے۔ جورجیہ زیدین ایک شامی مسیحی تھا جس نے مشرق میں  
 سکونت اختیار کی تھی۔ سیاحت کے ساتھ اس کا میلان عربی تاریخ اور اسلامی تمدن  
 کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس وقت کے سامر رجحان کے مطابق عرب اور مسلمانوں کے  
 درمیان تاریخی تنازعہ قاری تک پہنچانے کے لئے ناول کو ذریعہ بنایا تھا۔ کیونکہ  
 ناول کا ہدف عام قاری ہے۔ جورجیہ زیدین نے اسلامی تاریخ پر ناولوں کا ایک  
 سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ کے کچھ ناولیں قابل ذکر ہیں :

۱۔ "غسانہ" جو اسلامی فتوحات کے تاریخی حوادث اور وقایع پر مشتمل ہے۔

۲۔ "توتہ الامریۃ" جو فتح مصر کے تاریخی واقعوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ "علاء الدین" جو "غزوة کربلا" پر مشتمل ہے۔

۴۔ "فتوح من بوسنہ" جو ہونہد کی سیاست پر مشتمل ہے۔

۵۔ "ابو مسلم الخراسانی" ۶۔ "العباسیۃ"

۷۔ "ابن ومامون" جو عباسی عہد کے سیاسی حوادث کا عرض ہے۔

۸۔ "مناذات القبرین" ۹۔ "فتح اندلس"

۱۰۔ "سید الرقطن سنانہ" جو اندلس میں اسلام کی فتوحات پر مشتمل ہے۔

نویسہ تاریخی اسلامی پر ناولوں کے ساتھ جورجیہ زیدین نے جدید تاریخی حوادث پر بھی  
 ناولیں لکھی ہیں۔ ان میں "انقلاب عثمانی" ترکی سلطان عبدالحمید کے زوال پر ہے "تو استید دالمک"  
 "الملک شہارزادہ اور اسرار امہدی" "مصر میں عشر مہاک" "عصر محمد علی کے حوادث" اور



سُوڈان کے مہدی کے انقلابی کارناموں پر مشتمل ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جورجی زیدان اپنے ان ناولوں میں فرانس اور انگلینڈ کے ناول نگار سکندر دوماس (فادر) اور ڈیٹر سکوت سے بے حد متاثر ہیں۔ ان دونوں فرنیسی اور انگریز ناول نگاروں اور جورجی زیدان میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر دونوں ناول نگاروں نے تاریخ کے ذریعہ قومی احساس اور شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ جورجی زیدان کا طبع انفرادی اور سب سے زیادہ اہم تھا بلکہ عمدہ طرز بیان کے ذریعہ تاریخی معلومات عام قرار کے لئے فراہم کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جورجی اپنے ناولوں میں اسلامی تاریخ کے ان عہدوں کو بڑا انداز کر دیا ہے جو عرب اور مسلمانوں کے مجد و فخر کے گہوارہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ ان حوادث کی طرف زیادہ متوجہ رہا جن میں سیاسی کشمکش زیادہ نمایاں تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسلامی تاریخ میں تحریف اور تبشیر کے الزام سے مملوث ہیں۔ جورجی زیدان کا ہر ناول دو بنیادی عنصر پر مشتمل ہے۔ پہلا عنصر خیالی ہے جو رومانس پر مبنی ہے اور دوسرا عنصر تاریخی ہے جو تاریخی حوادث اور شخصیات پر قائم ہے۔ چنانچہ ”ارنوستہ المصریہ“ نامی ناول میں تاریخی عنصر میں فتح مصر کے حوادث ہیں اور خیالی عنصر میں عیسائی مقوقس کی دختر امانوسہ کی محبت رومی جنرل کے پسرا کا دیوس کے ساتھ کی داستان ہے۔ ان دونوں کی محبت میں شاہ روم مائل ہے کیونکہ وہ خود امانوسہ سے شادی چاہتا ہے۔ لیکن ان دونوں کی محبت کی راہ میں یہ رکاوٹ عمر بن عبدالمطلب

۱۔ دیکھو The Cambridge History of English Literature (کیمبرج ہسٹری آف انگریش لٹریچر)

۲۔ دیکھو ”تطور الروایۃ العربیۃ“ ص ۹۰ سے ۹۴ تک

فاتح مصر کے حملہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ اور ارکا دیوس کی شادی ارمانوسہ سے بڑی  
دھوم دھام سے ہو جاتی ہے۔

جورجی زیدان کی ناولیں خیر و شر کے عناصر سے خالی نہیں ہیں۔ خیر و شر کے کردار کے  
درمیان کشمکش ہمیشہ زوردار رہتی ہے۔ ان میں مغامرات، مفاجات اور اچانک پن  
کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس لئے ان کی ناولیں فنی حیثیت سے کمزور نظر آتی  
ہیں۔

ذیل میں ہم جورجی زیدان کی تاریخی ناول ”حجاج بن یوسف“ سے ایک نمونہ پیش  
کرتے ہیں جو اس کے ناول نگاری میں طرز بیان پر روشنی ڈالے گا اور بتائے گا کہ  
وہ عام قرار کے لئے کس خوبی سے معلومات فراہم کرتا ہے۔ یہ نمونہ حسن (عبدالملک  
بن مروان) کی حکومت کا ایک اہم کردار ہے اور لیلیٰ (جو اس عہد کی ایک مشہور شاعرہ ہے)  
کے درمیان ایک مکالمہ پر مشتمل ہے۔

لیلیٰ: ایک گھر میں داخل ہوتی ہے اس کے ساتھ حسن بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنے جوتوں  
کو دروازہ کے پاس رکھ کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ گھر کا بال لمبا اور چوڑا ہے۔ اس کا  
ذوق قیمتی سنگ مرمر کا ہے۔ اس پر نقش و نگار سے دین قاسم اور تیکے ہیں۔ ہاں  
کے ایک طرف ایک پردہ لٹکا ہوا ہے جس پر رنگین درختوں اور پرندوں کی تصویریں  
ہیں۔ اور جس کے پیچھے سکینہ بیٹھی ہے۔ اس کے ساتھ کئی دوسری عورتیں بھی ہیں جو  
اپنے ہانوں کو دیکھتی تو ہیں لیکن مہمان ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں میں کافی لوگ  
ہیں۔ ان کے آگے ۵ ایسے اشخاص ہیں جو بدوی لباس سے ملبوس ہیں۔ اور اب  
مکالمہ شروع ہوتا ہے:

حسن : کون ہیں یہ لوگ جو سامنے بیٹھے ہیں ؟

لیل : یہ شعراء ہیں۔ کیا تم ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتے ؟

حسن : لگتا ہے ایک کو پہچانتا ہوں جو قیمتی تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔ اس کی جسامت اور قباحت سے لگتا ہے کہ وہ فرزدق ہے۔

لیل : ہاں وہی ہے وہ۔ کیا ایک ہی مجلس میں فرزدق اور جریر کا ہونا تعجب کی بات نہیں ہے جبکہ دونوں شعراء ایک دوسرے کو گالی و گلوچ کا ہدف بناتے رہتے ہیں ؟

حسن : ان میں کون جریر ہے ؟

لیل : وہی جس کے بال چھوٹے اور تیل سے ملوث ہیں اور جب وہ بولتا ہے تو لگتا ہے کہ آواز دھن کی بجائے ناک سے نکلتی ہے۔

حسن : وہ شخص جو تصویر القد، کبیر الجسم، قبیح الوجه اور سرخ رنگ ہے، کون ہے ؟

لیل : وہی تو کثیر ہے جو عذہ کا مشہور عاشق ہے۔

حسن : اللہ عذہ کو کثیر کے قبیح منظر سے محفوظ رکھے ! کون ہے وہ لبا اور خوبرو شخص جس کی پیشانی کشادہ ہے اور سبھوں میں نمایاں لگتا ہے ؟

ہے ؟

لیل : وہ جمیل ہے جو شبینہ کا عاشق ہے۔ کیا تمہیں وہ غمگین اور اداس نہیں لگتا ہے ؟ وہ شبینہ کا گرویدہ ہے اور شبینہ کے گھر والے اس کو اس سے ملنے نہیں دیتے۔ بلکہ



جدید عربی میں افسانہ نگاری کا دوسرا مرحلہ | جورجی زیدان کے بعد ہی سے جدید عربی میں افسانہ نگاری کا دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا

ہے۔ یعنی عربی کہانی اپنے تراث قدیم سے سنہ پھیر سیتی ہے اور مغربی افسانہ نگاری کے رنگ جاتی ہے۔ اس تبدیلی کا ایک اہم سبب سابق مرحلہ میں افسانہ نگاروں کے عباسی عہد کے حریری اور ہمدانی کے طرز نگارش میں مبالغہ آمیز تقلید ہے۔ اس مرحلہ کی ابتداء ڈاکٹر محمد حسین بیگل کی کہانی (زینب) سے ہوئی ہے جس کو انھوں نے پیرس میں ۱۹۱۰ اور ۱۹۱۱ کے درمیان لکھا تھا۔ اور ۱۹۱۲ میں شائع کیا تھا

”زینب“ مصر میں پہلی ناول ہے جو کافی مدت تک ناول نگاری کے صحیح فنی قواعد پر قائم ہے۔ کیونکہ یہ ناول مصر کے دیہی علاقوں کی سادگی اور ان کے عادات و تقالید کی ایک سچی تصویر ہے۔ ”زینب“ ایک تعلیم یافتہ مڈل کلاس خاتون کے نہ جوان حامد کی کہانی ہے۔ جو اپنی چچا زاد بہن عزیزہ سے محبت کرتا ہے۔ لیکن گھارے کے عادات اور تقالید سے محبت کے سڑے آتے ہیں اور عزیزہ کی شادی اس کے لیے ایک بڑی مصیبت بن جاتی ہے۔ حامد ہمیشہ کے لیے عزیزہ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ گھارے کے عادات و تقالید کی زنجیر کی زینب سے محبت کرتا ہے اور اپنے خیمہ دار خاندان کے عادات و تقالید سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ لیکن چونکہ ناخوندہ اور مزدور زینب مڈل کلاس خاتون کے پڑے لکھے حامد کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتی ہے تو وہ ابراہیم نامی مزدوروں کے ایک بڑے گھارے کے بڑے بیٹے سے محبت کرتی ہے اور اس طرح حامد کو دوسری محبت میں محروم ہوتی ہے۔ لیکن یہ گھارے کے عادات کے مطابق براہیم بنی محبت کرتا ہے۔ اس سے نہیں ہٹتا۔ اس لیے اس کی شادی ایک عرصے سے آگے نہ ہو جاتی ہے۔ یہ بیوی کی پیشینہ سے رد و راجی زندگی اخلاص اور سچائی سے گزرتی ہے اور اخیر میں ہلر و دق کی ہار میں سے مرجاتی ہے۔ حامد گاؤں چھوڑتا ہے اور ابراہیم کو رنج و مرہق ہو کر سوڈان چلا جاتا ہے۔

کہانی ”زینب“ مصر کے دیہی علاقوں کے سخت عادات اور تقالید کی تصویر کشی کا میاں کے ساتھ کرتی ہے۔ مصر کے دیہی علاقوں کے یہ تقالید نہ تو جواز محبت کے قائل ہیں اور نہ ہی لڑکا اور لڑکی کو اپنا جیون ساتھی منتخب کرنے کا حق دیتے ہیں۔

ذیل میں ہم اس کہانی سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جو پوری کہانی کے مزاج کو سمجھنے میں معاون ہوگا۔

”صبح کی یہ گھڑی! جب مخلوقات اپنے اپنے ڈھنگ کے کاموں میں جٹ جاتے ہیں۔ جب کسانوں کے ارد گرد رات کی خموشی ختم ہو جاتی ہے۔ جب مؤذن اذان دیتا ہے، مرغ کی آواز سنائی دیتی ہے، اور جانوروں کی نقل و حرکت ہونے لگتی ہے۔ صبح کی یہ گھڑی! جب اندھیری چھٹ جاتی ہے۔ اور خود صبح دور سے آہستہ آہستہ قریب آنے لگتی ہے۔ ایک ایسی گھڑی ہے کہ جب زینب اپنے بستر پر لیٹی ہوئی ہے اور اپنی سرد بھری آہوں کو خاموش اور ساکن فضا کی طرف چھوڑنے لگتی ہے۔ جب اس کی ایک طرف اس کی بہن اور دوسری طرف اس کا بھائی نیند میں ہوتے ہیں، تب زینب دونوں کے بیچ چپ چاپ اٹھ بیٹھتی ہے۔ نیند کی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتی ہے۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا اس کو اپنی جگہ چھوڑنے نہیں دیتی اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی ہے۔ گھر کے صحن کی طرف نظر کرتی ہے مگر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جب اپنا سر گھماتی ہے تو کمرہ کا دروازہ بند ملتا ہے اور اذان کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔ زینب اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔ ہاتھوں کو ہوا میں ہلاتی ہے اور سانس لیتی ہے۔ پھر کچھ گرم سم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی ماں کمرہ کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ اب زینب اپنی بہن کو جگانے کے لئے ہلاتی ہے۔ لیکن وہ چھوٹی سی لڑکی گہری نیند میں ہوتی ہے اور کوٹ بد لینے لگتی ہے کہ کس نے اس کی نیند کو پریشان کر دیا ہے۔ اور پھر ماں اس کو بلاتی ہے۔

ماں : زینب - زینب -

زمینب : ہاں ۔ ماں

زمینب ہاں ماں سے آگے ایک غلط بھی نہیں کہتی ہے ۔ اپنی بہن اور اپنے بھائی کو جگا کر مشرق کی طرف نظر کرتی ہے تو افق صاف ہوتا نظر آتا ہے ۔ سورج اب تک طلوع نہیں ہوتا ہے ۔ لیکن آسمان نے رات کا بھاد نہ دھیککا ہے ۔ اب زمینب اٹھ کھڑی ہوتی ہے ۔ آگ جلاتی ہے اور آگ پر ہر ایک کے لئے ایک ایک روٹی ۔ کھ دیتی ہے ۔

اس کا باپ نماز پڑھ کر تسبیح بیٹا ہوا مسجد سے آتا ہے ۔ اپنے بیٹے محمد کو آواز دیتا ہے تاکہ جانے کہ وہ جگا ہے کہ نہیں اور کام پر جانے کے لئے تیار ہو رہا ہے کہ نہیں ۔

فیصل کے سارے افراد کھانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں ۔ اور اپنی روٹی نمک کے ماسن سے کھانے لگتے ہیں ۔ باپ اور بیٹا کام پر چلے جاتے ہیں ۔ لیکن زمینب ، تو وہ اپنی بہن کے ساتھ ابراہیم کا انتظار کرتی ہے کہ براہیم آئے اور سعید محمود کے روٹی کے کھیت پر چل پڑیں ۔۔۔۔۔

جب ابراہیم آتا ہے تو دونوں بہنیں اس کو اور دوسروں کو سلام کہتی ہیں ۔ پھر سب گلی سے نکل کر سورج نکلنے ہی کھیت نمبر ۲ پر پہنچ جاتے ہیں ۔ اور اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں ۔۔۔۔۔“

( باقی آئندہ )



۱۹۵۳	میتھیج محمد الحق محدث دہلوی، معلم و العلماہ اسلام کا حکام و خدمت
۱۹۵۵	کائنات و حسیہ ...
۱۹۵۶	اسلام و انسانیت ...
۱۹۵۷	تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث ...
۱۹۵۸	نزدیک الترتیب جلد ثالث اسلام کا انکشاف حکومت و عدلیہ ...
۱۹۵۹	سیاق و سباق ...
۱۹۶۰	تفسیر ...
۱۹۶۱	تفسیر ...
۱۹۶۲	تفسیر ...
۱۹۶۳	تفسیر ...
۱۹۶۴	تفسیر ...
۱۹۶۵	تفسیر ...
۱۹۶۶	تفسیر ...
۱۹۶۷	تفسیر ...
۱۹۶۸	تفسیر ...
۱۹۶۹	تفسیر ...
۱۹۷۰	تفسیر ...
۱۹۷۱	تفسیر ...
۱۹۷۲	تفسیر ...
۱۹۷۳	تفسیر ...
۱۹۷۴	تفسیر ...
۱۹۷۵	تفسیر ...
۱۹۷۶	تفسیر ...
۱۹۷۷	تفسیر ...
۱۹۷۸	تفسیر ...
۱۹۷۹	تفسیر ...
۱۹۸۰	تفسیر ...
۱۹۸۱	تفسیر ...
۱۹۸۲	تفسیر ...
۱۹۸۳	تفسیر ...
۱۹۸۴	تفسیر ...
۱۹۸۵	تفسیر ...
۱۹۸۶	تفسیر ...
۱۹۸۷	تفسیر ...
۱۹۸۸	تفسیر ...
۱۹۸۹	تفسیر ...
۱۹۹۰	تفسیر ...
۱۹۹۱	تفسیر ...
۱۹۹۲	تفسیر ...
۱۹۹۳	تفسیر ...
۱۹۹۴	تفسیر ...
۱۹۹۵	تفسیر ...
۱۹۹۶	تفسیر ...
۱۹۹۷	تفسیر ...
۱۹۹۸	تفسیر ...
۱۹۹۹	تفسیر ...
۲۰۰۰	تفسیر ...

# کیا آپ کی روزانہ کی خوراک سے آپ کے بدن کو پوری قوت اور پورا فائدہ ملتا ہے؟



بھارد

اپنی روزمرہ خوراک سے صحیح مقدار میں کالسیئم  
آپ کو نہیں ملتا ہے کہ آپ کا جسم کمزور  
ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانگہ تھیں جس میں  
خفایا گیا ہے کہ اس میں کالسیئم کی مقدار  
اجڑ کے ساتھ ہی ملتی ہے۔ اس کی وجہ سے  
واریسی قوت ملتی ہے۔ اس کی وجہ سے  
پورے بدن میں کالسیئم کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔  
نقصان سے محفوظ رہتی ہے اور آپ کا بدن  
اس کی مدد سے آپ کی روزمرہ خوراک سے  
کالسیئم حاصل کر لیتا ہے۔

## سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں  
سب کے لیے بے مثال ٹانگہ

سنکارا کی خریداری کے لیے ہر علاقے میں موجود دکانیں اور دارالرحمہ مسجد دہلی سے متاثر کیا

ٹائٹل جلال پریس جامع مسجد دہلی

فروری ۱۹۸۴ء

# مؤنصفین دینی کا علمی و دینی کامہنا

330

UNIVERSITY OF

LIBRARY

DATE

TIME

BY

330

Ar-R

# برکات

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مرتب  
سعید احمد بک آبادی



# مَجْلِسُ عَزَّازِ الصَّنِيفِینِ

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

مجلس عازان صنیفین

در بیان...

# بہار

قیمت فی پرچہ  
تین روپے پچاس پیسے

سالانہ چندہ  
چالیس روپے

جلد ۹۲	جمادی الاول ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۲ء	شمارہ ۲
--------	-------------------------------------	---------

۱۔ نظرات	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۲
۲۔ خواجہ میر درد کا نظریہ وحدت الوجود	ڈاکٹر محمد عمر ریڈر شعبہ تاریخ	
وحدت الشہود کا تحقیقی جائزہ	مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	۷
۳۔ اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر خورشید احمد فارق	
۴۔ جدید عربی ادب میں	پروفیسر عربی دہلی یونیورسٹی	۲۹
افسانہ نگاری کی نشوونما	ڈاکٹر عبدالحق، شعبہ عربی	
۵۔ وشوا بھارتی یونیورسٹی کے	جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی	۳۸
فارسی، عربی اور اردو مخطوطات	عبدالوہاب بدرستوی سنٹرل لائبریری	
۶۔ رسالہ صبا جمیع	وشوا بھارتی یونیورسٹی۔ شانتی نکیتن	۴۴
شہزادی جہاں آرا بیگم کی ایک نا درصیف	ڈاکٹر آغا جمین	
	گورنمنٹ کالج لاہور	۵۸

عمید الرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر بہار اردو بازار دہلی سے شائع کیا

# نظرا

ڈربن کا سفر بالکل نجی اور پرائیویٹ تھا لیکن تقریر سے نجات کہاں ملتی ہے، چنانچہ ۳۱ اگست کو میں ڈربن پہنچا تھا، ۵ اگست ایک دن بیت میں گزرا، ۱۶ کو جمعہ تھا، اس روز ویسٹ انڈین کی عالی شان مسجد میں جس کے امام اور خطیب دارالعلوم دیوبند کے میرے ہم درس و ہم جماعت مولانا عبدالرحمن انصاری ہیں، خطبہ جمعہ سے پہلے میری تقریر اردو میں ہوئی، پھر شب میں اسی مسجد میں ۱۲ ربیع الاول کی تقریب میں جلسہ عید میلاد النبی تھا، اس میں سیرت مبارکہ پر تقریر ایک گھنٹہ انگریزی میں ہوئی، وہ تو یہ غنیمت ہوا کہ یہ زمانہ گرمیوں کی تعطیل کلاں کا تھا، تمام یونیورسٹیاں، کالج اور مدارس بند تھے، لوگ کثرت سے سیر و تفریح یا عمرہ و زیارت حرمین شریفین کی غرض سے روزانہ جوق در جوق ہوائی جہازوں سے بیرون ملک اور کاروں سے ندرن ملک جا رہے تھے، اس لئے ڈربن کے وہ روزہ قیام میں کوئی اور تقریر نہیں ہوئی، البتہ جو احباب وہاں موجود تھے ان کے ہاں حسب معمول نہایت رکلف و دعوتیں ہوتیں اور بحث و گفتگو رہی، اسلامک یوتھ موومنٹ جو نہایت جوش و خروش اور ثابت قدمی اور استقلال سے سرگرم عمل ہے اور جس کا حلقہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اس کے انگریزی زبان کے ہفتہ وار اخبار المقلم نے ایک گھنٹہ کے قریب میرا انٹرویو لیا جس میں عالم اسلام کے موجودہ



سیاسی، مذہبی اور ملی مسائل کے متعلق سوالات کئے گئے تھے، آج کل ہر جگہ مسلمانوں کا نوجوان طبقہ ایران کے انقلاب سے متاثر ہے اور کہتا ہے :

نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جو ہر  
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

اس خیال کا نوجوانوں کے دل و دماغ پر اس درجہ شدید غلبہ ہے کہ اب وہ عہد حاضر کے ان لوگوں کو پیچ سمجھنے لگے ہیں جو زبان اور قلم سے دعوتی اور اصلاحی کام کر رہے ہیں، چنانچہ القلم کے فاضل اور نوجوان اڈیٹر نے ایک سوال مجھ سے بھی ایران کے متعلق کیا، میں نے جواب میں پہلے تو کہا: WAIT AND SEE اور اس کے بعد کسی قدر تفصیل سے تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا:

میرے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایرانی انقلاب ایک اسلامی انقلاب ہے کیونکہ اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی طاقت ایسی موجود نہیں ہے جو شاہ ایران کی غیر معمولی فوجی طاقت و قوت کو، امریکہ اور برطانیہ کی بے دریغ پشت پناہی کے باوجود پاش پاش کر کے ایک پیر ہشتاد سالہ و عمامہ و جبہ پوش کی قیادت اور سرکردگی میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کر دے جو سائنس اور تکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کے اس دور میں تاریخ کا ایک نہایت حیرت انگیز اور نادر واقعہ ہو، اس انقلاب کو شیعی یا شیعہ اسلامی انقلاب کہنا حقائق سے روگردانی کرنا اور نرمی ملائیت ہے، اسلام فقط اسلام ہے وہ کسی ازم کو برداشت نہیں کر سکتا، ایران کی اکثریت خواہ کسی

مسک اور عقیدہ کی ہو لیکن انقلاب جن بنیادوں پر برپا ہوا ہے اور اس کی دعوت کا جو آہنگ اور زمرہ رہا ہے وہ قطعاً اسلام ہے۔

لیکن جس طرح مجھ کو اس انقلاب کے اسلامی ہونے میں شبہ نہیں ہے اسی طرح مجھ کو اس بات میں کوئی تردد نہیں ہے کہ ایران کی موجودہ حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت نہیں ہے، کیونکہ اسلامی وہی ہو سکتی ہے جس میں اسلام کے اقدار عالیہ پوری طرح جلوہ گر ہوں اور جس میں اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام و ضوابط پر ایمان داری اور راست بازی سے عمل ہو رہا ہو اور یہاں بدقسمتی سے اب تک ایسا نہیں ہو سکا ہے۔ مثلاً اسلام مسلمانوں کے معاملات میں جارحیت پسندی

AGGRESSIVE AND OFFENSIVE ATTITUDE

اختیار کرنے اور ہیرو وورشپ (HERO WORSHIP) ان دونوں کا سخت مخالف ہے، لیکن یہاں یہ دونوں چیزیں نمایاں طریقہ پر موجود ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جہانگیری کی بہ نسبت جہانداری ایک مشکل امر ہے کیونکہ جہانگیری کے لئے صرف ایک مقصد سے عشق اور قلبی لگاؤ اور اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے غیر معمولی جوش و خروش اور انگ و نولہ درکار ہے لیکن اسلامی اصول کے مطابق جہانداری تزکیہ نفس کے بغیر ممکن نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید کہ

آیت ہوالذی بعث فی الامم رسولاً منہم الایۃ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت آیات کے بعد سب سے پہلے اپنی قوم کا تزکیہ نفس کیا ہے اور اس کے بعد تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعہ ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے ایران کے لوگوں نے اپنے قائد کی زیر قیادت غیر معمولی جوش و خروش اور جذبہ شہادت کے ساتھ میدان جنگ میں قدم رکھا اور اسے فتح کر لیا، لیکن چونکہ ان لوگوں کا تزکیہ نفس نہیں ہوا تھا اس لئے اسلامی آئین و ضوابط کے مطابق جہانداری میں اب تک وہ ناکام رہے۔

تاہم میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں کہ جو انقلاب تزکیہ نفس کے بغیر ہوتا ہے اولاً تو اس کے بعد حالات میں اتھل پھل کا پیدا ہونا لازمی ہے اور اس لئے انقلاب برپا کرنے والی پارٹی سے چند در چند بے عنوانیاں اور غلطیاں صادر ہو سکتی ہیں اور پھر اس وقت ایران کو جن اندرونی اور بیرونی حالات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس کی وجہ سے اس حکومت کا نظام زیادہ واضح طریقے پر سامنے نہیں آ سکا ہے اور اس لئے اس کے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا ابھی قبل از وقت ہوگا،

اسی بنا پر میں نے شروع ہی میں WAIT AND SEE کہا ہے، یعنی ابھی ہمیں کوئی قطعی فیصلہ کرنے میں کوئی جلدی نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جبکہ



ایران کی حکومت میں استحکام پیدا ہو اور وہاں جو افراطی فہمی پھیلی ہوئی ہے جس میں مختلف داخلی اور خارجی عوامل و اسباب کام کر رہے ہیں ختم ہوئے القلم کے فاضل ایڈیٹر نے میری تقریر بڑے صبر و سکون کے ساتھ سنی جو کچھ میں کہتا گیا اسے قلمبند کر لیا اور مجھ سے کچھ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی۔

## مکاتبات

بچوں اور کم ارادہ پڑھے طلباء اور طالبات کے لئے آسان ارادہ میں سب سے مفید اور دلچسپ کتاب۔

مولانا مقبول احمد سیوہاروی راجمہ اللہ علیہ کے قلم کا شاہکار۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کا مرقع۔

عکسی طباعت۔ قیمت: چار روپیہ 4/-

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان، اردو بانہار دہلی

# خواجہ میر درد کے نظریہ وحدت الوجود

## وحدت الشہود کا ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محمد عمر ریڈر شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۴)

طریقہ محمدیہ کے امام اور نقشبندی اور قادری خانوادہ کے خلاصہ ملتِ مصطفوی کے ناصر، سلسلہ مجددیہ کے مفتی، اس ناتواں [میر درد] کے والد اور مرشد، السید السند، حضرت خواجہ محمد ناصر محمدی خلد اللہ طریقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ علی آلہ واصحابہ دائماً ابداً کثیراً [اللہ تعالیٰ ان] [خواجہ محمد ناصر عند لیب] کے طریقہ محمدی کو ہمیشہ آباد رکھے اور رسول اللہ پر درود اور سلام اور آپ کے آل واصحاب پر بھی] کے زمانہ میں چوں کہ یہ دونوں نسبتیں وحدت الوجود اور وحدت الشہود نکتہ کمال کو پہنچ چکی تھیں اور یہ دونوں مباحث واضح طور پر الگ الگ ہو گئی تھیں اور توحید کے ان دونوں نظریوں کے پیرو اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے مطلب اور منشاء کو سمجھتے تھے اور اسی کے مطابق اپنے میں کیفیت پیدا کر لیتے تھے لیکن باہمی اتفاق کے بجائے ایک دوسرے سے الگ الگ تھے اور انہوں نے اپنے اس اصل معتدل مزاج کو فاسد کر لیا تھا جیسا کہ حضرت رسول اللہ کے عہد میں پایا جاتا تھا۔ توحید مطلق کا تصور اپنی اصلی صورت میں باقی نہ رہا تھا اور اس تصور کو وجود و شہود میں مقید کر دیا گیا تھا۔ مسلمانوں

میں جیسے اپنے لوگ تھے جن میں وجودی اور بعضوں میں شہودی رنگ غالب آ گیا تھا کیونکہ عارفوں کی ایک جماعت ایک مخصوص نسبت کے بارے میں غلو سے کام لیتی تھی اور اسی ایک نسبت میں راسخ ہو گئی تھی اور دوسری نسبت سے اس کا کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہا تھا اور اس کی تہ تک اس کو رسائی نہ مل نہ تھی۔ ویسا کہ دوسری جماعت دوسری نسبت میں راسخ ہو کر اسی میں مقید ہو گئی تھی اور پہلی نسبت کے بارے میں بالکل نااہل تھی اور اس پر نہ کوئی سمجھتی تھی۔ اس لیے اندر سے ہی نہ تو انہوں نے آنحضرت، حضرات قبلہ کو نہیں [خو جہ محمدنا سر غنڈ لیب] کو مبعوث کیا اور انہیں مملوک کی طرف بھیج دیا انہوں نے وکوال کے لئے اسی دعوت محمدی کا دروازہ کھول دیا جو برسوں سے بند رہا تھا اور اس نے نہ باب مدینہ علیہ السلام کی کھلی گئی اور وہ مملوک کے اندر آ کر ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور ان کے سامنے سلام کی مکمل طور پر پہچانی کر کے وہ سب جہ میں جا سمیت ہو یہ نثر نما جہا سلوۃ و اسلام کے طفیل کے فیضات سننے شہوتہ خاصہ کی تعمیر ہو گئی تھی اور نوائے محمدی، جو در اثنا جدِ اعلیٰ سے نکل کر آیا تھا، اسی نے نبی کو ہمہ گیر کیا تھا۔ درمیانوں نے ہر چھوٹے اور بڑے کو اسی خاص محمدیت کے بارے میں کہیں نہ دی تھی اور ایک خاص طرزِ نبی کے ذریعہ اللہ اور رسول کی قربت حاصل کرنے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ نہ تو یہی طریقہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تھا کہ مسلمانوں کو ایک حربہ اختیار کر کے اس نام لوئے محمدی رکھنا تھا۔ اس کی تعصبات انہوں نے اپنی تعصبات کے ذریعہ اس میں بیان کی ہے۔ وہ نصیر تھی جسے اس نے اپنے کو باز رہا کرتے تھے اور اپنے وقت مبارک سے خود

سہ جو بہ نیم ماہ مدد لب خود سرحدیں کے پاس آئے اور ان طریقہ کا کشف ہو گیا تھا۔

اس طریقہ میں جو غلطیاں تھیں وہ اس کے مطابق اور اس کے ذریعہ بنیادی طریقہ سمجھتے تھے۔

برہنہ علیہ السلام جو غلام اللہ تھا۔ ۱۵۔ ۱۶



انہوں نے اس جھنڈے کو اپنے جانشین کے سپرد کیا تھا اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا۔ اپنی مخصوص کلاہ [ٹوپی] اسے پہنا کر خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ اللہ اس تخت پر اسے بٹھا دیا جس پر وہ خود بیٹھا کرتے تھے۔ اور جس کا نام معبر تھا۔ اپنے حکم سے اسے خواص و عوام کا پیشوا اور امام مقرر کر دیا اور اس نسبت محمدیہ خالصہ کے رُکے ہوئے سمندر کے پانی کو اجازت کے فیض سے متحرک کر کے روئے زمین پر موج زن کر دیا۔ اُس سمندر و ذخار سے حقائق اور معرفت کے بے شمار بڑے موتی مہربانِ خالص کو حاصل ہوئے۔ طالبوں کی کشتیاں ان کی منزل مقصود تک پہنچ گئیں۔ مخالف لوگوں کے گھر سار ہو گئے اور دین کے دشمن اس سیلاب میں غرق ہو گئے۔ اور لوگ جن کو خالص محمدیہ پر کامل یقین تھا ان کے باطن اور ظاہر پاک و صاف ہو گئے اور یہ اعلیٰ و افضل سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا اور نہر کے مثل یہ سلسلہ حوضِ کوثر سے جا ملے گا۔ قرآنی حقائق اور احادیث نبوی کی برکتیں سادات محمدی کے شامل حال رہیں گی۔ کما قال علیہ السلام فی حق کتاب اللہ و عترتہ و لن یتفرقا حتی یرد اعلیٰ الخوض [جیسا کہ رسولؐ نے فرمایا اللہ کی کتاب اور اپنے خاندان کے بارے میں] اس لیے خاندانِ آل نبی کے ان سلسلوں اور طریقہ محمدی کے اس مقتدا نے سب لوگوں کو اس طریقہ کی پیروی کی دعوت دی جو سنت محمدی سے آراستہ و پیراستہ تھا اور حبیبِ خدا کی بیت اور اپنی نیابتِ سنیت [پھیرنے والی حق کی طرف] جو حق تعالیٰ کی نیابت ہے، توحیدِ مطلق کی طرف دعوت دی۔ بلا کچھ کہے سُننے اپنی صحبت کی برکت سے ان کے دل میں نسبتِ باطنی کے انقلاب کا دروازہ کھول دیا اور اتحاد اور امتیاز کے بارے میں جامع تقریر کرتے تھے اور ترتیب

سلسلہ القار: عارفِ سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علمِ غیب وارد ہوتا ہے، اُسے القار کہتے ہیں۔

اور پاس شریعت کے لیے امتیاز کو بڑی حد تک ملحوظ رکھتے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سنت اللہ اور سنت رسول اللہؐ یہی ہے اور ظاہری طور پر مرتبہ ظاہر باطن کے مرتبہ پر غالب ہے اور مرتبہ باطن کا پہلہ باطنوں میں مرتبہ ظاہر پر غالب ہے۔ والظہور والبطون مراتب بلا نہایت معنی کل ظہور اضافی بطون اضافی و لكل بطون اضافی ظہور اضافی والظہور المطلق والبطون المطلق متحدان فی مرتبة الوجود المطلق والظہور عین البطون والبطون عین الظہور فی ذلک الموطن وهو الظاہر والباطن وهو بکل شیء

[ظہور و بطون کے لیے بے نہایت مراتب ہیں اور ہر اضافی ظہور میں اضافی بطون ہیں اور ہر اضافی بطون کے لیے اضافی ظہور ہے۔ اور ظہور و بطون مطلق دونوں وجود مطلق کے مرتبے پر متحد ہیں اور ظہور عین بطون ہیں اور بطون عین ظہور ہیں اور وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔]

مجملاً ہمارے حضور اقدس [خواجہ محمد نادر غدلیب] کی مجلس میں "۳ اوست" اور "ہم ازوست" کے بارے میں بحثیں نہیں ہو کر تھیں جاہل کہ یہ موضوع اس دور کے مشائخ بے رعب [بے اثر مشائخ] کی مجالس میں نقل کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن تاہم کسی کی کیا مجال تھی کہ ایسی باتوں کا ذکر کرتا اور ساتھ ہی آت [خواجہ محمد نادر غدلیب] کی زبان مبارک سے صوفیاء کی اصطلاحیں بہت کم نکلتی تھیں۔ حسب ضرورت وہ قرآنی آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ میں اور غیر جو صوفیاء اور ناظرین کی بدعتیں ہیں، مطلقاً ان کا ذکر نہ آتا تھا۔ ہر طالب کو توجہ الی اللہ کی تسبیح ہی ہوتی تھی جو

سے توجہ الی اللہ : اللہ کی طرف توجہ۔ توجہ کے دو معنی ہیں۔ ۱) یہ کہ قلبی طاقت دوسروں کے دلوں پر ڈالنی اور ان کو اپنے اختیار میں لانا اور (۲) یہ کہ اپنے وجود کو نابود کرنا یعنی اپنی خودی کو مٹانا اور صرف ذات حق تعالیٰ کو موجود اور بہت جانا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اصطلاحات صوفیہ : ص ۳۲۔

توحید کی اصل ہے۔ اور وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہر حال میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو حقیقی فاعل اور اُسی کو مارنے والا، جلانے والا، نفع اور نقصان پہنچانے والا، بلا شبہ اُسی کو ذلت دینے والا اور بلا تذبذب اُسی کو بلندی اور پستی دینے والا اور بلا شبہ اُسی کو بخشنے والا، قہر کرنے والا، روکنے والا، اور کھولنے والا اور بلا تردد اُسی کو خالق اور رازق جانتا چاہئے۔ صرف ایک ہی کو حقیقت جانتا چاہئے اور ہر حال میں اُسی سے محبت پیدا کرنی چاہئے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو موجود نہ جانتا چاہئے۔ اشیائے خارجہ کے حوال [پھر جانا ایک حال سے دوسرے حال میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا] اور قوت مجازیہ میں اور ان کے انداز اور مشیت اعتباریہ میں اُسی قدرت حقیقی، واحد یکتا اور اُسی ایک کی مشیت کافی الواقع مشاہدہ کرنا چاہئے۔ قوت ایمان اور نسبت اِیقان کی یہ حالت باطن میں ہونا چاہئے اور ماسوا اللہ کو دل کی آنکھ سے بالکل نہ دیکھنا چاہئے اور انھیں دل میں جگہ نہ دینا چاہئے۔ ہر قول اور فعل میں حق تعالیٰ سے آگاہی کا رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دینا چاہئے۔ کیوں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اس سے تملّ فعلی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اور مَا تَشْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ [نہیں چاہتے ہو تم مگر جو اللہ چاہتا ہے] اس بات سے دل کے خطرات دور ہو جاتے ہیں۔

وہ [خواجہ محمد ناصر عندلیب] کہا کرتے تھے کہ سارے سیر و سلوک اور توحید کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہا جائے اور خود کو اور تمام عالم اور مخلوقات کو محیطِ عرش سے مرکزِ فرش تک اللہ تعالیٰ کے وجود میں محو و فانی کر دینا چاہئے۔

۱۔ عارف کا وہ انتہائی مقام ہے کہ اُسے اس امر کا عین الیقینی ہو جائے کہ ہر ذرہ میں ذات باری تعالیٰ ہے اور اُسی میں محو ہو جائے۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۴۔

۲۔ گناہوں سے پھیرنا اور اطاعت کی قوت پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔



ما سوا اللہ سے اپنے دل کو پاک کر لینا چاہئے اور ما سوا اللہ سے متعلقہ تمام چیزوں سے قطع تعلق ہو کر اسی ایک ذات واحد سے تعلق پیدا کرنا چاہئے کیونکہ توحید محمدی اور توحید مطلق یہی ہے جس کی وجہ سے نجات ملتی ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اس بات کی خبر دیتی ہے۔ چنانچہ ان تمام خبروں میں سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ غین دیکھنا، غیر سمجھنا وغیرہ کا شمار زائد میں ہوتا ہے۔ اس لیے خالص محمدیوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے اور ان زائد بحثوں کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان زائد بحثوں سے مختلف شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ یہ بحثیں کسی اور کام نہیں آتیں۔ یہ شکوک اور شبہات آدمی سے آدمیت چھین لیتے ہیں اور ایمان اور اسلام کے چراغ کو بجھا دیتے ہیں۔ اس طرح کی بحثیں فضول بات کرنے والوں، کامل، اور بہت پسند پیشہوروں کے لیے چھوڑ دینا چاہئے اور کسی بھی صورت میں ان لوگوں سے سوال و جواب اور گفتگو نہ کرنی چاہئے کیونکہ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں کہ ان سے بات کی جائے۔ لَہُمْ اُذَانٌ لَّا یَسْمَعُونَ بِہَا وَلَہُمْ قُلُوبٌ لَّا یَفْقہُونَ بِہَا [ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں اور ان کے دل ہیں جس سے وہ سمجھتے نہیں ہیں]

اے میرے عزیز! توحید محمدی، جو توحید مطلق ہے، اور وجود کی شرط کے ساتھ لا کے مرتبہ [مرتبہ لای بشرط وجود] سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اس کے عام معنی ہیں۔ اور لسان صدق علیہ [جو بات کہی گئی ہے سچ ہے] وہ بذات خود مرتبہ اطلاق وجود ہے۔ اور مقید اپنے بے شمار لوگوں میں شامل ہے اور مقید کی گئی ان توحیدوں پر محیط ہے جو توحید وجودی و شہودی ہیں۔ توحید وجودی کا تعلق کسی چیز کے وجود سے مشروط ہے اور توحید شہودی کا تعلق کسی چیز کے وجود کے نہ ہونے سے تعلق رکھتا ہے اور ما صدق علیہ [جو بات کہی گئی

سچ ہے]۔ یہ دونوں توحید اضافی، ان دونوں وجود اعتباری سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے جو لوگ حضرت رسول علیہ السلام کے تابع ہیں ان محمدیان خالص کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ لوگ توحید مطلق کے اسی عام معنی اور مفہوم کلی کے مطابق لوگوں کو رسول کی سنت کے اتباع کی طرف دعوت دیں جو ایمان اور اسلام کا حاصل ہے اور اس ذات حق تعالیٰ کی وحدانیت کا تصور اور یقین اسی میں پایا جاتا ہے۔ مجہول الکیفیتہ میں گرفتار لوگوں کی طرح اور جزئیات کو دیکھے بنا جو توحید وجودی اور توحید شہودی کے مترادف ہے، اس توحید مطلق کا مجمل ذکر کرنا چاہئے۔ اور مومنین کو اس شرک سے باز رکھنا چاہئے جو کفر کا باعث، نجات کا مانع، اور طریقہ محمدی کے خلاف اور مرتبہ الوہیتہ کے لیے پردہ کے مانند ہے، تعلیم و تفہیم، یا لطف و محبت، قہر و غضب، جو دو عطا، سیاست و جفا، جذب و تصرف، تسلط و تحکم کے ذریعہ اس کام کو کرنا چاہئے اور بحث و گفت و شنید کا راستہ ہرگز نہیں کھولنا چاہئے۔ ان صوفیاء خام و کم مایہ ملاؤں کی طرف سے خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ جو اس طرح کی بحثوں اور جھگڑوں میں پڑتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ نہ ہونا مستحسن اور بہتر ہے۔ کیوں کہ متذکرہ صورت میں نطق اللہ کی ہدایت اور ان کی تلقین میں ان کے لئے بہت سی بھلائیاں اور فوائد ہیں، رشدوں اور پیروؤں کے لیے بھی اور رسول کریم کی سنت بھی یہی ہے۔ دلائل اور براہین پر اپنے مطالب کی بنیاد رکھنا حکما کی روش ہے، یہ انبیاء کا راستہ ہے۔ حالانکہ بعض مطالب کوائفاً

۱۔ بندہ اور خدا کے درمیان جو نسبت ہے اُسے اضافت کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اضافت حقیقی یعنی عید یا اعتبار حقیقت اور وجود اپنے کے عین رب ہے۔

(۲) اضافت اعتباری یعنی عبد اور رب میں غیریت اعتباری ہے یا باعتبار تعین و

اطلاق کے۔ جلیے دریا۔ موج، حباب۔ تخم، درخت۔

دلیل کے ذریعہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حکماء کے بعض امور کو اشراق [نمائے سلف کا وہ گروہ جو باطن کی روشنی کے باعث مکاشفہ اور مراقبہ کے ذریعہ پڑھتے پڑھاتے تھے، اس لیے انھیں ملاقات باہمی کی ضرورت نہ پڑتی تھی] کے برخلاف حکمائے مشائخ [اس جماعت کے لوگ ایک دوسرے کے پاس جا کر حالات دریافت کرتے تھے چنانچہ افلاطون اور بقراط زمرہ شراکین میں سے تھے] بیان کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کے اتفاقی فیصلوں کو ہمیشہ کے لئے ایک طریقہ نہیں بنالینا چاہئے۔ لیکن سلسلہ محمدیہ کے پیروؤں کو جس قدر بھی تحریر و تقریر، برہان و کشف اور عقل و نقل کے ذریعہ حاصل ہو وہ بہتر ہے کیوں کہ یہ طریقہ مخلص اور غیر مخلص دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگا اور یہ منصب اکملیہ کا ہے لیکن خود اس بات کا محاذ رکھنا چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو، امور معقولہ، مطالب منقولہ کی تقویت اور استقامت کا باعث ہوں۔ دین مبین اور طریق متین محمدی کی فتح دلائل اور براہین کے ذریعہ بھی ہونی چاہئے کیوں کہ محمدیان خالص کا یہی مسلک ہے اور اُن برگزیدہ بندوں کا مقصود کتاب و سنت کا اتباع کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا ہے۔ ضمن کشف اور برہان کا ذکر کرتے وقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خدمت اور اس سے قوت طلب کرنے کی نیت رکھتے ہیں، اور اُن کی یہ دونوں باتیں علم اصول کی اُن دو دلیلوں کے مترادف ہیں جو اجماع و قیاس کہلاتی ہیں۔ اس کے برخلاف، ایسا نہیں ہے کہ امور منقولہ [احادیث] کے تکلف کے ساتھ تاویں کر کے انھیں امور معقولہ کا پابند کر دیا جائے اور اپنے کشف اور برہان کے ذریعہ اُن امور منقولہ کو تکلف سے مطالب منقولہ میں متعبد کر دیا جائے اور اس طرح سے دائرہ اسلام سے نکل جایا جائے جیسا کہ مشرب صوفیاء اور ارباب معقول کا ہے، اور اُن ارباب ذوق اور دانشوروں کا مقصد اپنے باطنی کشف اور عقلی دلیل کا بیان کرنا ہے لیکن مصلحتاً اس سلسلے میں کہیں کہیں اور سنت کو بطور شہادت پیش کرتے



ہیں اور اپنی معرفت کی صحت کی نیت اور اسلام کا خود اپنے کو ترجمان سمجھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اُن کی یہ دونوں باتیں اپنے ذاتی و جہانی دلائل اور کشف کے ذریعہ حاصل کردہ امور کی حیثیت رکھتی ہیں، حالانکہ اولیاء کے وجدانی کشف کی حضرت انبیاء کے حقیقی کشف سے کوئی نسبت نہیں ہے اور حکما کی عقلی دلیل کو انبیاء کے واقعی اخبار سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ فَإِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ دُولَى وَلَا نَصِيْبٍ [اور اگر آپ ان خواہشات کا اتباع کریں گے بعد اُن کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ کی طرف آپ کا کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا]

لہذا کام تو یہی ہے کہ حق الوسیع اپنی اور بتی نوع انسانی کی اصلاح کی جائے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اپنی، ان کی اور ان کے تابعین کی نجات اسی عمل میں ہے۔ اس لیے لوگوں کو صرف وہی راستہ بتانا چاہیے جو ان کے حق میں باعث خیر و برکت ہو، صور کوئیہ کے گہرے نقوش کے باعث جس کسی کے نفس میں خلقت اور ظرف اسکا نیہ غلبہ پا چکی ہو، اور حقیقت کا عدم ادراک اُن کے مزاج میں غالب آچکا ہو، اور [معرفت و سلوک] کی راہ طے کرنے میں اس کی خودی سنگ گراں بن رہی ہو۔ اور اثنینیت اور شرک اس کے دل میں قوی ہو گیا ہو، تو مجبوراً اس کے باطن میں نسبت اتحادیہ کا القا کر کے توحید کے حقائق اس کے سامنے بیان کر کے اسے افراط کثرت غیریت کے مرتبہ سے نیچے لا کر اعتدال کی منزل پر لا کر، اس کی خودی کے غبار کو توحید کے علم کے ذریعہ صاف کر کے، فتافی اللہ

۱۔ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا اور اس کا علم حاصل کرنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں: معرفت عقلی، معرفت علمی اور معرفت کشفی۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳۱-۱۳۲۔

۲۔ سالک کا جملہ مراتب صفات و مدارج عروج و زوال طے کر کے ذات حق تعالیٰ میں محو ہو جانا۔ اس کا زیرینہ نافی الرسول ہے۔ یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔

کے مرتبے میں پہونچ دینا چاہئے تاکہ مکمل طور پر عین کے تصور کا زوال ہو جائے اور اس میں اس کا اثر و نما ہو جائے اور اس میں نفیِ ارادت اور نفیِ مرادات کی حالت پدید ہو جائے۔ اس کیفیت کا تعلق مقامِ رضا سے ہے۔ اور جن لوگوں کی طبیعت پر حقیقت اور الوہیت کی سمت توجہ کی وجہ سے مرتبہِ ملوک کی طرف حقیقت کے کشف نہ ہونے کی بنا پر غلبہ ہو گیا ہو اور ایسے لوگ جو حالتِ سُکر اور بے خودی کے سبب سے احاطہٴ ادب سے باہر نکل گئے ہوں تو ان لوگوں کے سامنے امتیاز کے مرتبوں کا ذکر کر کے حقائقِ ممکنہ کی غیریت کو مرتبہٴ غلیانے، جو بیہ کے ذریعہ امکان اور وجوب کے فرق کو بیان کر کے ایسے سیہ مستوں کو ہوش میں لا کر اور بعدِ الجمع کے مقام سے صحو کے مقام پر لا کر انہیں باقی بالشد کے مقام پر پہونچا دینا چاہئے تاکہ وہ مستانہ لغزش سے بچ کر الوہیت کے مشاہدہ کے ساتھ عبدیت کے سیدھے راستے پر ہمیشہ قائم رہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ پہلے کی طرح ٹھوکریں نہ کھائیں کیونکہ ایسے لوگوں کی ظہری و باطنی اصلاح کرنا عارفوں کا کام اور انبیاء کے پیروں کا شعار ہے جو ان کے لئے عام رحمت اور مکمل ہدایت کا باعث ہو۔ عارفوں کا طریقہ فساد پیدا کرنا نہیں ہے، یہ راستہ شیطانوں اور ان کے تابعین کا ہے۔ حضراتِ انبیاء اور ادویاء جو اسمِ بادی کے مظاہر ہیں ان سے کسی بھی حالت میں ہدایت کے علاوہ کوئی

۴ مقامِ رضا: اپنے مولا سے ہر حال خوش رہنا اور سالک کے بیچگانہ مقامات میں سے یہ ایک مقام ہے۔

۵ حقائقِ ممکنہ: عالمِ ارواح، عالمِ اجسام، و عالمِ مثال کے حقائق۔

۶ بانی بالشد یا بقا بالشد: سالک کے اس مقام کو کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے وجود کی نفی کر کے اپنے آپ کو ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ باقی سمجھے یعنی ماسوا اللہ کو معدوم اور ذاتِ باری تعالیٰ کو موجود سمجھے۔

دوسرا امر یا کام صنادد نہیں ہوتا ہے۔ اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فِیْہُمْ اَقْتَدٰ بِہٖ۔  
 [یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ ان کی ہدایت کی آپ پیروی کیجئے]  
 اس حقیقت کا بیان جو وحدت الوجود اور وحدت الشہود اور توحید کے ان دونوں  
 نظریوں کے پیروؤں کے حالات کی تفصیل دراصل وہ توحید مطلق کا بیان ہے۔ اس  
 بندہ [خواجہ میر درد] نے اس تفصیل کو قلم بند کیا ہے اور میری یہ تحریر، خدا شاہد ہے  
 نہ تو وجودیہ اور شہودیہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی فریق سے مخالفت کی بنا پر ہے  
 اور نہ ہی اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے ہے بلکہ اس بیان کا مقصد ان دونوں طریقوں  
 کے پیروؤں کی اصلاح کرنا اور ان میں تطابق پیدا کرنا ہے۔ اور بے جا باہمی مخالفت  
 اور تنازعہ کو دور کرنا ملحوظ ہے کیوں کہ ان دونوں فرقوں کے کامل حضرات کا شمار  
 اولیاء اللہ میں ہوتا تھا اور اللہ کی مدد سے ان کے مابین جو یہ فاصلہ کیا جاتا ہے، اس  
 کی تحقیق واضح ہے اور حقیقت کو ثابت کرنا انصاف پر مبنی ہے کیوں کہ وجود و شہود  
 نظریہ کے پیرو کسی فرد کی جانب داری کرنا مقصد ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی تعصب یا  
 مخالفت کو اس میں دخل ہے جیسی نا سمجھوں کی عادت اور جاہلوں کا طریقہ ہوتا ہے۔  
 وَمَا ارٰیہُمْ اَنْ اِخَالَفَکُمْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْجَہَالَةِ اِلٰی مَاۤ اَنْزَلْکُمْ عَنْہُ  
 مِنَ الْمَعْلُوْمَاتِ الْبَاطِلَةِ وَالْمَفْہُوْمَاتِ الْفَاسِدَةِ اِنَّ اِسْرَیْدَ الْاِصْلَاحِ  
 مَا اسْتَطَعْتَ بِاَعْتِبَارِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ وَقَدَامَةِ الْبَیَانِ وَمَا تَوْفِیْقِیْ هٰذَا  
 الْاَظْہَارِ الْمَحْمُودِیَّةِ الْخَالِصَةِ وَبَیَانِ التَّوْحِیْدِ الْمَحْمُودِیِّ اِلَّا بِاللّٰهِ الْجَامِعِ الَّذِی  
 لَوْ شَاءَ لَہْدٰ لَکُمْ اَجْمَعِیْنَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتَ ظَآہِرًا وَبَاطِنًا وَاَلِیْہِ اُنِیْبُ فِی السِّرِّ  
 وَالْعَلَنِ [میں نہیں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری مخالفت کروں۔ اے وہ لوگو! جیہوں نے  
 جہالت کی وجہ سے اختلاف کیا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں جہاں تک میری استعداد میں  
 ہے کہ میں اصلاح کروں اور توحید محمدی کے اظہار کے لئے صرف اللہ کی توفیق درکار ہے







پر ہے جیسے کہ زید سے نسبت کے لحاظ سے ان کا عام مفہوم ہوتا ہے اور جس طرح شریعت کا حقیقت سے خصوص تعلق ہوتا ہے، اسی طرح شریعت سے حقیقت کی نسبت کا مفہوم جزوی ہوتا ہے، اسی خصوص مفہوم کے لحاظ سے جیسے کہ زید کی نسبت انسان سے ہوتی ہے۔ اسی طرح مظاہر مطلقہ کی نسبت کے لحاظ سے حقیقت کا خاص مظہر شریعت ہے۔ چنانچہ بنی نوع افراد میں زید کو بحیثیت ایک خاص فرد کی حیثیت حاصل ہے اور معنوی اعتبار سے انسان اور زید کے مابین ایک رشتہ اتحاد پایا جاتا ہے اور اس طرح انسان بذات خود زید کا عین ہے اور معنوی اعتبار سے انسان اور زید کے درمیان ایک امتیازی نسبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ زید سے حقیقت کا ایک عطف ہے اور انسان کلی عندنی ہے۔ اس طرح اگر زید کو بحیثیت ایک فرد شریعت کی جگہ فرض کیا جائے اور اگر حقیقت کو حقیقت وحدۃ کی جگہ بیان کیا جائے تو اس لحاظ سے بنی نوع انسانی کے دوسرے افراد میں جو عمر و خالد اور ان کی طرح ہوتے ہیں [حقیقت وحدت] جنوہ گر ہوتی ہے اور دوسرے مثل ہر حقیقت میں بھی، جن کے طریقے اور قوانین غیر مہر می ہیں اور ان طریقوں اور قوانین میں ہر جگہ ایک مفہوم اور ایک حقیقت کا ظہور دیکھا جاتا ہے اور ہر ایک فرد اور ہر ایک مظہر میں اسی نسبت اور واحد حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور جس طرح [ان کو] زید کا عین سمجھا جاتا ہے، اُسی طرح انسان خود کو بھی حقیقت وحدت کا عین

۱۔ مقید، عین مطلق نہیں ہوتا اگرچہ مطلق عین مقید ہے۔ چنانچہ انسان عین زید ہے اور زید عین انسان نہیں ہے۔ تاہم افراد اس میں شامل نہیں ہیں۔

علم الکتاب - ص : ۱۴۹ - ۱۵۰۔

۲۔ مظاہر مطلق : اللہ تعالیٰ کے مظاہر۔

۳۔ کل سے نسبت رکھنا۔



سمجھتا ہے اور عوارض انسانیہ [انسانی عارضے] جن کا تعلق امور کلیہ [مجموعی امور] سے ہے جیسے "ابتداء من اللہ [اللہ سے شروع کرنا] اور عود الی اللہ [اللہ کی طرف لوٹنا] انسان خود کو اپنی طریقت اور شریعت کو اور تمام شریعتوں اور طریقوں کو ایک دوسرے کے مشابہ پاتا ہے اور وہ شخص اس کلمہ: تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم [ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک یا یکساں ہے] سے گفتگو کرتا ہے لیکن جزوی امور میں جن کا تعلق ایک خاص شخصیت، خاص شریعت اور ایک خاص طریقے سے ہے، ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی صورت دوسرے افراد میں ممتاز، اس کی شریعت دوسروں کی شریعت سے الگ اور اس کا طریقہ دوسروں کے طریقے سے منفرد ہوگا۔ بنی نوع انسان میں ہر فرد واحد کا ہنسنا، اور چلنا، اس کا مذہب، آئین اور راہ و رسم اسی طرح پر جدا ہوگا جس طرح حقیقت وحدت کے مظاہر ایک دوسرے سے جدا ہوں گے۔ کیوں کہ اس معنی کا ظاہر ہونا عالم بے اختیاری [وہ دنیا جس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے] سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شخص اور ہر فرقے کی زندگی، بسر اوقات کا طریقہ، اور طرز معاش اپنے خاص طرز اور مخصوص راہ و رسم کے مطابق ہوگی اور ہر فرقے کا قول و فعل، اس کی سمجھ بوجھ، ان کے رہنماؤں اور ان کے پیروؤں کی سمجھ بوجھ کے مطابق ہوگی۔ یہ بات بڑی مشکل ہے کہ وہ تمام کام، جن کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے ایک تنہا شخص سرانجام دے دے یا ایک فرقہ کے لوگ تمام دوسرے فرقوں کے رسوم ادا کریں جیسا کہ بعض بے دینوں کو دہم ہوتا ہے۔ وہ لوگ آسانی اور ریاکاری کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ اور اس بات کو اپنے خیال میں عرفان سمجھ کر اس کا نام وسعت مشرب رکھ دیتے ہیں۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص حسب ضرورت اپنے خاص فرقے میں شامل ہوگا اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے امالوں اور پیشواؤں کے حکم کے مطابق وہ اپنے

تابعین کو دعوت دے گا۔ اور وہ وہی دے گا۔ اس آیت سے مذہب میں آپسی  
برابری ختم نہ کرنا چاہیے اور بعض اہل حق کے خلاف اور اس کو مشابہ نہیں  
دیکھنا چاہئے کیوں کہ مسلمانوں کی رائے میں یہودیوں کی بہت سی غلطیاں تھیں  
کافر ہے [ہر چند غرور سے بد مذہبوں کی ایک ہی جگہ اور وہ مذہب اہل حق کے برابر ہے یہ  
دونوں امر تہذیب و تمدن کے ہیں۔] اور یہودیوں کی ایک ہی جگہ اور وہ مذہب اہل حق کے برابر ہے یہ  
و ابدال اہل حق و عبود الیٰہی سے [یعنی ان کے مذہب میں وہ بھی خدا کے برابر ہیں]  
الصل و ابدال اہل حق و عبود الیٰہی سے [یعنی ان کے مذہب میں وہ بھی خدا کے برابر ہیں]  
منظور ہے اور اسی سے بد مذہبوں کے درجہ پریم و غصہ کی طرف بولے گا۔ اور کفر باطل  
ہے اور اللہ کی صفت نفس کا شہر ہے۔ [یعنی اللہ کی صفت نفس کا شہر ہے۔]  
اور مستقیم کی طرف بولے گا۔

اس عہد میں محمدیان ظالم تھے۔ لیکن وہ ظالم نہیں تھے۔ اس آیت کے  
دینکھنے والے دین کے ہر رکن سے دور رہیں۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
مطابق عمل کریں۔ یہودیوں کی ایک ہی جگہ اور وہ مذہب اہل حق کے برابر ہے یہ  
میرا اتباع کرو گے۔ اور تم سے دور رہیں۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
میں سے ہر ایک کو ستادیں۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
جو زیادہ کو چاہیے۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
کو اسی ایک لہلی سے مشابہ نہیں ہو گا۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
سی صورت میں حقیقت نہ رہے گی۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
نہایت خالص کے۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
خالص خالص ہیں۔ اور ان کے مذہب کے خلاف  
کا طریقہ ہے۔ اور ان کے مذہب کے خلاف

کر کے تہہ دل سے ظاہری اور باطنی لحاظ سے اپنے مرشد کے اتباع میں مصروف ہو جائیں  
کیوں کہ اس کی صحبت کی برکت اور اس کے روحانی فیضان کی دولت سے مشرف ہو جائیں اور  
مکمل طور پر اس کی پیروی کریں تاکہ وہ رکن، طریقہ ہو جائیں اور جس کام کو ان برگزیدہ افراد  
نے انجام دیا تھا اس کام کو خود بھی تھوڑا سا انجام دیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شریعت مصطفویٰ اور طریقہ محمدیہ کے لیے ان کی خدمت  
مقبول ہو جائے۔ اس کے باوجود کہ اسلام دوسرے فرقوں سے ممتاز ہے تاہم اسلام  
کے پیرو اس وحدت کو ان فرقوں میں بھی دیکھتے ہیں جو محمدیہ مطلقہ ہے اور ان مذاہب کو  
مطلق محمدیہ سے خالی نہیں جانتے ہیں اور ان فرقوں کو محض بے بہرہ نہیں سمجھتے ہیں کیوں کہ  
لا تکفراہل القبلة [اہل قبلہ کی ہم تکفیر نہیں کرتے]۔ اس عقیدہ کا شمار اہل سنت و جماعت  
کے عقیدوں میں ہوتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو ہے خود کو، اپنے اہل و عیال، دوستوں  
بیگانوں اور آشناؤں میں جن تک ان کی رسائی حاصل ہوتی ہے، انہیں اپنے  
مرث کا قیام کے اتباع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے ہم طریقہ بھائیوں کی  
تعداد میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور اپنے طریقہ کو تقویت پہنچاتے ہیں  
کیونکہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا خیر کا اجر یا امت میں سے گا۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کی نظر میں اس عمل سے زیادہ نقص کون دوسری سبادت و ریاضت نہ ہوگی۔  
ان هذا اصرا علی مستفیہین لا شک وریب نہ صبروا بالصداق والیقین

ولا تتبعوا السبیل من بین المشرکین لا یطوق المبدئ عتہ فتغرق بکم عن  
سبیلہ الحق وھو السبیل الممجدی لکم و عنکم بہ حجۃ وھذا یتل لعلکم  
تتقون فی الدنیا و تغفون فی الآخرة ولا تكونوا کالذین افرقوا من  
قبل بھواء الخمسہ و درۃ او ہماہم و اختلفوا بخواع شیاہین  
انفسہم و جہلۃ طباغہ من بعد ما جاہم البیسات۔ ایضاً واللہ



یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ] بے شک یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہے۔  
 تم سچائی اور یقین کے ساتھ اس کا اتباع کرو اور تم شرکین کے راستوں اور نئے راستوں  
 کا اتباع نہ کرو کیوں کہ وہ مشرکین کے راستے حق کے راستے سے الگ ہیں اور حق کا راستہ  
 وہی طریقہ محمدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذریعہ رحمت اور ہدایت تم کو دی تاکہ  
 تم دنیا میں متقی ہو جاؤ اور آخرت میں فلاح پاؤ۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو  
 اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے دہموں کی رہنمائی کے ذریعہ تم سے پہلے ایک دوسرے  
 سے الگ ہو گئے اور شیطان نما اپنے نفوس اور اپنی صبیحتوں کی جہالت کی وجہ سے  
 اختلاف کرتے رہے اس کے باوجود کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آگئی تھیں۔  
 اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے صراط المستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے ]

افسوس افسوس ! اس زمانے میں موجود دوستو اور آئندہ آنے والے جماعت !  
 تم حقیقت کو پہچانو اور یہ امر کا صیغہ، مضارع کے صیغہ کی طرح حال اور مستقبل دونوں  
 کے لیے ہے اور میری مراد یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرو کیوں کہ  
 حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اس مضبوط طریقے سے یہ واقعہ درحقیقت کوئی دوسرا طریقہ  
 نہیں ہے اور محرمیت کے اتباع سے روکنا نہ کرو۔ زمانہ حال میں بھی اور زمانہ مستقبل  
 میں بھی۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحبکم اللہ ! اگر تم اللہ کی محبت چاہتے  
 ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا [ یہ حکم واقعی اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔  
 رزقنا اللہ وایاکم نبیۃ حبیبہ علیہ السلام بیحیۃ کاملۃ بالظاہر والباطن  
 واجبائنا واما تنا علی الطریقۃ المحمدیۃ ونصرنا علی القوم المترددین  
 اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنے حبیب کی مکمل طور پر ظاہر و باطن میں پیروی عطا کرے  
 اور ہمیں اسی طریقے سے موت دے اور نہ تردد و لوگوں پر ہمیں مدد عطا فرمائے ]  
 اے سعادت مند دوستو اور بلند فطرت صاحبو ! ان دونوں فرقوں [ یعنی

وجودیہ و شہودیہ کی بحث کرنے والوں کو بحث کرنے دو تاکہ وہ ایک دوسرے سے خوب  
 ٹٹیں اور اپنی ناواقفانی کی سزا پائیں۔ تم خود اور تمہاری بات سننے والے مشاہدہ کی طرف  
 رجوع ہوں اور دائمی ذکر [یاد الہی]، مراقبہ کی زیادتی اور رابطہ کی نسبت کی تقویٰ کا پورا  
 اہتمام کر کے ضبط اوقات میں پوری کوشش کریں اور حضور و شہود کی نسبت پر نگہداشت رکھیں  
 اور حق سبحانہ تعالیٰ سے دائمی معیت کی کیفیت اپنے باطن میں پیدا کریں۔ عینیت اور  
 اثینیت جو اہل وجود و شہود کی بحثوں کا سرچشمہ ہے، یہ دونوں امر اعتباری ہیں۔ نہ تو  
 وحدت جو عینیت کا منشاء ہے، حقیقت ہے، جیسا کہ ارباب وجودیہ گمان کرتے ہیں اور  
 نہ ہی کثرت حقیقت ہے جیسا کہ ارباب اثینیت کا وہم ہے جیسا کہ خیال ارباب شہود  
 کا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وحدت، حقیقی ہو جائے اور کثرت اعتباری۔ کیوں کہ  
 اس مرتبہ قصویٰ اور ذات عالی کے بارے میں ہر تمام نسبتوں اور اضافتوں سے بالاتر  
 ہے، اس طرح کا اعتقاد نظر کشفی کی تنگی پر دلالت کرتا ہے۔ وہاں نہ تو کثرت ہی کا گزر رہے  
 تاکہ اثینیت کا تصور مرتب ہو، اور نہ ہی وحدت کی رسائی ہے کہ عینیت کا خیال پختہ  
 ہو۔ وحدت بھی کثرت کی طرح اعتباری ہے۔ یادہ حشیت نہیں رکھتی ہے۔ لہذا اس  
 بات کو حقیقت کس بنا پر کہنا چاہئے اور کثرت کو محض اعتباری کیوں کہا جائے اگر وحدت  
 واقعی حقیقی ہے جیسا کہ وحدت الوجودی صوفیاء کہتے ہیں تو ان کے مقابلے میں یہ بات  
 کہی جاسکتی ہے کہ کثرت بھی اسی لحاظ سے حقیقت ہے کیوں کہ یہ دونوں امر حقیقت میں  
 موجود ہیں اور اعتباریہ بھی اپنی حقیقت رکھتا ہے اور حقیقت میں بھی اعتباریت ہوتی

۱۔ مراد قطع کرنا مسافات ہستی کا اور طے کرنا عقبات خود پرستی کا یکے بعد دیگرے۔

اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۵۸-۱۵۹؛ علم الکتاب۔ ص: ۴۷۰۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی قرب۔ اصطلاحات صوفیہ۔ ص: ۱۳۱-۱۳۲۔

ہے۔ یہ تغیر جہاست کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اثنینیت کو ثابت کرنے میں تنگ آنا اور  
 مینیت کو مستحکم کرنے سے برآشتہ ہونا، یہ حقیقت سے نا بلند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔  
 حاصل کلام یہ ہے کہ بے سود مباحث سے زبان بند کر لی جائے، منظرین کے سامنے  
 خاموشی اختیار کر لی جائے۔ اور اپنی یافت [حاصل کرنا] اور نایافت [کسی چیز کا نہ پانا]  
 پر جو ہر وقت انسان پر لاحق رہتی ہے اسے کلام بنی نوع انسان کی یافت اور نایافت پر مہنتا  
 چاہئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کم مایہ لوگوں کو عجب محضے میں ڈال دیا ہے؛ اور اگر  
 ہم میں سے کوئی حقائق اور معرفت کے سلسلے کی کوئی بات کہے تو ہم بھی دوسرے محققوں  
 اور مدفون کی طرح بات کہو اور کسی طرح کا دوسرا دل میں نہ لاؤ اور جو کچھ تمہارے دل  
 میں اتنا ہوا ہے، اگر وہ تمام باتیں کتاب اور سنت کے مطابق ہیں تو ان باتوں کو من جانب اللہ  
 کہو۔ کیوں کہ اس طرح کے معارف صادق حق تعالیٰ کی طرف سے ابہام کے تبادل میں  
 عقل و تشکر کے ذریعہ وارد نہیں ہوتے ہیں۔ من عرف اللہ کل لسانہ  
 [حس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گونگی ہو گئی] حالانکہ اس کی نسبت مشاہدہ ذات  
 سے ہے لیکن انسان کی شخصیت کی حیثیت کو اس معاملے میں دخل حاصل ہے۔ من عرف اللہ  
 خال لسانہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان بسی ہو گئی [اگرچہ صفات کا مشاہدہ کرنا  
 مناسب ہے لیکن شخصی قابلیت کی استعداد کو بھی اس میں پورا دخل حاصل ہے اور  
 دنیا میں بہ تمام معاملات عالم بے اختیاری سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ یہ باتیں قصداً اور  
 اہمت سے حاصل نہیں ہوتی ہیں اور ہر صورت میں بے بسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس  
 شخص کو [اللہ تعالیٰ نے] جو کچھ بنا دیا، بنا دیا، اور اس کے دل میں جو کچھ ڈال دیا، ڈال دیا۔  
 کہہ سکتا ہے، اور ادراک اور فہم حقیقت کو دریافت کرنے اور ذات الہیہ [وجود حق سبحانہ تعالیٰ]  
 کی حقیقت کی تہ تک پہنچنے میں قاصر ہے۔ فہم اور ادراک ہرگز وہاں تک نہیں پہنچتی  
 ہیں۔ اپنی قوتِ فکر کے ذریعہ انسان اس کی شناخت کرنے اور اس کو پانے کے ارادہ



میں بھی محض مجبور ہے اور کسی وقت بھی اس خیال سے یارت نہیں رہتا ہے۔ بالخصوص وہ شخص جس کی قوتِ مدد کہ تیز و تند واقع ہوئی ہو، اور اس نے چالاک طبیعت پائی ہے باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اس مرتبہ کی آخری تہ کو دریافت نہیں کر پایا ہے کیوں کہ ممکن کا واجب کی حقیقت تک پہنچ جانا امرِ محال ہے۔

اے انسان! تیرا علم، تیری جہالت، پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ تم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو نہ جان پاؤ گے کیونکہ معلومات [کی بلندی کو جاننے کی کوشش محض جہالت ہے] کا تمام آخر میں عارفین کو نصیب ہوتا ہے اور آخر میں عارف لوگ اس منزل پر پہنچتے ہیں۔ اثنائے راہ میں جو دیکھا اور سمجھا جاتا ہے وہ سب آسان نظر آتا ہے، اس سے گزر جاتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا چلا ہے۔ اور احوال معلومہ کے مطابق اور قدیم کامل لوگوں اور اس کے اخلاق سے سنے اقوال کا عجز و نواہی سے اعتراف کرنا ہی انسانِ علم و عرفان کا کمال ہے اور عبودیت کا مرتبہ بھی اسی معنی کا مقتضی ہے۔ حضرت خیر البشر علیہ السلام نے فرمایا ہے: ما عرذناک حق معرفتک [ہم نے تم کو اس طرح نہیں پہچانا جیسا کہ تمہارے پہچاننے کا حق ہے] لہذا کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے۔ رباعی:

ہر چند کہ دُور و صفا را یابی  
لیکن نتوان کہ مدعا را یابی  
مگر سِرِّ طبیعی و الہی فہی  
ممکن نہ بود کہ خدا را یابی

کہ دُور سے مراد موجوداتِ محسوسہ ہیں اور صفا سے مراد امورِ معقولہ اور مدعا سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی تہ ہے۔ لہذا ہر باشعور انسان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم تمام موجوداتِ محسوسہ کا احساس کرتے ہو، اور تمام امورِ معقولہ کو سمجھتے ہو، لیکن الہا

نہیں ہو سکتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی حقیقت جیسا کہ وہ ہے تم پاسکو۔ اس کے باوجود کہ  
 تم عقلی کی وجہ سے تم طبیعی اور علم الہی کے تمام گہرے نکات کو اچھی طرح سمجھتے ہو، اور بیان  
 کرتے ہو پھر بھی اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بے سرو پا ممکن کو جو نہ تھا اور پھر کبھی نہ  
 ہوگا، ذات واجب کے راز کو، جو ہمیشہ سے تھا، اور رہے گا، پوری طرح سے دریافت  
 کر لو۔ وما یعلم الاہو و هو انعم الیم الحکیم [اور اس کو نہیں جانتا ہے مگر وہی  
 اللہ تعالیٰ کی ذات، وہ علیم و حکیم ہے]

(ختم)

## اجتہاد کا تاریخی پس منظر

تالیف: مولانا محمد تقی امینی

اجتہاد کا مسئلہ تاریخی کے ہر دور میں تاریخی تھا۔ یہاں پر درود میں اس کی ضرورت و اہمیت  
 محسوس کی گئی ہے۔ یہیں اس مسئلہ پر کون سے اہل حق اور محققانہ کتاب اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی  
 تھی۔ خود تحقیقات کے لیے مولانا امینی جن کا اہل حق و اجتہاد ہے اور عرصہ سے اس موضوع  
 پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے امداد و نوج کی اور یہ کتاب عرب کے اہل علم پر احسان عظیم کیا۔  
 کتاب کے مباحث میں اس قدر جامعیت و تنوع ہے کہ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یکساں مفید  
 ہے۔ اصول فقہ کی جس قدر اصطلاحات ہیں ان کو نہایت سلیس اور دلنشیں انداز میں بیان  
 کیا گیا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ حضرات، ساتھ درس کے وقت اور طلباء مطالعہ کے وقت  
 ضرور اپنے پاس رکھیں۔

قیمت: ۱۵ روپے

ندوة المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

# اعتراضات کے جواب

ڈاکٹر محمد رشید احمد فارق، پروفیسر عربی، دہلی یونیورسٹی

اعتراض: میں نے تاریخ اسلام میں ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ کے حوالے دیے ہیں جو شیعہ تھا اور شیعہ نقطہ نظر کا ترجمان، جس کے بیانات سنیوں کے لیے مستند اور قابل قبول نہیں ہو سکتے۔

ابن ابی الحدید غیر حزبی ذہنیت کا ایک معتزلی عالم تھا جسے تحقیق سے دلچسپی تھی اور جو واقعات و اشخاص کی صحیح تصویر بنانے کے لئے مستند ماخذوں سے رجوع کیا کرتا تھا۔ وہ اس صبح شیعہ تھا کہ علی حیدرؑ کو شیخین سے افضل قرار دیتا تھا اور یہ بھی اس لیے کہ وہ بغداد کے بوسی دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور دربار کا بیشتر عملہ مع وزیر علقمی شیعہ تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے علی حیدرؑ کو شیخین سے افضل قرار نہیں دیا تو عہدہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور پر تیز دوسرے با اثر درباری ناراض ہو جائیں گے اور اسے نقصان پہنچانے کے درپے۔ شرح نہج البلاغہ کے تفصیلی مطالعے سے اس کی غیر جانبداری ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ حدیثیں گھڑنے کی ابتداء انبویؐ دور میں شیعوں کی طرف سے ہوئی۔ وہ بڑے پیمانے پر علی حیدرؑ کی منفیت اور خلافت کے لئے ان کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے حدیثیں گھڑنے لگے تھے۔ ان کے جواب میں سنی محدث





ہندوستان میں رہنا لکھنے پر اتنا زور دیا جاتا ہے جبکہ پرانے عرب مصنف جو صحابہ کے ہم قوم بھی تھے اپنی تحریروں میں صحابہ کے ناموں کے بعد بہت ہی کم لکھنے کا التزام کرتے ہیں۔ وہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ، عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب اور عثمانؓ بن عفان لکھنے کے بجائے اکثر ابوبکر، عمر، علی، عثمان لکھتے ہی پر اکتفا کرتے ہیں اس کے باوجود ان کا کوئی ہم قوم مسلمان ان سے مواخذہ نہیں کرتا۔ میں اپنی تحریروں میں بلا استثناء صحابہ کو صیغہ واحد کی بجائے جمع کے صیغے سے یاد کرتا ہوں جو ان کا احترام پوری طرح ظاہر کرتا ہے اور نام کے ساتھ ان کا لقب بھی دیدیتا ہوں۔ ابوبکرؓ صدیق، عمرؓ فاروقی، عثمانؓ غنی، علیؓ حیدر۔ اگر سہواً کسی جگہ رہا جائے تو اس پر مواخذہ کرنا درست نہیں ہے۔

۴۔ میں نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ ابوبکرؓ صدیق کی کوئی ”چھٹی کسر“ نہیں تھی اور یہ تصریح ان کے حق میں سور ادب کے برابر ہے۔ میری رائے میں سور ادب کا کوئی پہلو اس تصریح میں مغف نہیں ہے۔ عربی میں مالک کی من پسند کنیز کو جس سے وہ جنسی تعلق رکھتا ہو سترتہ کہا جاتا ہے، مجھے سترتہ کے لیے اردو میں چھٹی کا لفظ مناسب معلوم ہوا۔

۵۔ میں نے ابوبکرؓ صدیق کے حق میں ”جنسی قناعت“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے بے ادبی ٹپکتی ہے۔ میری رائے میں اس سے بے ادبی ظاہر نہیں ہوتی۔ رسول اللہؐ نے اٹھارہ عقد کئے جن میں سے چھ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے۔ وفات کے وقت ان کی نو بیویاں زندہ تھیں اور ایک سترتہ۔ عمرؓ فاروقی نے آٹھ عقد کیے، ان کی متعدد سراری بھی تھیں۔ عثمانؓ غنی نے نو عقد کیے، ان کی ایک سترتہ بھی تھی۔ علیؓ حیدر نے آٹھ عقد کیے۔ ان کی سراری کی تعداد سترتائی گئی ہے۔ بچے تین سے اوپر تھے۔ رسول اللہؐ اور صف اول کے صحابہ کے مقابلے میں ابوبکرؓ صدیق نے کل چار عقد کیے، ہجرت کے بعد صرف دو۔ ان کی کوئی سترتہ بھی نہیں تھی اور بچے معدودے چند۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ان کے لئے ”جنسی قناعت“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۶۔ ابوبکر صدیقؓ کی ظاہری نرمی کی تہ میں آہنی سختی "مضرتھی۔ میری اس تعبیر پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی توہین پہلو نہیں نکلتا۔ اس سے سختی کی شدت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی تاریخ میں ایسے معاملات کا جگہ جگہ ذکر آتا ہے جس سے اس تعبیر کی توثیق ہوتی ہے۔

چند مثالیں: مدینے کے پڑوسی قبیلوں نے رسول اللہؐ کی وفات پر حجب مطالبہ کیا کہ ہمیں زکوٰۃ سے چھوٹ دی جائے ورنہ ہم مدینے پر چڑھائی کر دیں گے اور مدینے کی دفاعی طاقت مقامی فوج کی ایک مہم پر جانے کی وجہ سے اس وقت کمزور تھی تو بڑے صحابہ نے مشورہ دیا کہ باغی قبیلوں کا مطالبہ فوجی مہم کی واپسی اور دفاعی طاقت کے بڑھنے تک مان لیا جائے۔ ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ باغی قبیلے مدینے پر بیخار کر کے اسلامی حکومت کی بساط الٹ دیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے بڑے صحابہ کا مشورہ نہیں مانا۔

(ب) قبیلہ نسیم کا ایک راہزن بڑا عرب فجارہ گرفتار ہو کر ابوبکر صدیقؓ کے پاس لایا گیا تو انھوں نے اسے صبر کرنے کا حکم دیا جبکہ رسول اللہؐ نے جیسا کہ مشہور ہے آگ سے خطا واروں کو جلانے کی ممانعت کر دی تھی۔

(ج) انھوں نے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا تھا کہ طلحہ کی فوج کے جتنے سپاہی گرفتار ہوں انہیں آگ میں جلا کر ہلاک کر دیا جائے۔ سپہ سالار نے گڑھے کھدوائے۔ ان کی فوج کے صحابہ نے پوچھا: ان کا کیا ہوگا تو سپہ سالار نے کہا: میں قیدیوں کو آگ میں جلاؤں گا۔ صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ نے مجھے لکھا ہے کہ اگر خدا فتح عطا کرے تو قیدیوں کو آگ میں جلا دینا۔ (تاریخ ردہ ص ۵۴)

(د) ابوبکر صدیقؓ کا خط سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو جنگ یمامہ کے موقع پر سیلہ



کے قبیلے بنو حنیفہ کے بارے میں : اگر خدا تمہیں فتح عطا کرے تو خبردار ان کے ساتھ نرمی سے پیش نہ آنا، ان کے زخمیوں کا کام تمام کرنا۔ ان میں سے جو بھاگ جائیں ان کا تعاقب کرنا اور جو تمہارے ہاتھ آجائیں انہیں قتل کر دینا اور آگ میں جلا دینا۔ (تاریخ ردہ ص ۷۶)

۷۔ میں نے اپنی بعض تصریحات کی سند کے لیے تاریخ اسلام میں حوالے نہیں دیے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سی کتابوں کے تقابلی مطالعے سے حالات و واقعات اور اشخاص کے بارے میں نتیجے نکلے ہیں جو ماخذوں میں صاف صاف قلمبند نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کے مطالعے سے مستنبط ہوتے ہیں۔ مستنبط ہونے والے نتیجوں کو ماخذوں کی طرف منسوب کرنا علی خیانت تھا۔ مثلاً میں نے ایک تصریح یہ کی ہے کہ بنو ہاشم میں رسول اللہ کے التفات خاص، قرآن میں ان کے لیے خمس الخمس کا حصہ مختص ہونے اور ان کی بڑھتی ہوئی دولت مندی سے رعونت پیدا ہو گئی تھی۔ رسول اللہ کے التفات خاص، ہاشمی و مطلبی رشتے داروں کے ساتھ ان کی فیاضانہ داد و دہش اور ان کی دولت مندی کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے لیکن کسی کتاب میں صاف صاف میں نے یہ تصریح نہیں دیکھی کہ ان میں رعونت پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم تقابلی مطالعے کے دوران اس کے بہت سے قرینے اور اشارے مجھے ملے جن میں سے صرف دو کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔

(الف) ابن ابی الحدید، معتزلی قاضی مکزیب بن بکار کی تالیف مؤلفیات کی سند پر: ایک ملاقات کے دوران عمر فاروق نے ابن عباسؓ سے کہا جو ایک باشعور جوان تھے اور سارے عباسی گھرانے میں جن سے عمر فاروق مانوس تھے اور وہ عمر فاروق سے: ابن عباسؓ تمہیں معلوم ہے قرشی اکابر تمہیں کیا چیز دینے کے لئے تیار نہیں ہوئے؟ ابن عباسؓ: امیر المؤمنین، مجھے نہیں معلوم۔ عمر فاروق: انہیں یہ بات ناپسند تھی کہ

نبوت کے ساتھ خلافت تمھارے، خاندان میں جمع ہوا اور وہ دوسرے، عزا پر اگر نعم انھیں ٹھکرا دو  
اور خلافت کی مادی نعمتوں سے انھیں محروم کر دو۔ غیر ہاشمی اکابر قریش نے اپنے  
مفادات کے سامنے رکھ کر صحیح راہ اختیار کی کہ خلافت تمھیں نہیں ملنے دی اور ان کا یہ  
عربی کا رکھنا تھا۔ کبریت قریش ان جمیع لکھ النبوة والجلالة فتجبوا  
الناس جحفاً، فنظرت قریش لا نفسها فاختارت ووقعت

(اب) رسول اللہ کے ہاشمی و مطلبی رشتے دار قریش کے یہ ہاشمیوں سے شادی  
بیاہ کے رشتے قائم کرنا کسر شان سمجھتے تھے۔ رسول اللہ کے ہاشمی و مطلبی اقارب نے  
اپنے بڑے اور بڑا کیوں کی شادی ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اس کے حامیوں  
اس کی انصاری کے بڑے کیوں سے نہیں کی، عمر فاروق نے نہ یہ ہونے کے چند سال  
بعد علی حیدر کی بڑی ام کھنوم سے شادی کی خواہش اس کے دربار کے لئے تیار  
نہیں ہوئے۔ عمر فاروق نے حد کی، دوران کی طرف سے ان کے دامادوں نے بھی  
علی حیدر پر، ماکو ڈال تو میں ہزار روپیہ دے دوں۔ جو اس ہزار روپے کے خطیر  
رقم کو نہیں دے کر دے۔ رشتے کے لئے تیار ہوئے

ایک واقعہ یہ ہے کہ میں نے اپنے دور میں یہ سنا کہ جو خارجی رکھا  
شاہ اور کسی قبیلہ سنی، مسلم، نہائی، ناجہ اور اوداؤ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ میں نے  
میں سے سنا کہ نا قابل اعتماد، سمجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ ملکہ ان سے قدیم ترک کتابوں کے  
حوالہ دینا زیادہ مناسب سمجھا جن سے حوزہ بخاری وغیرہ معمولات اذکار کی تھیں جیسے  
ابتداء بن عبد البیروانی وغازی محمد بن اسحاق، بخاری موسیٰ بن عقبہ انساب قریش  
سیرت ابن کثیر، نہایت ہی مفید و نفع دہی۔

۱۔ تاریخ اسلام میں بڑے صحابہ کے اکتشاف، جھگڑاؤں اور ان کی پارٹی بندی کی  
مذکورہ کتابوں کا کیا ہے اور ایک، مؤرخین نے لکھا ہے کہ صحابہ کے اختلاف اور جھگڑوں

کی باتیں بے سرو پا ہیں۔

اختلاف اور جھگڑوں کا ذکر صحاح ستہ میں نہیں لیکن دوسری بہت سی قدیم اور مستند کتابوں میں موجود ہے۔

چیز انہیں رسول اللہ کی وفات کے فوراً بعد انصار نے اپنے بڑے لیڈر سعد بن عبادہ کا رسول اور نائب بنانا غنیمت بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انھوں نے رسول اللہ کو پناہ دی تھی اور کزوہ اسلام کے پیر اپنے خون اور پیسے سے مضبوط کیے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر خلافت قریش کے ہاتھ آگئی تو ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اور معاشرے میں ان کا مرتبہ گر جائے گا اور خلافت کے مالی فائدوں سے محروم رہیں گے۔

(ب) رسول اللہ کے حجاز اور بھائی، داماد اور ممتاز اسلامی خدمات کے حامل علیؑ حیدر خلیفہ ہونا چاہتے تھے اور جب ان کی بجائے ابوبکر صدیق خلیفہ ہو گئے تو نااہل ہو کر انھوں نے بیعت نہیں کی اور ابوبکر صدیق نیز ان کے مشیر و دست راست عمرؓ فاروق کے تقاضوں اور دباؤ کے باوجود بیعت سے منحرف رہے اور چھ ماہ بعد جب ان کی بیوی اور رسول اللہ کی بیٹی فاطمہؓ زہراؓ کا انتقال ہو گیا جو انھیں بیعت سے باز رکھے ہوئے تھیں اور خود انھوں نے بھی محسوس کیا کہ ان کے حمایتی خلافت دلوانے سے قاصر ہیں تو انھوں نے بیعت کر لی۔

(ج) جب ابوبکر صدیق اور ان کے حامی قریشی صحابہ انصار کو خلافت دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور ابوبکر صدیق کا انتخاب ہو گیا تو بڑے انصاری لیڈر اور امیدوار خلافت سعد بن عبادہ نے نئے خلیفہ کی بیعت نہیں کی، ان کے پیچھے ناز پرھنا چھوڑ دی اور بطور احتجاج گھر بار چھوڑ کر شام کے شہر خوران چلے گئے۔

(د) جو عرب عثمان غنیؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور جنہوں نے اس کی حویلی کا محاصرہ



کر دیا تھا وہ سب سے بڑی تین چھاؤنیوں سے آئے تھے: بصرہ، کوفہ، فسطاط مصر۔ ان میں فسطاط کا جتھا سب سے بڑا تھا اور اسے علی حیدر کی اخلاقی تائید حاصل تھی۔ بصرے اور کوفے کے جتھوں کو مالدار صحابیوں اور امیہ واران خلافت زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبید اللہ کی۔ فسطاطی جتھے کے بعض عرب ایک اندری کی چھت سے عثمان غنی کی حویلی میں گھر آئے اور انھیں قتل کر دیا۔ آنے والوں میں ایک جوان محمد بن ابی بکر بھی تھا جس کی بیوہ ماں اور ابوبکر صدیق کی بیوی نے جب وہ دوسال کا تھا ابوبکر صدیق کی وفات پر علی حیدر سے شادی کر لی تھی۔ وہ علی حیدر ہی کو اپنا آبا بھٹا تھا اور انھیں خلیفہ بنانے کے لیے اس نے عثمان غنی کے مداف بہم جلا رکھی تھی اور ان کا خاتمہ کرنے کی غرض سے انصاری کی چھت سے اتر کر سب سے پہلے اسی نے عثمان غنی پر وار کیا تھا۔

(۵) علی حیدر نے یہ میوں کی نغدہ چونکہ زیادہ تھی اس لیے وہ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ دوسرے دو امیدوارین خلافت زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبید اللہ نے جن سے زبردستی بیعت لی گئی تھی مونی سے ہی بیعت توڑ دی اور مدینہ چھوڑ کر اپنے حامیوں کے ساتھ علی حیدر سے لڑنے بصرے چلے گئے۔ ان کے ساتھ ام المؤمنین عائشہ بھی ہو گئیں۔ ان کے علی حیدر سے تعلقات کشیدہ تھے اور وہ اپنے ہم قبیلہ، حجازیاد بھائی اور سہوئی طلحہ بن عبید اللہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھیں۔ بسے میں انتہیوں کے حامیوں کی علی حیدر سے جنگ ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان مع کثیر تعداد صحابہ کے مارے گئے۔

بہ چند مثالیں بلا سنجہ بڑے صحابہ کے خلاف اور جھگڑوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان کا ذریعہ سستہ میں نہ سہی لیکن ان سے قدیم ترکناہوں میں موجود ہے۔ ان کتابوں کے مصنفوں نے مکے مدینہ میں اخبار و آثار کے معتبر اور معاشرے کے مقبول و معزز لوگوں سے رسول اللہ اور صحابہ کے حالات اخذ کیے تھے۔ یہ مصنف خود بھی ثقہ تھے۔ ان میں سے مولانا مبارز فقیہ تھا، کوئی مفتی، کوئی تاجرانہ، کوئی عالم حدیث۔ چند نام: محمد بن سعد

صاحب طبقات کبیر، محمد بن اسحاق صاحب سیرۃ النبی و مناقب، بلاذری  
مصنف انساب الاشراف، یعقوبی مصنف تاریخ، زبیر بن بکّار مصنف انساب  
قریش و موفقیات، قاضی واقدی مصنف مغازی و طبقات، ابو جعفر طبری  
مصنف تاریخ الأمم و الملوک، ابن قتیبہ مصنف امامہ و سیر۔

## مرقومات امدادیہ

جامع مکتوبات و مترجم: مولانا وحید الدین رام پوری

مقدمہ طبع جدید: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

حاجی امداد اللہ ہندوستان کے ان بلند پایہ علماء میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی ناکام تحریک آزادی کے بعد، مغربی تعلیم و تہذیب کے زہریلے اثرات کو زائل کرنے کے لئے کامیاب جدوجہد شروع کی۔ یہ مجموعہ مکاتیب حاجی صاحب کے ۶ خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے شاگردوں اور معاصر علماء و فضلا کے نام لکھے تھے۔ ابتداء میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا ایک نہایت مفید مقدمہ بھی شامل ہے جس میں حاجی صاحب کے حالات زندگی اوسان کی علمی و دینی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

کتابت و طبعیت عمدہ، سائز  $24 \times 24$ ، صفحات ۱۷۸

مجلد پارچہ مع گردپوش قیمت ۱۸/-

بلاجلد ۱۲/-

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

# جدید عربی ادب میں افسانہ نگاری کی نشوونما

(۳)

ڈاکٹر عبدالحق اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربیہ جو ابراہان نمبر ۲، نیپور سٹریٹ، نئی دہلی

”عودۃ الروح“ توفیق الحکیم کا وہ ناول ہے جو نصف زبانوں میں ترجمہ کی شکل میں  
میں منتقل ہو گیا ہے اور فراح عقیات نے چکا ہے۔ ”عودۃ الروح“ میں توفیق الحکیم نے  
مصر کے سماجی، فکری اور سیاسی مسائل کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء  
میں جمال عبدالناصر کے انقلاب سے قبل مصر کے حالات سے واقفیت کے لئے یہ ناول  
کافی ہو سکتا ہے اور اس کے قاری کو یہ محسوس ہو گا کہ ان مصر کے انقلاب کے لئے اس  
ناول نے مشعل راہ کا کام کیا ہے۔ توفیق الحکیم کی کہانیاں گورچہ ڈرامے سے زیادہ  
مشابہ ہیں اور جن کی وجہ سے وہ ڈرامہ نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں لیکن  
تاہم ان کی کہانیاں ناول کے میدان میں شامل ہیں۔ خاص کر ان کی کہانی ”عودۃ الروح“  
اور ”نائب فی الاریاف“۔

اخیر مرحلہ میں جو ادب ناول نگاری میں زیادہ مشہور ہوئے اور زیادہ تعداد  
میں ناولیں لکھیں وہ نجیب محفوظ، یوسف السباعی اور احسان عبدالقدوس ہیں۔

دیکھو مصری ادب کے شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء میں میرا مضمون ”مصر میں عربی ڈرامہ کی نشوونما“۔



نجیب محفوظ نے متعدد ناولیں لکھی ہیں۔ ان کی مشہور ناولوں میں ۱۔ خان الخلیلی  
 ۲۔ القاسمۃ القدیمہ ۳۔ زقاق المدق ۴۔ البدایہ والنہایہ ۵۔ بین القصرین  
 ۶۔ قصر الشوق اور السکریہ شہرۃ آفاق کو پہونچ گئی ہیں۔ نجیب محفوظ کو عرب دنیا  
 میں سماجی مضامین پر مشتمل ناولوں کا بانی مانا گیا ہے۔ نجیب محفوظ، یوسف السباعی  
 اور احسان عبدالقدوس کی اکثر و بیشتر ناولیں کامیاب فلموں میں منتقل ہو چکی ہیں۔  
 یہ تینوں ناول نگار عربی زبان میں افسانہ نگاری کے میدان میں عرب دنیا پر اس  
 طرح چھا چکے ہیں کہ دوسرے ناول نگار جو عرب ملکوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں  
 ان کے سامنے اس طرح نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و مہتاب کے سامنے دیپ او  
 چراغ۔ محمد المولیمی اور محمد حسین مہیکل سماجی طویل کہانیوں کے مؤسس اول تھے  
 تو محمد نجیب ان کہانیوں کا خالق ہے اور یوسف السباعی اور احسان عبدالقدوس  
 کے ساتھ ان کو پروان چڑھانے والے اور اوج کمال تک پہونچانے والے ہیں۔  
 نجیب محفوظ کے بارے میں ڈاکٹر لوقا نظمی کہتا ہے :

”اپنے تین ناولوں (بین القصرین، قصر الشوق، السکریہ) میں عرب دنیا میں عموماً اور  
 مصر میں خصوصاً قدیم اور جدید زندگی کے درمیان کشمکش سے نئے مسائل اور مسائل  
 اور اس کے نتائج کی تصویر کشی میں مبدع صادق ہیں۔ وہ سماج سے زندگی کے فانی  
 نمونوں میں نئی روح پھونک کر جاوید بنانے میں ماہر کامل ہیں۔“

۱۔ دیکھو انیس اتقدسی کی کتاب ”الفنون الادبیۃ و اعلا مہانی النہضۃ العربیۃ

لحدیثہ“ ص ۵۲ اور اس کے بعد۔

۲۔ دیکھو مستشرق جاکو جومید کی کتاب ”ثلاثیۃ نجیب محفوظی“ ص ۲۵، ۱۲۱ اور

۱۲۲ (ترجمہ نظمی لوقا)

مختصر کہانیوں کے بارے میں | عربی میں اب تک ہزاروں اور لکھوں مترجمہ اور پھر تخلیقی مختصر کہانیاں مددہ علاحدہ چھپنے کے بعد مجموعات کی شکلوں میں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ تخلیقی مختصر کہانیوں کے میدان میں "منفلوطی" رائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی مختصر کہانیاں "العبرات" اور "النظرات" نامی دو ضخیم مجموعوں میں مدون ہیں اور لوگ اب بھی پورے شوق اور شغف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ المنفلوطی کے بعد جنھوں نے مختصر کہانی کو عربی میں پروان چڑھایا ہے وہ محمد تیمور اور محمود تیمور ہیں۔

محمد تیمور کی مختصر کہانیاں ان کے مجموعہ "ماتراہ العیون" میں مدون ہو چکی ہیں۔ یہ کہانیاں مغربی کہانی کے قواعد اور عناصر پر قائم ہیں۔ محمد تیمور کو مغربی کہانیوں سے بے حد لگن تھی اور مشہور فرانسیسی افسانہ نگار "موباسان" سے کافی متاثر تھا۔ ان کی کہانیوں کا المنفلوطی کی کہانیوں میں اثر بھی کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ "موباسان" اور دوسرے نامور مغربی کہانی نگاروں کے اثرات محمد تیمور کی کہانیوں میں زندگی کے وقائع و حوادث، روزمرہ کی مشکلات اور سیدھے سادے لوگوں میں شکل میں کافی نمایاں ہیں۔ ان کی پہلی کہانی "فی القصار" (ریل گاڑی) جو ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی تھی ان حقائق پر دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم محمد تیمور کی اس کہانی سے چند مکالمے پیش کرتے ہیں جن سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوگی۔

..... "ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا کہ ایک ترکی تسل کا آدمی ایک روز نامہ تھوڑی دیر پڑھ کر بند کر دیتا ہے اور فرش پر پھینک دیتا ہے اور غصہ اور تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

— تعلیم عام کرنا چاہتے ہیں۔ تا خواندگی مٹانا چاہتے ہیں تاکہ کسان اشرف کے برابر ہو جائیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ اس طرح عظیم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

۔ میں نے روزنامہ فرش پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

۔ کونسا گناہ ؟

۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ تم کسان کی تربیت سے متعلق ابھی ناواقف ؟

۔ کیسی تربیت اور کیسی ناواقفیت ؟ کیا تعلیم سے بھی زیادہ کوئی تربیت

ہو سکتی ہے۔

ترکی غصے میں کہتا ہے۔

۔ اس کا صرف ایک علاج ہے۔

۔ وہ کیا ہے ؟

وہ چیختے ہوئے کہتا ہے۔

۔ کوڑا۔ کوڑا ہی ایسا علاج ہے جس پر گورنمنٹ کا کوئی خرچ نہیں ہوگا۔ لیکن

تعلیم پر کروڑوں کا خرچہ آئے گا۔ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوڑا کے بغیر کسان سمجھنے کا نہیں

کیونکہ وہ ہمد سے لحد تک کوڑا ہی کا عادی ہے۔

اس کہانی میں محمد تمیور نے ترکی نسل سرپنچ، مدرس، طالب علم اور ماڈرن آدمی جیسی

شخصیات کو رکھا ہے۔ اور وقت حاضر کے اہم مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ کسان کی

زندگی میں سدھار تعلیم کو عام کر کے ہی لایا جاتا ہے۔ عام تعلیم پر کہانی اس بات

کی دلیل ہے کہ افسانہ نگار عام لوگوں میں کافی دلچسپی رکھتا ہے۔

اس کہانی میں افسانہ نگار نے شروع ہی سے افسانہ نگاری کے فنی اصول و قواعد کا

محافظ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ شروع ہی سے سماجی ظلم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور

اس سماجی ظلم پر گفتگو میں سماج کے مختلف رجحانات کے کردار کو شامل کیا ہے۔ ترکی

نسل آدمی زمیندار ہے۔ سرپنچ جو حکام کے طفیلیوں کی جہالت، غفلت اور زیادتی کا

نمائندہ ہے۔ شیخ ہے جو مذہبی تنگ نظری اور کاہلی کا نمایندہ ہے۔ ماڈرن آدمی



ہے جو عام لوگوں کی زندگی سے لاپرواہی کا نمائندہ ہے۔ اور طالب علم ہے جو نئی نسل کی شجاعت اور فعالیت کا نرینہ ہے اور جس سے مصر کی امیدیں وابستہ ہیں۔

محمد تیمور کی مختصر کہانیاں اس قسم کی سماجی مشکلات پر مشتمل ہیں، چنانچہ اس کی کہانی (منزل، رقم ۳۲) ایک شرابی اور بد اخلاق آدمی کی کہانی ہے۔ جو خود تو اپنی من مانی تو کرتا ہے لیکن اپنی بیوی کے لئے یہ بھی روا نہیں کہ وہ گھر کی چہار دیواری سے باہر قدم رکھے۔ اور بیوی کو تنہا رہنے دے۔ یہ کہ اس کی عزت محفوظ ہو گئی۔ لیکن اس کا ایک غلط دوست اپنے کارنامے سے سلسلہ میں جب کسی عورت کے ساتھ اپنے ناجائز تعلقات کا ذکر کرتا ہے۔ شرابی کو پہنچتا ہے کہ وہ عورت اس کی ہی بیوی ہے۔ محمد تیمور کی کہانی "سفارة الیہ" (بالسہری) عید کے دن یتیم کی محرمی اور اس کے احساس کی تصویر کشی ہے۔

محمد تیمور جو محمد تیمور کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اپنی ۸۰ سالہ زندگی مختصر کہانیاں، ناولیں، ڈرامے اور عالمی شہرت کے ادب کی زندگی پر کتابیں لکھنے اور ان کو اپنے ہی اخراجات سے چھاپنے میں گذاردی ہے۔ محمد تیمور عربی مختصر کہانی کے امام کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یوسف نجم نے اپنی کتاب "القصة القصيرة في الادب العربي" میں محمد تیمور کو "ابو القصة القصيرة" یعنی مختصر کہانی کا باپو مانا ہے۔ ان کی مختصر کہانیاں کئی مجموعوں میں مدون ہو چکی ہیں۔ ۱۔ الشیخ جمعہ ۲۔ فرعون الصغیر ۳۔ عم متولی ۴۔ عبیط۔ ان کی کہانیوں کے مضامین سماجی اور اخلاقی امراض اور ان کی اصلاحیں ہیں۔

مختصر کہانی کے میدان میں ڈاکٹر طہ حسین جنہیں عربی ادب کے ستون سے ملقب کیا گیا ہے اور اپنی کئی کتابوں "الادب البجائی" "ذکری ابی العلاء المعری" اور "مستقبل الثقافة في مصر" کے ذریعہ عرب دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا اور تقلیدی عربی اور اسلامی تفکر کی جڑوں کو ہلایا تھا۔ اپنی نابینائی کے باوجود مصر میں فقر و فاقہ، بؤس و شقا اور غربت و محرومی کی تصویر کشی اپنی کہانیوں میں اس طرح کی ہے کہ اہل بینائی عیش و عشرت کرتے رہے ہیں۔ ان

کی مختصر کہانیوں کا مجموعہ ”المعذبون فی الاسماض“ (روئے زمین پر عذاب جھیلنے والے) فن افسانہ نگاری کا (مضمون اور طرز نگارش دونوں اعتبار سے) ایک شاہکار ہے۔ طہ حسین اور محمود تیمور کی مختصر کہانیوں میں جو شے مشترک وہ ہے ان میں قومی رجحان پر انسانی رجحان کا غلبہ۔ اور جو امر مختلف ہے وہ ہے زبان۔ چنانچہ طہ حسین افسانہ نگاری اور دوسرے ادبی مضامین میں سلیس زبان استعمال تو کرتے ہیں لیکن ان کا طرز نگارش اتنا بلیغ اور اتنا بلند ہے کہ عوامی اسٹینڈرڈ سے بالاتر ہے۔ جبکہ محمود تیمور کی زبان ہلکی اور آسان اور عوامی اسٹینڈرڈ کے مطابق ہے۔ لیکن خواص کے ذوق اور اسٹینڈرڈ سے الگ تھلگ بھی نہیں۔

**خاتمہ** مجموعی طور سے اگر ہم جدید عربی ادب میں کہانی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ مصر مختصر کہانی اور ناول کے میدان میں اونچا مقام رکھتا ہوا نظر آتا ہے۔ مصر نے افسانہ نگاروں اور ممتاز ناول نگاروں کو جنم دیا ہے۔ مصر میں افسانہ نگاری کے جدید اصول پر مبنی مختصر کہانیوں اور ناولوں کا انبار ہے۔ بر مصر کی دیہی اور شہری زندگی کی پرانی اور نئی مشکلات کی عکاسی سیرت انگیز انداز سے کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر محمود تیمور، طہ حسین، محمود طاہر لاشین، سعید العریان اور عبد الحمید السحر کی مختصر کہانیاں اور توفیق الحکیم، نجیب محفوظ، یوسف السباعی اور احسان عبدالقدوس کی ناولیں سماجی، نفسیاتی اور سیاسی مسائل پر مشتمل عرب دنیا ہی میں مقبول اور مشہور نہیں ہیں بلکہ عربوں کے حدود سے نکل کر مغرب کی مختلف زبانوں میں ترجمہ اور اقتباس کی شکل میں ظاہر ہو کر خراج عقیدت حاصل کر چکی ہیں۔ مصر اور لبنان کے علاوہ جن عرب ملکوں میں ناول نگاری کے میدان میں کوشش کی گئی ہے وہ سیریا، فلسطین، عراق، جزائر اور تونس ہیں۔ لیکن ان کو ابھی اونچے مقام تک پہنچنے کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے عرب ملکوں کا ناول نگاری کے میدان میں پیچھے رہنے کا اہم سبب یہ ہے کہ ان ملکوں میں ناول نگار کو وہ سیاسی اور سماجی آزادی نہیں ہے جو سوسائٹی کے کھرے اور کھوبے کو آزادی کے ساتھ پیش کرنے میں معاون ہوں۔

# وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدوہاب بدرستی ہنٹر لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی نکیتن (مغربی بنگال)

(۳)

خلاصۃ النسخ نظامی [تفہیم کنندہ نامعلوم الاسم، صفحات ۲۴، کاتب عبدالصمد بقی  
بردوانی (مغربی بنگال)، تاریخ کتابت ۱۸ مارچ ۱۸۵۵ء  
مقام کتابت پرگنہ سلیم پور علاقہ پولیس تھانہ ملین پہاڑی ودیوالی چوکی گوپال پور ضلع  
بیر بھوم (مغربی بنگال)۔ کتابت نیم خط شکستہ اور اوراق حرس جراثیم سے محفوظ ہیں۔  
نسخہ مذکور ۳۵ معنون ابواب پر مشتمل ہے لیکن حیرت ہے کہ دیباچہ کی آخری  
سطر میں ۳۸ ابواب کی اطلاع ذکر کی گئی ہے۔ باب ششم اور سی ویکم کا کوئی عنوان نہیں۔  
باب بست<sup>۲۲</sup> و دوم اور بست<sup>۲۳</sup> و سوم کا عنوان مکرر ہے۔ اس کے بعد ابواب بست<sup>۲۴</sup> و مفتہ  
اور سی و دوم تا سی و پنجم پر سند سے غلط لگے ہوئے ہیں۔ خدا بخش لائبریری اور ایشیاٹک  
سوسائٹی لائبریری کلکتہ کے نسخوں میں ۳۷ ابواب ہیں۔ ڈیلو (W. Ivanow) نے لکھا ہے کہ حقیقت میں اس نسخہ خلاصہ کی ترتیب انتالیس<sup>۳۹</sup> ابواب کے ساتھ مرتب



ہوئی تھی۔“

یہ منتخب و ملخص نسخہ مواعظ و نصائح والے اشعار سے ترتیب دیا گیا ہے جس کی تشریح و بیجاچہ میں واضح ہے :

”بجہت مطالعہ خوش طبعان و ہنرمندان مشنوی چند از گفتار

ملک الحکما رشید نظامی گنجہ قدس روحہ کہ مشحون از مواعظ

و مملو از نصائح است۔“

نیز تلخیص کنندہ نے ہریاب کے تحت خمسہ کی جن جن مشنویوں سے اشعار کا انتخاب کیا ہے ان کی وضاحت بھی کردی ہے۔ یہ نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد خدابخش لائبریری پٹنہ اور ایشیائیک سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں بھی موجود ہے۔ افسوس ہے مذکورہ لائبریریوں کے علاوہ مسٹر چارلس ریو اور ہرنس ایٹھے وغیرہ کو بھی اس مرتب کہیں سے نہیں مل سکا۔

اب ملا سعد عظیم آبادی کی چار شرحیں مسلسل ذکر کی جاتی ہیں۔ پھر آخر میں ملا مصوف کے دیگر علمی کارناموں کی مختصر فہرست پیش کی جائے گی۔

از ملا محمد سعد عظیم آبادی، صفحات ۱۲، کاتب سلیم اللہ  
(۱) شرح یوسف زلیخا جامی | باشندہ ضلع بردوان (مغربی بنگال)، سال کتابت کا

ذکر نہیں ہے۔ یہ نسخہ صرف ابتدائی داستانوں کی شرح ہے جس کے متعلق شارح اختتامیہ میں لکھتے ہیں :

”غیریک جز میتر نہ شد، ایں را غنیمت دانستہ نوشتہم“

شارح مصوف نے اپنے احباب کی فرمائش پر اس شرح کی ضرورت محسوس کی۔

جس کی ترتیب کے دوران کتب لغت اور اساتذہ شعرا کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے  
سرا انجام دی۔ دیباچہ میں رقمطراز ہیں :

”بعضی دوستان فراوان التماس شرح بعض الفاظ و ابیات  
آن کتاب و نصاب کردند۔ بتایران چند کلمہ در بعض تفسیر  
کلمات محتاج بہ بیان اور از روی کتب لغت در حیز تحریر  
آوردیم، برخی ابیات را نیز چنانکہ از استادان شنیدہ بودیم  
منقح کردیم۔“

(۲) باغستان شرح بوستان از ملا محمد سعد عظیم آبادی۔ صفحات ۱۲۸، کاتب (مذکور)

بالا شرح یوسف زلیخا، کتابت نیم خط شکستہ لیکن  
صاف ہے، سن کتابت مذکور نہیں، اوراق دندانِ بزم سے محفوظ ہیں۔ یہ شرح از ابتدائے  
باب ہفتم کی تیسویں حکایت تک ہے۔ جن میں دو صفحات مقدمہ شارح ہیں اور صرف  
دیباچہ بوستان کی شرح سترہ صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔ سال شرح کے متعلق دیباچہ  
میں نمایاں طور پر ظاہر ہے کہ شرح ”ابتدای ماہ رمضان ۱۰۹۶ھ“ میں مکمل ہوئی۔

ملا موصوف نے بہت ساری کتابوں کا غرق کشید کر کے اس شرط میں محفوظ  
کر دیا ہے جو بوستان سعدی کے الفاظ اور فقروں کو سمجھنے کے لئے لغت کی  
کتابوں کے مطالعے سے کسی حد تک بے نیاز کر دیتی ہے۔ کتب لغت میں سے  
فرہنگ ابراہیمی، مؤید الفضل، اور صراح وغیرہ، شعرا میں صائب، خاقانی،  
امیر خسرو، حافظ، انوری، رومی، نظامی، حکیم ثنائی اور رشید و طوای  
وغیرہ، نحو میں سے خلیل بن احمد، تفسیر میں سے  
بیضاوی شریف نیز احادیث اور کتب تواریخ شارح موصوف کے  
ماخذ تھے۔

(۳) شرح گلستان | از ملا محمد سعد عظیم آبادی، صفحات ۳۲۸، کاتب شیخ غلام محی الدین،  
تاریخ کتابت ۱۳ ماہ جیٹ ۱۱۸۳ھ بجلہ سال (۱۷۷۰ء)

کتابت خوشخط۔ مجموعی طور پر نسخہ مکمل اور اچھی حالت میں ہے، البتہ دیباچہ ناقص اور  
چند مقامات پر الفاظ کرم خوردہ ہیں۔ شارح موصوف نے صرف دیباچہ گلستان کے ۴۵  
صفحات تک اپنی تشریح خصوصیت کا کمال دکھایا ہے۔ دوران شرح ذیل کے ذرائع ملا سعد  
کے پیش نظر تھے:

لغات:

فرہنگ ابراہیمی، صراح، فرہنگ رشیدی، شرف نامہ، کنز اللغات، لسان الشعراء  
اور موند الفضلاء وغیرہ۔

اشعار شعراء:

انوری، نظامی، حافظ، خاقانی، رومی، جامی، فردوسی، امیر خسرو، ہفتی،  
فیضی وغیرہ۔

مختلف کتب:

تفسیر بیضاوی، تلویح، شافیہ، کافیہ، شرح وقایہ، تفسیر واعظ کاشفی، اخلاق نامہ  
منطق الطیر اور حبیب السیر وغیرہ۔

نسخہ ہذا میں شرح کے مخصوص نام اور اسم شارح کا ذکر نہیں ملتا کیونکہ  
مقدمہ شارح ناقص ہے اور آخر میں کاتب نے بھی وضاحت کی نہ حمت گوارا  
نہ کی۔ البتہ ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری (بنگلہ دیش) کی کٹلگ جلد اول صفحہ ۲ پر  
شارح کا نام ملا سعد عظیم آبادی اور شرح مسمیٰ شکرستان کا ثبوت  
ملتا ہے۔ ڈبلو۔ اوانو (W. Ivanow) نے شارح  
ملا سعد تو ضرور لکھا ہے لیکن شرح کا نام صرف



”شرح گجستان“، مسٹر چارلس ریو (CHARLES RIEU) نے شرح کا نام ”شکرستان“ لکھا ہے لیکن اسم شارح کی وضاحت نہ کر سکے۔ اور نیشنل لائبریری (بوہار کلیکشن) کلکتہ جلد اول کے صفحہ ۲۳ پر بھی ”شکرستان“ کا نام درج ہے اور شارح کا نام محمد سعید بتایا ہے۔ محترم ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب نے بھی شرح مذکور کا نام ”شکرستان“ اور سال شرح ۱۰۹۵ھ لکھا ہے۔ نیز شارح موصوف کے نام سے متعلق اپنی تحقیق بتائی ہے کہ موصوف کا نام محمد سعید تھا اور سعد تخلص۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام درج کیا اور بعضوں نے صرف تخلص پاکتفا کیلئے لکھا ہے لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ موجودہ شرح ملا سعد عظیم آبادی ہی کی ہے جس کا اندازہ موصوف کی باغستان شرح بوستان اور شرح یوسف زلیخا کی عبارتوں اور طرز تحریر سے کیا جاسکتا ہے۔ فارسی کی معمولی استعداد بھی جسے ہوگی وہ اس گتھی کو بآسانی سلجھالے گا۔ سال شرح کے تعیین میں دو طرح کی اطلاعات ملتی ہیں: مسٹر ریو اور کٹلنگ ڈھاکہ یونیورسٹی کے رتبہ ۱۰۹۵ھ لکھتے ہیں لیکن مسٹر اوانو ۱۰۹۴ھ کی اطلاع دیتے ہیں۔

(۴) بساطین اللغات | از ملا محمد سعد عظیم آبادی، صفحات ۲۳۴، اسم کاتب اور سال کتابت نامذکور، متن خوشخط اور سرخ روشنائی سے کتابت کیا گیا ہے لیکن شرح کے لئے سیاہ مستعمل ہے۔ ابتدا ناقص ہونے کے باوجود بہتر

۱۔ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ: ص ۲۳۵۔

۲۔ برٹش میوزیم لندن، جلد دوم: ص ۶۰۴۔

۳۔ ماہنامہ رسالہ ”ارو“ جنوری ۱۹۴۳ء: ص ۱۳۴، مضمون بعنوان ”خالق بادی

کے طرز کے تین بہاری مخطوطات۔“

حالت میں ہے۔

یہ نسخہ مکاتباتِ علامی (ابوالفضل) کی لغت پر مشتمل ہے جس کے تین دفتروں میں سے پہلے دفتر کے ابتدائی جو تین خطوط عبداللہ خان ازبک کے نام ہیں ان میں سے مکتوب دوم کی لغت سے نسخہ کی ابتدا ہے۔ لغت ہذا مرتب کرتے وقت ملا سعد نے مؤید الفضلہ، قانوس، نصاب الصبیان، شافیہ اور خاقانی، انوری، حافظ، کمال اسماعیل، اہلی شیرازی کے اشعار سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن تعجب ہے ملا موصوف نے بہت سارے مشکل الفاظ کی لغت بتانے سے گریز کیا۔ مثلاً تہویر، صمیمی، منثر، میانی، مرآت، ضیاء کشر، اشراقات، انطباع، محتجب، اورنگ، مسعدت، اہبت، فرورفتن، ہوارہ، اوضاع اور انام وغیرہ۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معانی و مفہوم کا علم عام فارسی سے لگاؤ رکھنے والے اشخاص کے بارے میں مجھے شبہ ہے۔ بخلاف اس کے، ایسے سہل اور عام فہم الفاظ کے معانی درج کیے ہیں جنہیں معمولی فارسی کی شدبہ رکھنے والے اشخاص کے علاوہ جبلاہ تک اپنی روزمرہ کی بول چال میں شہداء کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدد، رونق، بازار، ہاسا، اول، ذرہ، اوسل، شرارت اور سرکش جیسے الفاظ۔ لغت کی ترتیب کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ الفاظ مشککہ کا حل اس طرح شائقینِ علم کے سامنے آجائے جس سے لفظی گتھیاں سلجھ جائیں۔ اگر یہ مقصد پورا ہوتا ہوا نظر نہ آئے تو ایسی لغات معیوب اور نامکمل خیال کی جاتی ہیں۔

پیش نظر نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری (سجماں انسٹیکیشن) علی گڑھ ایسٹابلیشمنٹ سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں بھی ہے۔ ملا محمد سعد عظیم آباد (پٹنہ، بہار) کے رہنے والے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں دہلی کے گورنر عامل خاں رازی (متوفی ۱۱۰۸ھ) کی مجلس کے سرف سے مشرف تھے۔ آپ نے شاعری بھی کی ہے جس کے لئے دو مثنویوں (سعد و غالب) پر قبضہ جمارکھا تھا۔ چنانچہ ان دونوں سے الگ الگ

دو دہوں کی ترتیب بھی دے رکھی تھی۔ مولف کو فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا جس کے ثبوت میں ان کے متعدد علمی کارنامے ہیں۔ کنگ خدا بخش لاہوری پٹنہ جہد نہم صفحہ ۱۰۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پچپن<sup>۵۵</sup> علمی کارنامے کتابی صورت میں بطور یادگار ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے :

### (الف) تصانیف :

۱۔ دیوان

۲۔ دیوان (سال مرتب ۱۱۰۰ھ)

۳۔ نصاب طغداں (سال ۱۱۰۱ھ)

۴۔ میزان الاشعار سال ترتیب ۱۱۰۳ھ

### (ب) شروح و ترمیمیں :

۱۔ شرح مقامات حریری

۲۔ شرح کافیہ

۳۔ عافیہ (شرح عافیہ ابن حجب، سال ترتیب ۱۱۰۴ھ)

۴۔ شرح تہذیب (منطق)

۵۔ قندیل (شرح مصباح لنامہ بن عبد السید المطرزی۔ بہ ایک عربی قواعد کی

کتاب ہے۔ سال ترتیب ۱۱۰۴ھ)

۶۔ شرح نصاب مشلت بدلی

۷۔ شرح نصاب بدیع

۸۔ شرح نصاب الصبیان

۹۔ میزان

۱۰۔ ذمہ مکاتبات علامی (سال ترتیب ۱۱۰۸ھ)



۱۱۔ شرح بسکندر نامہ نظامی (در سال ۱۰۹۶ھ ۶۱۴۸۳-۸۵)

۱۲۔ شرف نامہ نظامی (در سال ۱۰۹۶ھ ۶۱۴۸۳-۸۵)

۱۳۔ شرح گلستان

۱۴۔ شرح بوستان

۱۵۔ فرہنگ غزلیات حافظ

۱۶۔ فرہنگ قصائد بدر چاچ

۱۷۔ شرح یوسف زلیخا جامی

۱۸۔ حدیقۃ اللغۃ (فرہنگ اخلاق ناصری)

۱۹۔ فرہنگ انتخاب مثنوی رومی

۲۰۔ خطبات رومی کا فارسی ترجمہ (بسال ۱۱۰۵ھ ۶۱۴۹۳-۹۴)

۲۱۔ انتخاب بے بدل (شرح جامی کی شرح بسال ۱۱۰۲ھ ۶۱۴۹۰-۹۱) ویر ۵۔

یہ مختصر فہرست کنگ اندیا آفس (انیری لندن) کنگ خدا بخترا انیری سینت اور  
فارسی ادب بعد اورنگ زیب مصطفیٰ ڈاکٹر نور الحسن انصاری (دہلی یونیورسٹی) کی  
بنیاد پر پیش کی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ ملا سعد کا سال وفات اب تک اپنی زیر مطالعہ  
کتب میں مجھے نہیں مل سکا۔

مصنف محمد بن لادین عبدالوہاب دہلوی، صفحات ۵۵۸، ابتدا

مؤید الفضلار ناقص، اسم کتاب مذکور نہیں، سال کتابت ۱۱۱۱ھ، کتابت

نسبتی۔ اوراق پر جا بجا دندانِ کرم کے نشانات پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے

الفاظ کہیں کہیں ضائع ہو گئے ہیں۔ لیکن بعد میں اوراق پر ٹریننگ کاغذ لگاوا کر جلد بندی

کرا دینے سے نسخہ محفوظ ہو گیا ہے۔

یہ نسخہ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی لغت پر مشتمل باب الالف سے باب الیاء



قذیۃ الطاہرین، فرہنگ علمی اور فخر قواس۔ نیز شاہنامہ، خمسۃ نظامی، دیوانہای ہنائی، کاشانی، انوری، ظہیر، اسہی، حافظ، سلمان اور سعدی کے الفاظ و محاورات کی تشریحات شامل کی ہیں۔

مصنف موصوف نے اپنی یہ لغت سلطان ابراہیم لودھی کے زمانے میں ۹۲۵ھ / ۱۵۱۹ء میں پایہ تکمیل کو پہنچائی۔ حیرت ہے کہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کی ایسی ماہر شخصیت کی زندگی کے بارے میں مورخین اور تذکرہ نگاروں نے کیوں بے اعتنائی اختیار کی؟

سلطان ابراہیم لودھی عظیم و کامیاب سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت (۹۲۳-۹۲۷ھ / ۱۵۱۷-۱۵۲۱ء) کا زندگلاں تھا جو صورت و سیرت اور سخاوت و شجاعت کے لحاظ سے اپنے عہد کا ایک حاذب نظر بادشاہ گذرا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد سکندری امرار اور علامدین سلطنت نے اسے ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں تخت نشین کیا۔ تقریباً نو سال تک حکومت کرنے کے بعد پالی پور کے تاریخی اور مشہور میدان کارزار میں مغل شاہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر کے لشکر کے ساتھ معرکہ آرائی کرتا ہوا ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں بحالت کس پرسی حربہ موت کا شکار ہو گیا۔ حالانکہ سلطان ابراہیم پچاس ہزار کالشکر جرار اور دو ہزار ہاتھی کوہ شمال لے کر شاہنشاہ بابر کے صرف چوبیس ہزار سپاہیوں سے مقابل ہوا تھا لیکن ابراہیمی فوج کی اکثریت نے غداری کی۔ صرف پانچ ہزار جاں بازوں نے عین جنگ کے موقع پر وفاداری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اسی غداری کے پیش نظر سلطان ابراہیم کے ایک خصوصی شخص محمود خاں نے عرض کیا کہ ”بتقاضای وقت مناسب ہے کہ سر دست جنگ سے باز رہ کر چنداں تیاری کر لیں، پھر مغلوں سے نبرد آزما ہوں۔“ اس گزارش پر ابراہیم نے جو جواب دیا وہ رہتی دنیا تک دیگر شاہنشاہوں، سپہ سالاروں، وزیر اعظموں اور عام لوگوں کے لئے بھی باعث عبرت و تقلید ہے۔ سلطان نے محمود خاں کو



کہا کہ ”ہمارے مصاحبین اور رفقاء تو جام شہادت نوش کرتے ہوئے بحالت بکیسی میدان کارزار میں جا بجا خون میں لت پت پڑے ہوئے ہوں اور میں بے فکر اپنے لوازمات عیش و عشرت میں مست رہوں۔ جب میرے وفاداران اور خیر خواہان ہی نہ بچے تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گا؟ جب تک حالات سازگار تھے پیش سلطان کے مزے لے لے۔ اب فلک نے میرے ساتھ بچ رومی کی روش اختیار کی تو بہتر یہی ہے کہ میں بھی اپنے جانباڑوں کے ساتھ مجلس شہادت میں شریک ہو کر سرخروئی حاصل کر لوں۔ مورخ احمد یادگار (متوفی ۱۱۵۱ھ) کے فلم سے کچھ تفصیل ملاحظہ کیجئے :

”میان پردہ ... سہ ہدف متوں نصیبانی پت جنگی غمیر شدہ  
 کہ دیدہ روزگار مدید و بود۔ کثرت سبب سلفان ابراہیم  
 بقتل رسید و جمعی کہ اس سلطان آرزوہ دل بودند بے جنگ  
 ردی گردان شدند۔ سلفان مامور ... سادہ  
 بود۔ محمود خان و اس رسا بہ کہ کار بغاوت تک نہ مت  
 بہ است کہ بذات خود از جنگ گاہ محترمت و مدد سید  
 اگر سلامتی بادشاہ خواہد بود ستیاہ بار بسیار بہم خواہد  
 رسید و باز یا مغل حرب می توانیم کرد، تقاضای وقت  
 دیدہ کار و از پیش بریم، و اگر آنچه بر برای اعلیٰ برسد  
 صواب خواہد بود۔ سلطان فرمود کہ محمود خان ابادشاہان  
 را از معرکہ بدرشدن عار است، بگر اینک ارایان و  
 مصاحبان ما و خیر خواہان و دوستان ما شربت شہادت  
 جنیدہ اند و ما بجا افتادہ اند، اکنون کہ رویم ،

پای اسپ خود تا سیتہ غرق خون می بینم، تازمانیکہ عہد من  
 بود پادشاہی کردیم و کام دل را ندیم، اکنون فلک غدار  
 بکام مغل شد از زندگانی مرا چہ حظ بہ بہتر نیست کہ ما ہم  
 میان یاران بخاک و خون یکجا باشیم۔ این سخن فرمود  
 و پنج ہزار سوار جرار کہ از خاصان مامدہ بود در معرکہ درآمد  
 بغایت قتل مغلان نمود، بعد ازان در آخر روز بشہادت  
 رسید۔“

سلطان ابراہیم کی شہادت کے بعد شہنشاہ بابر نے اس کے ساتھ کیا نیک سلوک کیا؟  
 اس کے متعلق احمد یادگار مزید لکھتے ہیں:

”چون از شہید شدن او خبر پادشاہ بابر رسید، دلاورخان  
 را فرستاد تا تحقیق نماید۔ او در معرکہ قتال درآمد، سلطان  
 ابراہیم را در خاک و خون افتادہ دید، تاج از سر جدا شدہ  
 و آفتاب گیر جدا افتادہ۔ دلاورخان از مشاہدہ آن حال  
 گریست و رفتہ بعرض رسانید۔ پادشاہ بنفس نفیس  
 خود آنجا آمد، آن سلطان چار بالش را در خال و خون  
 دید، دران حال عبرت بخش بر محمد لرزید، سر او  
 از خاک برگرفت و گفت آفرین باد بر جوایز مردی نو! در مورد  
 کہ پارچہ ہای زربفت بسیار ندید و از قند علو اطمینان کند۔  
 دلاورخان و امیر خلیفہ و جہانگیر قلی را فرمود تا آن سلطان

و حوم الغسل داود در انحرار و نبی شہادت یافتہ بود و دفن گشتہ

شہادت خود میں بھیج کریم مدین دتہ تہا ہفتی (صفحہ ۱۷۲)

**شہر نصاب الشہبیاں** | دیان اور آفرینا فوس کاب و ساس کتابت نامذکور،

کتابت میں مستعمل ہے۔ کتابت میں ہی نامہاں ہیں، نسخہ مجدد ہے لیکن جلد بندی کے دوران  
جلد ساز سے الگ اوراق کی الٹ پلٹ کر سولی کر دی ہے۔

پیش تہ نسخہ میں نہ صرف ۳۰ قسط، بلکہ ۱۰۰ قسطوں کے ہیں جس سے متن کا تعارف

ماہ فوری مستعمل کے لئے بہت مناسب ہے۔ یہ نسخہ ۱۰۰ قسطوں کے ساتھ ہی  
مستخرج کچھ مختلف ہے۔ یہ نسخہ ۱۰۰ قسطوں کے ساتھ ہی مستخرج  
کی ہے جس کی یہ تصانیف بہت زیادہ ہیں۔

کتاب نصاب الشہبیاں کہیں است، و نوارح فوائد

اعناق فوائد نسخہ خوب تر و مرغوب تر و عمدہ جناب

مخدومی و استادی و دالہ کی و من علیہ اعنادی

بہی بہت مستعمل ہے۔

آن الحاق کردہ۔ پیرس پیر حلقہ،

لوستہ بودند و سہ رجسٹر

تہ فی ہندوستانی قلعہ

پیرس کی کوہاں نہ و عمدہ،

استقامت باشد۔

تاریخ و شہرہاں سے تاریخ میں لکھ موہلی ہے جس کی ایک کاپی



مدرسہ عالیہ کلکتہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ قلمی شکل میں کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد اور کتب خانہ ٹونک (راجستھان) میں بھی پائی جاتی ہے۔ مسٹر سرمن ایچ (H. E. H.) کی تحریر کے مطابق انڈیا آفس لائبریری میں جو نسخہ ہے اس کے آخر میں سالِ شرح ۱۱۹۳ ھ درج ہے۔  
تخلص سے شارح موصوف کے شاعر ہونے کا گمان ہوتا ہے اور یہ حضرت شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دور میں تھے۔ اس سے زیادہ موصوف کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔

(باقی آئندہ)

۱۔ کتب خانہ مذکور میں یہ شرح خود شارح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔  
۲۔ کٹنگ انڈیا آفس لائبریری لندن، جلد اول : ص ۱۲۹۶۔

## قرنِ اول کا ایک مدبر

ایک حوصلہ مند عرب مدبر کی زندگی کا تحقیقی جائزہ جس نے اہل بیت کی حمایت اور ان کی شہادت کے انتقام کی مہم چلا کر موالی اور غلاموں کو عربوں کے سیاسی و معاشی استبداد سے نکالنے کی تحریک اٹھا کر اور مذہبی بہروپ بھڑک پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی کے ربع ثالث) میں حکومت قائم کی تھی۔

صفحات ۱۲۴، سائز ۲۲x۱۸

قیمت مجلد -/6 روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بانزار، جامع مسجد دہلی

## بَابُ التَّقْرِیظِ وَالِاحْتِقَادِ

# رسالہ صاحبیہ

## (شہزادی جہاں راہگیم کی ایک نا تصنیف)

از جناب ڈاکٹر آغا ثین صاحب گورنمنٹ کالج لاہور

قابل ستائش ہیں وہ لوگ جو اپنے آباء و اجداد کے گرانقدر ورثے کی کھوج نکال کر ان میں سے جواہر آبدار چنتے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے ادبی، علمی، فکری اور دینی ورثے کو اس طرح آشکار کرتے ہیں جن سے ہمارے آبا و اجداد کی ایک تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔

ان کا وشر کنندگان میں میرے محترم اور محقق دوست جناب محمد اسلم پروفیسر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور کا نام بھی شامل ہے جو ساہا سال سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ کے میدان میں تحقیق کر رہے ہیں۔

اگر ہم برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا گہر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نہ ف مسلمان ادباء، شعراء اور مفکرین نے گوہر ہائے آبدار بکھیرے ہیں

بلکہ مسلمان بادشاہ، شہزادے اور شہزادیوں نے بھی بڑی گراں مایہ اور نادر تصانیف مرتب کی ہیں، ان میں رسالہ صاحبیہ بھی شہزادی جہاں آرا بیگم کی ایک وہ نادر تصنیف ہے جس سے شاہجہاں کے دور کی دینی، فکری اور تہذیبی تاریخ مرتب کرنے میں مدد ملتی ہے۔

شہزادی جہاں آرا بیگم کی اس نادر تصنیف کو منظر عام پر لانے کے لئے میرے محترم دوست پروفیسر محمد اسلم کی کاوش یقیناً قابل تعریف ہے، کیونکہ یہ وہ ایک نادر تصنیف تھی جو برسوں سے تاریخ کی مٹی میں دب کر گم ہو چکی تھی، جس طرح تزک بابری اور تزک جہانگیری ہمیشہ سے منظر عام پر آتی رہیں اور سب لوگ ان تصانیف سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ایسی تصانیف جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں ان کی اشاعت کرنا واقعی ایک بہت بڑی علمی، ادبی اور قومی خدمت ہے۔

مارچ ۱۹۶۷ء کی بات ہے جبکہ میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ”تاریخ شرفاری در لاہور“ مرتب کر رہا تھا تو شاہجہانی دور کے مشہور صوفی اور فارسی شاعر ”ملا شاہ بدخشی ثم لاہوری“ پر تحقیق کے سلسلے میں میری نگاہ ”اورنٹل کالج میگزین“ مطبوعہ ۱۹۳۷ء پر پڑی جسے مولوی محمد شفیع مرحوم نے شائع کیا تھا۔ اس میں آپاؤ بھولانا تھ لاہوری احمد آباد کے ایک پروفیسر محمد ابراہیم ڈار صاحب کا ایک مضمون بعنوان ”رسالہ صاحبیہ“ بھی موجود تھا، جس میں ملا شاہ بدخشی کے حالات زندگی تفصیل سے درج تھے۔

پروفیسر ابراہیم ڈار صاحب نے رسالہ صاحبیہ کا تذکرہ تو کیا اور کچھ اردو ترجمہ بھی، مگر تحقیقی نقطہ نظر سے مجھے ”رسالہ صاحبیہ“ کو اصلی حالت میں دیکھنے کی سخت تشویش تھی، میں نے بہت سی لاہوریاں چھان ڈالیں لیکن اس کا کہیں سے



پتہ نہ چلا، کیونکہ مجھے اپنا مقالہ آئندہ سال یعنی ۱۹۶۸ء میں ہی پیش کرنا تھا اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ملا شاہ بدخشی کے حالات زندگی پر جو کچھ روشنی ڈال سکا ڈال دی، اور فارسی میں "احوال و اشعار ملا شاہ لاہوری" کے عنوان سے ایک مقالہ تیار کیا، مگر اس ضمن میں کافی عرصہ تک میں پریشان رہا، آخر ایک مرتبہ جب میری ملاقات میرے دوست جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس کا اصلی نسخہ انڈیا جا کر حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

۱۹۶۸ء میں اپنا مذکورہ مقالہ تو میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کو پیش کر چکا تھا لیکن کمال جا نیبے جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کا ذوق و شوق تحقیق کہ آپ نے ۱۹۶۹ء میں انڈیا جا کر ویا سبھا لاہوری سے اصل نسخہ حاصل کر ہی لیا اور اس تمام نسخے کو اپنے قلم سے نقل کر کے لے آئے، جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب سے میرا اکثر تقاضا ہی رہتا کہ آپ اسے جلد از جلد منظر عام پر لائے کیونکہ ہمارے پاکستانی محققین کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے تو وہ مجھ سے کہتے کہ میں اس کا اردو ترجمہ بھی کر رہا ہوں۔ جب ترجمہ مکمل ہو جائے گا تو مع اصل نسخہ اسے شائع کروں گا۔

لہذا آج میری گزشتہ دس سال کی آرزو برآئی اور آخر کار جب پروفیسر موصوف نے اسے نہایت محنت اور کاوش کے ساتھ، ندوۃ المصنفین، سمن آباد لاہور کے توسل سے شائع کر ہی دیا۔

مقصد تصنیف | جہاں آرا بیگم کے اپنے بیان کے مطابق انھوں نے یہ رسالہ بعنوان ”صاحبیہ“ ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۵۱ ہجری کو

مکمل کیا، اور مقصد تصنیف بیان کرتے ہوئے یہ بھی تحریر کرتی ہیں کہ  
 ”لیکن نظر اس بات پر رہے کہ یہ باسعادت حالات حضرت  
 قطب الاقطاب .... مولانا شاہ سلمہ اللہ والبقا کے ہیں اور  
 ان میں سے ہر حرف بیش قیمت موتی اور اس کا ہر فقرہ راہ ہدایت  
 کے سانکوں کے کانوں اور گردن کو زینت بخشنے والا موتیوں  
 کا ہار ہے، مجھے امید ہے کہ اس رسالے کا مطالعہ کرنے  
 والوں کو اس کے پڑھنے سے بڑا فیض ملے گا۔“

اسلوب بیان جہاں آرا بیگم | جہاں تک جہاں آرا بیگم کی تصنیف ”رسالہ صاحبیہ“ کے  
 اسلوب بیان کا تعلق ہے، اس کی فارسی نثر شاہجہانی  
 دور کے صوفی منش دانشوروں اور مفکرین کے اسلوب بیان کی عکاسی کرتی ہے اور  
 جہاں آرا بیگم کی فارسی نثر کے اسلوب بیان کے علاوہ ان کی فارسی نثر نگاری کی  
 مہارت، قابلیت اور تصوف کے افکار و رموز سے مکمل واقفیت کی غمازی کرتی ہے  
 نہ صرف بلکہ بعض جگہ داخلی کیفیات اور روحانیت سے بھرپور جذبہ عشق الہی کا  
 کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(باقی آئندہ)

۱۔ جہاں آرا بیگم۔ رسالہ صاحبیہ۔ ترجمہ پروفیسر محمد اسلم، استاد شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی  
 مطبوعہ ندوۃ المصنفین، سمن آباد، لاہور، ص ۱۰۶۔

# اسلام کا نظم و حکومت

جدید ایڈیشن نئے شاندار اور دیدہ زیب گٹ اپ کے ساتھ

مؤلف : مولانا حامد الانصاری غازی

اس کتاب میں اسلام کی ریاست عامہ کا مکمل دستور اساسی اور مستند فقہانہ حکومت پیش کیا گیا ہے۔ یہ عظیم الشان تالیف اسلام کا نظم و حکومت ہی پیش نہیں کرتی بلکہ نظریہ سیاست و سلطنت کو بھی منظر عام پر مآتی ہے۔ طرز تحریر زمانہ حال کے نقاضوں کے عین مطابق ہے۔

صدیوں سے یہ غلط نظریے اسلام کی عرف منسوب ہو گئے ہیں ان کی تردید کے لئے ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہمارے سربچر میں یہ پہلی کتاب ہے جو قانون قرآن و نبوت، دستور ہی بہ کے علاوہ اسلام کے علماء اجتماعیات کی بے شمار کتابوں اور عصر حاضر کے نوشتوں کے مطالعہ اور ساہا سال کی عرق ریزی کے بعد سامنے آئی ہے۔

صفحات ۴۶۳، بڑی تقبیع قیمت ۲۲ روپے

مجلد اعلیٰ کوالٹی - / ۳ روپے

ندوة المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی



## ندوة المصنفین (برہان آفس) میں ایک پروقار تقریب حضرت مفتی صاحب اور ادارے کی علمی خدمات کو پر زور خراج تحسین

دہلی۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء گذشتہ شب ممتاز و معروف اسلامی تحقیقی و علمی ادارے ندوة المصنفین (برہان آفس) میں ایک پروقار تقریب ہوئی۔ جس میں راجدھانی کی ممتاز شخصیتوں، مرکزی وزراء، علمائے کرام اور ملک و ملت کے مختلف رہنماؤں اور سفارتی نمائندوں نے شرکت فرمائی۔ اور اس ادارے کی ۴۵ سالہ علمی، دینی و تحقیقی خدمات کو پر زور خراج تحسین پیش کیا۔

اس موقع پر تقریب کے داعی مسٹر عمید الرحمن عثمانی جنرل منیجر ادارہ کی طرف سے ایک پر تکلف عشاءِیہ ترتیب دیا گیا تھا جس میں خاص طور پر جناب ضیاء الرحمن انصاری (مرکزی وزیر مملکت ٹرانسپورٹ) عالیجناب حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد فاؤنڈیشن) اور بیگم عابدہ احمد ایم پی بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ اس پروقار تقریب میں جو دیگر علمی، سماجی اور سیاسی شخصیتیں شریک ہوئیں، ان میں سے چند قابل ذکر حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

عالیجناب بدرالدین طیب جی سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ مولانا ثمین الدین صاحب ایم پی۔ سید شہاب الدین صاحب جنرل سکرٹری جنتا پارٹی، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، جناب حسن ثانی نظامی۔ کرنل بشیر حسین زیدی اور سفیر ایران کے نمائندہ خصوصی اور مسٹر ارشد قدوائی۔ حکیم اقبال احمد (سہم دو خانہ)

سہ و رزیکین سنگھو ناہا، مسٹر خلیل مدیقی، ڈاکٹر احسان شاہ خاں، ڈاکٹر کرورل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ انڈیا) مسٹر ابو علی دہلوی (ممبر مسٹر و پوسٹل کونسل) مولانا احمد علی قاسمی سکریٹری مسلم مجلس مشاورت، مسٹر نسوی (ڈائریکٹر ٹینس)، حکیم، جمل صاحب، جناب مخمور عثمانی (انچارج پیسٹی ہمدرد)، حاجی سعدون احمد صاحب (مالک اقبال اینڈ کمپنی) مسٹر انعام رحمان (اسٹریٹ سعودی عرب) جناب مفتی شوکت علی فہمی (ایڈیٹر دین دنیا) مولانا قاضی سجاد حسین، حکیمہ حفیظہ رحمان صاحب، جناب قاسم جادویت صاحب، مسٹر مرد علی ایڈوکیٹ، مسٹر عبد القدیر، مسٹر بیگ،

آخر میں منارہی فی مسنی سولت میں فہمی ایڈیٹر دین دنیا کے خدمت مفتی صاحب قبلہ و ادارہ مدوۃ المستفین اور منارہی برہان کی علمی، تحقیقی خدمات کو پر زور فراخ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دار کے ورہان کے ذریعہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ٹھوس دینی، علمی و تحقیقی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ نے ہر ایک حضرت مفتی صاحب کی خدمت کے خدمت میں رحمان نے جس ہمت و حوصلے سے اس مفید کام کو سنبھال رکھا ہے وہ قابل قدر اور قابل مسرت ہے۔ اس حالت کے خیال سے اس خدمت نے بھی قابل فخر مائے بان مدوۃ المستفین حضرت مفکر ملت مولانا مفتی رحمان عثمانی مدظلہ بنفس نفیس اس قریب میں تشریف لائے تھے اور احرار بہادر سے ملاقات فرما رہے تھے۔

نوٹ: یہ آمدن نہیں مار بھول ہیں آنا چاہیے نہا کہن محترمہ حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی انارہم مدوۃ المستفین دہلی، اس کے بعد ثوابیہ غرضہ آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دیکر رہے۔ ان حالات کے دوران میں اس کو برقت نہایت بہ کر رکھا جس کے لئے معذرت خود ہوں۔

خادم  
عمید رحمان عثمانی





## MONTHLY BURHAN

4136 Urdu Bazar, Jama Masjid Delh -110006.

eqd. No D (DN) 231

PHONE : 262815

February 1984

N 905-57

**Subs. 40 - Per Copy Rs. 3-50**

# سنگارا 2001ء فی صدّ ثانی

اور دوسرا نصف

100 فی صد

اپنی مثال آپ

طریقہٴ مسموم و دلیر کے نام

مشکا کی خاص بات یہ ہے کہ

اس میں تصوفی "الائچی"

اللائي اللواتي، والعصيان

المجلس الأعلى للدراسات الإسلامية

—

$\frac{1}{2}$

— 10 —

2.  $\frac{1}{2} = \frac{1}{2}$

—

سید ابرار علی نقشبوتی

— ۱۲۰ —

(b) (5) DPP, (b) (5) ACP

پست کا

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

۲۰۰ فی صد طاقت پہنچاتا ہے

١٥٨٨

۱۰۰۰ روپے سے زائد ہونے پر ۱۰ روپے اور ۱۰۰ روپے سے زائد ہونے پر ۱۰ روپے

ڈائریکٹر جنرل ایس جی ایم سی ڈی

مارچ ۱۹۸۲ء

# مبصنفین دینی کا علمی و دینی کامہنا

SRINAGAR

HABAD

۶۳

Am

# برہان

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مرتبہ  
سعید احمد بک آبادی

# دینار السیفین

تاریخ

محدث محمد اسماعیل

تاریخ

تاریخ

تاریخ

پیشانی محمد بن حنیف

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ

تاریخ



# برہان

قیمت فی پرچہ  
تین روپے پچاس پیسے

سالانہ چندہ  
چالیس روپے

جلد ۹۲	جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء	شمارہ ۳
--------	-------------------------------------	---------

- ۱۔ نظرات مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۲
- ۲۔ آراضی ہند کی شرعی حیثیت جناب ظفر الاسلام شعبہ تاریخ
- ۳۔ عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ ۷
- ۴۔ دو معاصرین شاہ ولی اللہ دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں کے باہمی روابط ۲۴
- ۵۔ آفتاب علم و فضل غروب ہو گیا جناب محمد نظر علی خاں ۲۴
- ۶۔ سفارت خانہ کویت نئی دہلی ۳۵
- ۷۔ وفتیت پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ ۵۳
- ۸۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۵۳
- ۹۔ رسالہ صاحبیہ شہزادی جہاں آرا بیگم کی ایک نادر تصنیف ڈاکٹر آغا شبن ۵۹
- ۱۰۔ گورنمنٹ کالج۔ لاہور ۵۹

عمید الرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا



برعکس ہے، ہر جماعت مابہ الاختلاف کو ابھار کر اپنی انفرادیت کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور مابہ الاتفاق سے صرف نظر کر لیتی ہے، سیاسی جماعتوں میں اگر یہ بات ہو تو چنداں حیرت انگیز نہیں ہے، لیکن خالص دینی اور مذہبی جماعتوں میں یہ رقابت اور منافست پائی جائے تو یہ دین کے لئے ایک عظیم فتنہ اور ملت کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہوگی، پھر میں نے کہا: لیکن اس بات کو نہ بھولئے کہ برصغیر میں جماعتی جارحیت محض زبانی جمع خرچ ہے اور اس کے برعکس ایران میں جارحیت شمشیر و دم کی نوک سے ہے اور ان دونوں میں جو عظیم فرق ہے وہ ظاہر ہے، رہی ہیرو ورشپ کی بات! اس میں شک نہیں کہ برصغیر کی ہر جماعت اپنے سربراہ کی طنز و ثنا میں بیحد مبالغہ کرتی اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتی ہے، لیکن کس جماعت نے اپنے بانی یا سربراہ کے نام نامی اور اسم گرامی کو کلمہ طیبہ کا جز نہیں بنایا اور اسے پیغمبر کے پہلو میں لے جا کر نہیں بٹھایا ہے اس لئے برصغیر کی جماعتوں پر ہیرو ورشپ کا الزام سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

مسلم یوتھ مومنٹ مسلمانوں کی معاشرت اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کے لئے دل کی لگن اور اور خلوص سے اخبارات، کتابوں اور رسالوں کی مسلسل اشاعت، مختلف اداروں اور سوسائٹیوں کے قیام اور گاہ بگاہ چھوٹے بڑے اجتماعات کے ذریعہ دسیوں تعمیری کام نو کر رہی ہے اس نے ایک نہایت اہم اور شاندار اقدام جس میں بیحد متاثر ہوا ہوں، یہ کیا ہے کہ ملک کے اصل باشندے یعنی افریقی لوگ ملک کی سب سے بڑی اکثریت ہیں اور اس لئے جلد یا بدیر ایک دن وہ ملک کے حکمران ضرور ہوں گے، لیکن اس کے باوجود ان کے سماجی اور اقتصادی حالات نہایت زہلوں اور قابل رحم ہیں، یہ اپنے علاقوں میں غربت و افلاس اور جہالت کا شکار ہو کر رہتے ہیں، ان کے مرد اور عورتیں دکانوں اور کارخانوں میں لوگوں کے گھروں پر معمولی قسم کی محنت مزدوری کر کے گذر بسر کرتے ہیں، مسلمان جو جنوبی افریقہ میں کم و بیش دو سو برس سے آباد ہیں اور نہایت خوش حال اور دولت مند ہیں اسلام کی تعلیمات کے ماتحت ان کا فزعن تھا کہ وہ اس زہلوں حال مخلوق خدا کی طرف متوجہ ہوتے، ان کے فلاح و بہبود کے ادارے قائم کرتے، ان کی تعلیم اور صحت کا اہتمام کرتے، اگر وہ ایسا کرتے تو ملک



کے آزاد ہونے کے بعد جب افریقی خود اپنے ملک کے مالک ہوتے تو اس وقت مسلمانوں کے مفادات محفوظ رہتے اور انھیں جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہوتا لیکن نہایت افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرا توجہ نہ کی اور اس معاملہ میں سرتاسر غفلت اور کوتاہی برتی۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ سب سے پہلے مسلمہ یوتھ مومنٹ نے اس طرف خاطر خواہ توجہ کی، مومنٹ کے پرجوش کارکنوں نے جس میں ڈاکٹر اور انجینئر بھی تھے اور وکیل اور پروفیسر بھی، افریقیوں کی آبادیوں کا دورہ کر کے ان لوگوں سے ربط پیدا کیا اور ان کی مشکلات اور ضرورتوں کا جائزہ لیا اور پھر ان علاقوں میں اسکول، مکتب، شفا خانے، یتیم خانے، صنعت و حرفت کے کارخانے قائم کرنے کا منصوبہ بنالیا اور کام شروع کر دیا، چنانچہ ایک اسکول کی وسیع و عریض بلڈنگ جو ڈربن سے ڈھائی تین سو میل دور افریقیوں کے ایک بڑے علاقے میں ہے۔ اس کے افتتاح کی تقریب میں میں خود بھی شریک ہوا تھا اور تقریر کی تھی، اس اسکول کے ساتھ ایک مسجد اور قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کے لئے ایک مکتب بھی ہے، اسکول کے افتتاح کی تقریب کا منظر قابل دید تھا، سینکڑوں مسلمان مرد اور خواتین دور دراز کے علاقوں سے بڑے جوش و خروش سے آئے تھے۔ میں نے وہاں ایک کونسل کی نمائندگی کے ساتھ یہاں پہنچا تھا، فریقی مردوں، عورتوں اور بچوں کا غیر معمولی ہجوم تھا اور سب اس رہنمائی پر خوش اور مسرور تھے کہ ان کے گھر گویا عید آگئی ہے، دس بجے جلسہ کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد مومنٹ کے دو تین لیڈروں کی تقریریں ہوئیں جن میں انھوں نے تعلیم کی اہمیت اور اسکول کی ضرورت و افادیت پر روشنی ڈالی پھر بعض افریقی مسلمانوں کی نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز تقریریں ہوئیں جن میں انھوں نے اسکول قائم کرنے پر مسعود ہوئے مومنٹ کا دلی شکریہ ادا کیا، آخر میں میری تقریر انگریزی میں ہوئی جس کا ترجمہ افریقی زبان میں ہوا، اس کے بعد جلسہ دعا پر ختم ہو گیا، اب ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا سب نے نماز باجماعت ادا کی، اس کے بعد پھر خواتین بچھا دیے گئے، اور خواتین نے الگ اور مردوں نے الگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا، اس کے بعد چائے کا دور چلا اور اب واپسی شروع ہو گئی، اتنے بڑے مجمع میں یہ دیکھ کر

سخت افسوس اور دکھ ہوا کہ ہاں علماء میں سے ایک بھی موجود نہ تھا، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو مومنٹ کے صدر نے بیان کیا کہ ہم نے علماء اور تبلیغی جماعت کے اصحاب کو فرداً فرداً دعوت نامہ بھیجا تھا، لیکن یہ ایک کیا، یہ حضرات دعوت کے باوجود ہمارے کسی ایک اجتماع میں بھی شریک نہیں ہوتے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے اجتماعات میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شریک ہوتی ہیں، حالانکہ یہ خواتین اگرچہ نقاب پوش نہیں ہوتیں لیکن ان کے سروں پر رومال بندھے ہوتے ہیں اور ڈھیلے ڈھالے لباس میں ان کا سارا جسم مستور ہوتا ہے اور پھر جلسہ گاہ میں ان کے بیٹھنے کا انتظام مردوں سے الگ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے میں اور نماز میں مردوں اور خواتین کا انتظام جدا جدا کیا جاتا ہے۔

اب جنوبی افریقہ کی مسلم یوتھ مومنٹ کا ذکر آگیا ہے تو اتنا اور سن لیجئے کہ شہر میں جب میں دہاں گیا تھا تو اس تحریک کا عہد طفولیت تھا، لیکن پھر بھی بڑی فعال متحرک اور سرگرم تھی، اس کا نعرہ یا موٹو حسب ذیل تھا جس سے اس کے مقصد تاسیس کی وضاحت ہوتی ہے۔ نعرہ عربی میں ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: تین بار اللہ اکبر کے بعد: اللہ ہمارا مقصد ہے اور رسول ہمارے سردار ہیں، قرآن ہمارا دستور اور جہاد ہمارا طریق اور اللہ کے راستہ میں موت ہماری تمنا ہے، کلمہ طیبہ، اسی پر ہم زندہ ہیں اور اسی پر ہم مریں گے اور اسی حالت میں اللہ سے ملیں گے۔ اس کے بعد تین مرتبہ نعرہ تکبیر اور اس تحریک کے دو بازو ہیں، ایک مردوں کا اور ایک خواتین کا، اس تحریک سے وابستہ نوجوان ہر شعبہ زندگی میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ اس کے نام بھی الگ الگ ہیں، مثلاً اسلامک مڈیکل ایسوسی ایشن، اسلامک لایوئرس (LAIVYERS) ایسوسی ایشن، اسلامک اکاؤنٹینٹس (ACCOUNTANTS) ایسوسی ایشن

تحریک کی دعوت پر اس کے متعدد اجتماعات کو حسب کرنے کا موقع ملا اور اس کے علاوہ  
برشاخ کے ممبروں نے الگ الگ اپنے پیشہ سے متعلق اسلامی مباحث پر گفتگو کرنے کی  
غرض سے مجلسیں منعقد کیں۔

اس سلسلہ میں اسلامک مڈیکل ہیوسیشن نے نجی گفتگو کے علاوہ ڈرین یونیورسٹی  
میں مجھ کو ایک تقریر کی دعوت بھی دی جو میں نے منظور کر لی۔ تقریر کا وقت دو بجے دوپہر  
تھا، اس آدھ گھنٹہ پہلے وہاں پہنچی تو یہ دیکھ کر بڑی خوش ہوئی کہ فیکلٹی سٹاف مڈسین کے تمام  
مسلمان اساتذہ، طلباء اور طالبات فہر کی نماز کے لئے سیر یوں میں مصروف تھے، پھر چلت  
کھڑی ہوئی وہ دور اور خواتین سب نے یک ساتھ نماز ادا کی، مگر اس طرح کہ ایک پردہ  
کھینچا ہوا تھا اور خواتین اس کے پیچھے تھیں۔ نماز سے فراغت کے بعد میری تقریر ان  
نوجوانوں کی فرمائش کے تحت ہوتی تھی کہ "اسلام کی ترقی میں نوجوانوں کا حصہ" کے موضوع پر شروع  
ہوئی جو سو گھنٹہ کے الگ بجگ جاری رہی، میں نے یہ داستان حضرت علی کرم اللہ وجہہ  
سے شروع کی انھوں نے سو برس کی عمر میں، جب فہر۔ سدرم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے "لَا رَحْمَةَ لَكُمْ فِي الْقُرْبَانِ" کے حکم کے مطابق اپنے اعزاء و اقرباء کو حج کر کے، ان پر  
اسلام پیش کیا اور یا ذات فرمایا کہ میں تم میں سے کوئی میری دکرے گا سب سے پہلے فوراً فہر  
ہو کر اسے عز و سنفدل و ولوہ و جوش سے کہاتے ہیں آپ کی مدد دل اور جان سے  
کروں گا" اور اس داستان کو ختم محمد بن قاسم پر کیا جس نے سترہ برس کی عمر میں اسلام کی افواج  
فارسہ کی قربان کر کے سترہ برس سترہ کو بچ کر کے اسے خلافت اموی کا ایک جز بنا دیا۔  
اس سلسلہ میں میں نے ان نوجوانوں کا بھی ذکر کیا جو عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور پھر  
عہد عباسی میں سے تھے اور ذمہ دارانہ عہدوں اور منصبوں کے حامل رہے ہیں، اور  
اس کے بعد سترہ برس سترہ کے روشن اباب ہیں، طلباء اور طالبات پر اس تقریر کا  
شراذہ اور ان کے چہرہ بشیرے اور گفتگو سے ہوتا تھا یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی  
میں نے، و طلباء ثقہ بیاسہ ہی با بیش اور نہایت مہذب، شائستہ اور سنجیدہ و



# آراضی ہند کی شرعی حیثیت

## عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں

(۱)

جناب نھرا لاسلام صاحب شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شرعی نقطہ نظر سے ہندوستان کی آراضی کی نوعیت کا تعین ایک اہم موضوع ہے جس پر مختلف دور میں اظہار خیال ہوتا رہا ہے۔ عہد وسطی کے ہندوستان میں متعدد علماء کی تحریری صلاحیتیں اس مسئلہ کی وضاحت میں صرف ہوئیں اور دور جدید میں بھی ہندوستانی علماء کی فقہی مباحث میں اسے مقبولیت حاصل رہی ہے۔ لیکن دونوں دور کی بحثوں میں ایک نمایاں فرق یہ نظر آتا ہے کہ عہد وسطی میں اس موضوع پر اظہار خیال کا خاص مقصد زمین کی ملکیت کے مسئلہ کو واضح کرنا تھا اور عہد جدید میں علماء کا مسلح نظر مسلمانوں کے لئے عسری اخراج کی واجبیت پر روشنی ڈالنا ہوتا ہے۔ مغل دور میں جن علماء نے آراضی ہند کی شرعی حیثیت کو اپنی تالیفات کا موضوع بنایا ہے ان میں قابل ذکر اکبر کے ہم عصر شیخ جلال الدین تھانوی ہیں۔ اول الذکر اور اورنگ زیب عالمگیر کے ہم عصر قاضی محمد اعلی تھانوی ہیں۔ اول الذکر

کے خیالات رسالہ دربیع اراضی<sup>۱</sup> اور مؤخر الذکر کے رسالہ احکام الاراضی<sup>۲</sup> میں محفوظ نہیں۔ ان رسائل کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ صرف اپنے مؤلف کے افکار پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ مؤلف کے ہمعصر دیگر علماء کے نقطہ نظر سے ہمیں واقف کرتے ہیں۔ پہلے شیخ جلال الدین کے خیالات کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد قاضی محمد علی تھانوی کے افکار زیر بحث آئیں گے اور اس ضمن میں دونوں کے خیالات و نتائج کا تقابلی مطالعہ بھی دیکھیں گے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد بریلوی (شیفہ کلکشن، فقہ عربیہ ۲۴) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کے دوسرے قلمی نسخے مکتبہ دارالعلوم، بہارنپور اور محذوۃ مفتی اہی بخش میں موجود ہیں۔ سب سے پہلے اس کا ایک پتھر گراف ایڈیشن "تحقیق اراضی ہند" کے نام سے مطبع احمدی مراد آباد سے ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے کیوں اس کی ایک نقل دارالمصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ اس ایڈیشن کی بنیاد پر اس رسالہ کا دوسرا متن سید سعید اشرف ندوی کے اردو ترجمہ کے ساتھ "تحقیق اراضی ہند" کے نام سے دائرہ معین المعارف، کرچی سے ۱۳۶۳ھ میں شائع ہوا ہے لیکن متن میں بے شمار غلطیاں ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا آزاد لائبریری کے نسخہ کے علاوہ دیگر مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخے "تحقیق اراضی ہند" یا "تحقیق اراضی ہند" کے نام سے ملتے ہیں۔ مؤرخین، فہرست نگاروں نے عام طور سے اسی نام کا ذکر کیا ہے۔ خاکسار نے سسر رسالہ کا ایک انتقادی متن تیار کیا ہے جو انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گا۔

۲۔ اس کے مصنف کی بابت تفصیلات مصنف کے خیالات پر بحث کرتے ہوئے ۳۱ نمبر کی دوسری قسط میں دی جائیں گی۔

شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی سلسلہ کی صابری شاخ کے مشہور بزرگ ہیں۔ متعدد تاریخی کتب اور علماء و صوفیاء کے تذکروں میں ان کے حالات ملتے ہیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کی روایت کے مطابق ان کے آباء واجداد بلخ کے رہنے والے تھے اور بعض کے نزدیک

۱۔ ملاحظہ کیجئے عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۹ء، جلد سوم، ۳۰۳-۳۰۴، ابوالفضل اکبرنامہ، کلکتہ، ۱۸۸۶ء، جلد سوم، ۳۳۲-۳۳۳، نظام الدین احمد خشی، طبقات اکبری، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، جلد دوم، ۴۳، احمد یادگار، تاریخ شاہی، کلکتہ، ۱۹۳۹ء، ۳۵۵-۳۵۶، مستدخان، اقبالنامہ جہانگیری، لکھنؤ، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخبار، دہلی، ۱۲۸۳ھ، ۲۴۳، امین احمد رازی، ہفت اقلیم، کلکتہ، ۱۹۶۳ء، جلد دوم، ۴۶۲، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، لکھنؤ، ۱۳۰۲ھ، ۱۰۳-۱۰۴، محمد غوث شطاری، گلزار ابرار، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری) حبیب گنج کلکشن، ۲۲ ورق ۲۷۳ ب، محمد صادق ہمدانی، طبقات شاہجہانی، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری) حبیب گنج ۲۲ ورق ۱۹۳، داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء،

۳۔ ۱۰۲-۱۰۱، الہ دیا، سیر الاقطاب، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ۲۱۹-۲۲۰، عبد الرحمن چشتی، مراۃ الاسرار، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری)، عبد السلام، ۹۳۴، ورق ۳۴۴ الف-ب، وجیہ الدین اشرف، بحر زخار، مخطوطہ، ورق ۳۲۷-۳۲۸، رحمن علی خاں، تذکرہ علماء ہند، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ۴۱-۴۲، سید عبدالحق نزہۃ الخواطر، حیدرآباد، ۱۹۵۴ء، الجزء الرابع، ۷۲

۴۔ شیخ عبدالحق محدث (اخبار الاخبار، محولہ بالا) نے ان کی اصل کابل بتائی ہے۔



ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسلک ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش کسی مذکور نہیں۔ البتہ، ان کے بارہ وراثت عام طور پر مشہور ہے۔ شیخ محمد بن عبدین علی بن ابی اسحاق رحمہ اللہ تصوف میں متفرق کے لیے مشہور تھے۔ وہ بھی تصوف میں ایک ممتاز اور تصنیف و تالیف کے مشاعر میں دور رس تھے اور ایک عرصہ میں ہندوستان میں جاری ہالیانہ شیخ متدیس گنگوہی ۱۳۵۵ھ - ۱۳۷۵ھ سے متعلق ہیں۔ ان کے بارہ وراثت میں عبادت و ریاضت میں ہم ہونے کے طور پر، ہندوستان میں بہت سے لوگوں کے لیے راہ میں بھی اس درجہ بہت حاصل کی کہ شیخ عبدالحق دہلوی کے خلیفہ بن گئے۔ سرفراز ہوئے۔ شیخ عبدالحق دین کی گونہ گویا شخصیت کا ایک ہم پلوی یہ بھی ہے کہ ارباب حکومت سے بھی ان کی دور رس قائم رہی۔ کہ نیم دو بار وہ "مدد معاش" کے بعض مسائل کے حل کے لئے شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔ خیر کبریا ان سے تھا یہ سرفراز دور تھا۔

سے سیر القضاہ، تہذیب الہ، ج ۲۱، سرزخار، محولہ باب ۱۰، صفحہ ۳۲، محکم اکبر، تنبہات الانوار،  
مخطوطہ (علی گڑھ) ورق ۲۳۱ الف۔

۳۷ شیخ عبد القدوس کے خطوط کے مجموعہ نگہیات قدوسیہ میں ان کے بیشتر خطوط شیخ جلال الدین کے نام ملتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے دونوں کے درمیان گہرے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

۳۸ یہی بارہ اپنے مرشد کی ہدایت پر ان کے نرنند شیخ احمد کے مانعہ ہالیوں کے ربار میں جانے کا اتفاق ہوا تھا (نگہزبات قدوسیہ دہلی، جلد ۱، مکتوب ۲۷، صفحہ ۲۲۷) دوسری بار اکبر کے عہد میں ۳۶۹ھ

۵۶-۱۵۶۲ء میں تھا۔ پیر کے مدد معاش دانوں کی سہارے کے لئے خود اپنے طور پر دربار میں حاضر ہوئے تھے (عبد القادر بدایینی، خولہ بالا، جلد سوم، صفحہ مؤرخ کے بیانات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی تھی کہ نہیں اور یہ کہ اس سفر کا نتیجہ کیا رہا۔

تاریخی ماخذ سے ثابت ہیں۔ پہلی بار اپنے عہد کی ابتدا میں بیرم خاں کی اتالیقی کے دوران جب ۱۵۵۶ء میں ہیو کے خلاف فوجی مہم پر جاتے ہوئے رخصت ہوتے وقت دونوں نے دشمن کے خلاف فتح و کامرانی کے لئے شیخ سے دعا کرنے اور اپنی حمایت ظاہر کرنے کی درخواست کی۔<sup>۱</sup> دوسری بار ۱۵۸۱ء میں اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کی بغاوت کچلنے کے لئے پنجاب جاتے ہوئے تھانیس میں قیام کے دوران اکبر نے ابوالفضل کی معیت میں شیخ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور توحید کے مسئلے پر ان سے گفتگو بھی کی۔ شیخ نے بعض اشعار کے ذریعہ اس مسئلہ کی وضاحت پیش کی۔<sup>۲</sup> جہاں تک شیخ جلال الدین کی تألیفات کا تعلق ہے رسالہ درزیع آراضی کے علاوہ دو اور رسالے ”ارشاد الطالبین“ اور تفسیر سورۃ والتین“ ان سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے عام طور پر صرف ارشاد الطالبین کا ذکر کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک شیخ جلال الدین کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو

۱۔ احمد، یادگار، تاریخ شاہی، محولہ بالا، ص ۳۵۵-۳۵۶۔

۲۔ ابوالفضل، اکبر نامہ، جلد سوم ص ۳۲۳-۳۲۴، محمد خان، اقباس نامہ جہانگیری، محولہ بالا، ص ۳۴۵۔

۳۔ اس رسالہ کا اگلا نسخہ مولانا آزاد لائبریری، سلیمان کلکشن نمبر ۱۱۱) میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ تصوف کے مسائل سے متعلق ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں (محمد اختر دہلوی، تذکرہ اولیاء ہند، ص ۶۱-۶۲) نے اسے ان کے خطوط کا نمونہ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ان کے خطوط کے مجموعے کا ذکر ملتا ہے مبین ۳ کے کتب خانے میں ہے، مراجعت نہیں کی گئی ہے۔ سید عبدالحی (نزمۃ الخواطر، جزرہ رابع، ص ۱۸) نے ان کے یہاں دو رسالے ارشاد اللہ شاہ کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی تذکرہ کہیں اور نہیں ملتا۔

۴۔ ملاحظہ کیجئے، نتیجہ کا مرتب کردہ انڈیا آفس لائبریری کانٹریلاگ، (نمبر ۱۹۲۴) اور اسٹودی پشین لٹرچر، جلد اول، حصہ اول، ص ۱۷۱۔

تصوف اور اس کی تعلیمات سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ اسی لئے انھوں نے صرف ارشاد الہامی  
سے کہ یہ اکتفا کیا جو تصوف کے مسائل کی تشریح پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔

رسالہ درمیع آرا فی جو اس مضمون کے موضوعات کی اعتبار سے سب سے اہم ہے تب تحریر کیا گیا  
اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی البتہ اس کی تالیف کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اس سے  
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدد معاش کی آرا فی میں بادشاہ کے تصوراتی اقدام کے بعد لکھا  
گیا ہوگا۔ بہر حال یہ تو مسلم ہے کہ اس کی تالیف اس دور سے پہلے عمل میں آئی ہوگی  
جب شیخ تصوف کی دنیا میں داخل ہو کر تدریس اور تصنیف جیسے مشاغل سے کنارہ کش  
ہو چکے تھے۔ معاہدہ مورخ عبدالقادر بدایونی نے ۱۵۴۳ء میں تصوف میں شیخ سے مولا  
نہ ہوا اور جو محکم تودہ نور سے تعبیر کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عزت نشینی در

بابست دور اس سے کچھ پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے اغلب یہی ہے کہ یہ رسالہ  
۱۵۶۲ء اور ۱۵۶۳ء کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہوگا۔ شیخ جلال الدین نے یہ رسالہ  
مدد معاش کی زمینوں پر ان لوگوں کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے تحریر کیا تھا جن کو  
بادشاہ کے ... سے عطا ہوئی تھیں۔ شیخ نے درحقیقت آرا فی ہند کی شرعی حیثیت

تصوف اور اس کی تعلیمات سے ان کا گہرا تعلق تھا۔

تصوف اور اس کی تعلیمات سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ اس لئے انھوں نے صرف ارشاد الہامی  
سے کہ یہ اکتفا کیا جو تصوف کے مسائل کی تشریح پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔

رسالہ درمیع آرا فی جو اس مضمون کے موضوعات کی اعتبار سے سب سے اہم ہے تب تحریر کیا گیا

اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی البتہ اس کی تالیف کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے اس سے

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدد معاش کی آرا فی میں بادشاہ کے تصوراتی اقدام کے بعد لکھا



پر مفصل بحث کی روشنی میں اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ یہ رسالہ اس موضوع پر بھی مؤلف کے خیالات کی مکمل وضاحت پیش کرتا ہے۔ مؤلف کی یہ بحث اس لحاظ سے کافی اہم ہے کہ اس میں فقہی استدلال کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات اور معاصر حالات سے بھی نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔

آرامنی ہند کی شرعی حیثیت سے متعلق شیخ جلال الدین کی پوری بحث کا محور یہاں کی آرامنی کو غیر مملوکہ کے زمرہ میں شامل کر کے بیت المال کی ملک قرار دیتا ہے اس مفروضہ کو ثابت کرنے کے لئے شیخ جلال الدین نے استدلال کے مختلف پیرایے اختیار کیے ہیں۔ سب سے پہلے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہندوستان تقریباً چار سو سال قبل فتح ہوا اور ہمیں یہ علم نہیں کہ اس وقت کون سے علاقے آباد تھے اور کون سے غیر آباد خاکسرا اس صورت حال میں کہ زمین کے اصل قابضین میں سے کچھ تو نیست و نابود ہو گئے اور جو باقی بچے وہ مسلمانوں کی فاتحانہ قوت اور غالبیت کو دیکھ کر یا قحط و دباہ کی شدت محسوس کر کے اپنے اصل علاقوں سے دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اس طرح ان کی زمینیں مہمل و متروک ہو گئیں۔ شیخ جلال الدین کی نظر میں ان زمینوں کی نوعیت غیر مملوکہ کی سی ہوئی اس لئے کہ ان کے اصل مالک کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس صورت حال کو دوسرے انداز

۱۔ اس سے مراد غالباً معز الدین محمد بن سام (شہاب الدین محمد غوری) کی فتوحات ہیں جو ۱۱۸۵ء اور ۱۱۹۲ء کے درمیان ظاہر ہوئیں، تفصیل کے لئے منہاج السراج، طبقات نامری، کابل ایڈیشن، جلد اول، ص ۲۹۵-۳۰۰۔  
۲۔ رسالہ در بیع ارامنی، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، شیفتہ ملکشن، فقہ عربیہ، ۲۳۴ ورق ۲ الف، شیخ جلال الدین نے اس صورت حال کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کیا ہے۔ محض "عام روایت" اور "خبر مشہور" پر انحصار کیا ہے۔

۳۔ رسالہ در بیع ارامنی، ورق ۲ ب۔

میں پیش کرتے ہوئے شیخ عبد بن الدین نے "خبر مشہور" کی بنیاد پر یہ خیالی ظاہر کیا ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی آراضی نہ نوغانہ میں تقسیم کی گئی اور نہ شرعی اصول کے مطابق سابق مالکین کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔ اس کلیہ سے وہ محض کچھ آراضی کو مستثنیٰ کرتے ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا انھوں نے غانہین کے درمیان آراضی کی تقسیم نہ کیے جانے کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ لیکن خراج کے عوض سابق مالکین کی ملکیت کی بحالی کے مداف قرآنی شواہد سے استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اول تو اس امر کا وقوع کسی وجہ سے یقینی طور پر ثابت نہیں ہے۔ دوسرے فتح جن حالات میں انجام پاتی رہی ان میں ان کی ملکیت کو باقی رکھنے کے واقعہ کا پیش آگاہ ناممکن نظر آتا ہے۔ ہندستان کے کفار نے کفر میں اپنی شرکت کی وجہ سے مسلم فاتحین کے تئیں انقیاد اور قبول جزیہ کا پہلو بہت کم اختیار کیا بلکہ مقدمہ کرنا اور ہر سہ پکار مہونا یا دو لہہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ برپا ہوئی جس میں کچھ مقتول ہوئے اور کچھ قیدی بن گئے باقی قسمت ہوا کرا دھڑ دھڑ فرار

۱۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق ان علاقوں میں جہاں فتح بزرگ حاصل ہوا امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جہاں وہ چاہے زمینوں کو فاتح فوج میں تقسیم کر دے، اس صورت میں وہ زمین عسکری ہوگی یا خانہ جنگی تو سابق مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دے اور ان پر خراج عائد کرے۔ اس صورت میں وہ زمین شہر ہوگی اور ان کی ملک قرار پائے گی۔ امام شافعی کے نزدیک دوسری صورت اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے یہاں کی جانب بھی سابق مالکین کی ملکیت ان زمینوں پر ثابت کیا ہو سکتی ہے۔ تصویر کے سے دیکھئے امام ابو یوسف کتاب الخرج، مطبعہ امیر یہ، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ، ص ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲ اور سیس الشافعی،

کتاب الام، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ، الخرج، ص ۲۰۱، ۲۰۲، ابو یوسف امام وری،

۲۰۱، ص ۲۰۱، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ، ص ۲۰۱، ۲۰۲، برہان الدین غنی، مرغینانی، اہدایہ لکھنؤ،

۱۸۴۹ھ، الفہمہ الثانی، ص ۵۴۵-۵۴۶۔

ہو گئے اور اپنی زمینوں و جائیدادوں کو بھی تیاگ دے گئے۔ ایسی حالت میں شیخ جلال الدین کے خیال میں سابقین مالکین کی بحالی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر بعد میں کچھ لوگ آئے اور امام یا سلطان کی اجازت کے بغیر وہاں سکونت اختیار کی اور زمینوں پر قبضہ جمایا تو یہ شرعاً تقویٰ اس احضیٰ بمالکھا السابق کی صورت نہیں بن سکتی اور نہ ان قابضین کو زمین کا مالک قرار دیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ شیخ جلال الدین اس صورت حال کو ہندستان کے تمام مفتوحہ علاقوں پر مطبق نہیں کر سکتے تھے ان کے ذہن میں کچھ مستثنیات بھی تھیں جس کی صراحت بھی انہوں نے ایک جگہ کی ہے۔ ان صورتوں میں وہ اپنے نقطہ نظر کو اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض علاقوں میں فتح کے بعد وہاں کی زمینیں شرعی اصول کے مطابق سابق مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تھیں اس کا کوئی قطعی ثبوت فراہم نہیں کر بعد میں جو لوگ ان زمینوں پر قابض رہے یا موجودہ قابضین دراصل انہیں کے ورثہ میں سے ہیں جن پر ابتداً یہ زمینیں بحال کی گئی تھیں بلکہ اس اسکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعد میں بعض طاقتور عناصر مقامی حکام کی کمزوری کی حالت میں اصل قابضین یا ان کے ورثہ کو بے دخل کر کے ان کی زمینوں پر زبردستی قابض ہو گئے ہوں۔ اس امکانی صورت کے ثبوت میں شیخ جلال الدین نے اپنے علاقہ (تھانیس) میں بسنے والے لوگوں چوہان، توہر، ہوندیار و برہمن کی مثال پیش کی ہے جو

۱۔ رسالہ در بیع آراضی ورق ۲ ب، ۳ الف، ۶ ب۔ ۷ الف۔

۲۔ حوالہ سابق، ورق ۲ ب۔

۳۔ حوالہ سابق، ورق ۲ ب۔ ۳ الف، ۱۰ الف۔

۴۔ حوالہ سابق، ورق ۱۰ الف، ۱۳ ب، ۱۴ الف۔



رنگبر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ یہاں اس پاس کے علاقوں میں پہلے بوندیارو برہمن رہتے تھے لیکن جوہان و تومر ذات کے لوگوں نے بعد میں ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کے قرابت سے انہیں بھاگنے پر مجبور کر کے خود ان کی زمینوں پر قابض ہو گئے۔ شیخ جلال الدین کی رائے میں یہ مت خرقہ افین یا ان کے ورثاء ان زمینوں کے اصل مالک نہیں قرار دیے جاسکتے۔

اس طرح مختلف انداز میں شیخ جلال الدین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی اکثر آرائسی مخرجات فتح کے بعد سابق مالکین پر بحال کی گئی یا ان کی کئی غیر ملوکہ ہے جو لازماً ہیئت مال کی نہایت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس نکتہ پر مزید زور دینے کے لئے انہوں نے مفتوحہ آرمی کے ساتھ سلوک کی بات کیا ہے کہ انہوں نے اس کا بھی سہارا لیا ہے۔ وہ اپنے سابق اسند لال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ ذکر کرتے ہیں کہ اگر اس دعویٰ

۱۔ شیخ جلال الدین نے ”نجر“ کا لفظ استعمال کیا ہے بواحد ”نجر“ کا معرب ہے۔ معاصر مورخ ابوالفضل نے (آئین اکبری، جلد دوم، ص ۱۳۷-۲۵) نے رنگبر لوگوں کو پرگنہ تھاغیر (سرکار سرہند) اور پرگنہ کرنال (سرکار دہلی) کے زمرہ طبقہ میں شمار کیا ہے۔ جدید مصنفین میں جے۔ ایم۔ ایچ۔ آف سٹریٹس انڈیا، لندن، ۱۸۳۲ء، جلد دوم، ص ۱۱۱) اور پیچ، ایچ، ولسن (گلاسگو آف جیوگرافی، لندن، ۱۸۶۸ء، ص ۳۳۸) نے اخیر ہندو راجپوت کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور ایملین (پنجاب کاسٹس، لاہور، ۱۹۱۶ء، ص ۱۳۹) اور کروک (ڈرائس اینڈ کاسٹس آف نار تھ ویسٹرن فرانسر، دہلی، ۱۹۴۵ء، جلد چہارم، ص ۲۲۴-۲۲۸) نے انہیں نو مسلم راجپوت بتایا ہے، شیخ جلال الدین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں ہندو ہی شمار کرتے ہیں۔

۲۔ رسالہ در بیج آرائی، ورق ۱۰ الفہب۔

کو صحیح مان لیا جائے کہ فتح کے بعد مسلم حکمرانوں نے یہاں کی زمینوں پر سابق مالکین کا قبضہ برقرار رکھا اور یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ موجودہ قابضین ان مالکین کے حقیقی ورثہ میں سے ہیں تب بھی اس مسئلہ میں جو کہ مختلف فیہ ہے امام شافعی کے قول پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور مصلحت کے مطابق ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام شافعی کے مسلک کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے کہ ان کے نزدیک مفتوحہ علاقہ کی آرائشی پر سابق مالکین (کفار) کا قبضہ بحال کرنا جائز نہیں ہے اور ایسا کرنے سے اس آرائشی پر ان کی ملکیت نہیں قائم ہو سکتی۔ شیخ جلال الدین نے یہاں کی آرائشی کی حیثیت متعین کرنے میں امام شافعی کے مسلک کی اتباع کے متعدد فوائد ذکر کیے ہیں مثلاً کفار (قابضین) کی ملکیت کا عدم قرار پانا، محض کاشتکار کی حیثیت سے زمینوں ان کا متعلق رہنا، مسلمان بالخصوص غائبین کا کھیتی باڑی کی زحمت سے محفوظ رہنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان زمینوں پر سلطان کے اختیارات کا وسیع ہونا۔ ان فوائد کے پیش نظر شیخ جلال الدین کے نزدیک مستحسن بھی ہے کہ بادشاہ وقت امام شافعی کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے یہاں کی آرائشی کو فنی بیت المال

۱۔ رسالہ در بیع آرائشی، ورق ۳ رب، ۶ ب، ۷ ب۔

۲۔ شیخ جلال الدین نے یہاں اس بات پر زور دیا ہے کہ ہندستان کے کفار زیادہ تر کفر و شرک پر اصرار، حق کی مخالفت، اسلام و مسلمانوں کے لعن و تشنیع وغیرہ جیسے حرکات و سکنات میں ملوث ہیں جو یقیناً اہل ذمہ کے اوصاف کے خلاف ہیں اس لئے ان کے حق میں آرائشی کی ملکیت کا فیصلہ کرنا یا باقی رکھنا صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ ملکیت عزت و وقار کا سبب بنتی ہے اور وہ اس کے مستحق نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس کے سزاوار ہیں (رسالہ در بیع آرائشی، ورق ۶ ب۔ ۷ الف) ہندوؤں کی بابت معاملہ مؤرخین کے بیانات اور ان کے تئیں سلاطین و ملوک کے عام برتاؤ سے جو تاثر پیدا ہوتا ہے اس کی روشنی میں شیخ جلال الدین کا یہ بیان کچھ مبائعہ آئینہ نظر آتا ہے۔

قرار دے اور عام مسئلوں کے مفاد میں ان پر اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔

بہا یہ مسئلہ کہ کیا موجودہ حکمران کو امام شافعی کے قول کی روشنی میں سابق سلطان یا سلاطین کے فیصلہ جتنی مسئلہ کے مطابق مفتوحہ آراضی پر خراج کے عوض سابق مالکین کی ملکیت برقرار رکھنا) پر نظر نالی کا اختیار ہے۔ شیخ جلال الدین نے متعدد دفعہ مآخذ کے حوالے اور مختلف فقہاء کے اقوال کی مدد سے یہ واضح کیا ہے کہ قاضی کے مثل امام یا سلطان کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں عام مصلحت کی رعایت سے کسی ایک فقیہ کی رائے کو منتخب کرے اور اسی کے مطابق اپنا فیصلہ نافذ کرے۔ خاص بحث مسئلہ میں بادشاہ کے اس اختیار کو ثابت کرنے کیلئے شیخ جلال الدین نے چند ہم عصر علماء کے فتوؤں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک جوشیع طیب بدھ سے منسوب کیا گیا ہے یہاں بطور نمونہ

۱۔ رسالہ در بیح اراغی درق ۶ ب ۷۷ الف۔

۲۔ شیخ جلال الدین کے فقہی مآخذ میں قابل ذکر یہ ہیں: الفندری، الہدایہ، کنز الدقائق، شرح الطحاوی، المبسوط، المحیط وغیرہ۔

۳۔ رسالہ در بیح اراغی، ورق ۳ ب ۱۶۷ الف۔ یہاں یہ ذکر بھیجی سے خالی نہ ہوگا کہ شیخ جلال الدین کے ہم عصر بادشاہ اکبر کے عہد میں شیخ مبارک کی تحریک پر چند علماء کے دستخط سے جو محضرہ رکھی گیا تھا اس کے چار پانچ نکات میں ایک یہ بھی تھا کہ اگر ان مسائل میں جن میں فقہاء مجتہدین کے مابین اختلاف ہے بادشاہ اپنی صوابدید کے مطابق عوام کی بہبود و عام مصلحت کی رعایت سے کسی ایک کی رائے کو منتخب کر کے اسی کے مطابق حکم صادر کرے تو یہ منفق علیہ ہوگا اور جملہ عوام پر اس کی پردی لازم ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے بدایونی، منتخب التواریخ، جلد دوم، ۲۷۲-۲۷۳

۴۔ شیخ حبیب کے حالات کے لئے دیکھئے۔ بدایونی، مخبر ہالا، جلد اول، ۳۷۳-۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵



نقل کیا جاتا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

(استفتاء) ”چھ می فرمایند علما مدینہ دار و مفتیان شرع شعار  
کثرہم اللہ تعالیٰ اندر آتجہ امام من لہ الولایۃ العامۃ الکاملہ  
بعض ارض خراجہ را بعد تقریر امام سابق علی اہلہا بمصلوۃ  
را با انتزاع من اہلہا می کنند مستحقان راعی مدہ من حیث  
الشرع الشریف امام مذکور را انتزاع ارض موصوفہ من  
اہلہا از ہی جہت کہ مسئلہ تقریر ارض موصوفہ بعد فتح دارالحرب  
تہراً و غلبۃ مجتہد فیہا است جائز باشد یا نہ و ارض موصوفہ  
بعد اعطاء در ملک معطی مہم در آید یا نہ جواب فرمایند  
(فتویٰ) ”الانتزاع جائز باشد و در ملک معطی مہم در آید  
کتبہ طیب بدہ“

اس طرح شیخ جلال الدین نے مختلف فیہ مسائل میں امام یا سلطان کے اختیار پر عام فقہاء  
کے اقوال اور مذکورہ خاص مسئلہ میں ہمعصر علماء کی رایوں کی بنیاد پر یہ باور کرانا چاہا  
ہے کہ بادشاہ و تہ کو آراضی ہند کی بابت پیش رو سلاطین و ملوک کے فیصلوں کو کالعدم  
قرار دینے اور شامی، سلک کے مطابق ان کی نوعیت متعین کرنے کا نہ صرف اختیار  
حاصل ہے بلکہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہوئے وہ جو حکم صادر کرے گا وہ نافذ العمل

۱۔ رسالہ در بیع آراضی، ورق ۸ الف۔ ب۔ شیخ جلال الدین نے شیخ طیب کے علاوہ اپنے  
چچا قاضی محمد تھانویسری اور ایک دوسرے ہمعصر بزرگ و عالم شیخ نے دو دو نمبری کے فتویٰ کا حوالہ  
دیا ہے۔ ان علماء کے حالات کے لئے ملاحظہ کیجئے اخبار الاخبار، ۱۸، گلزار ابرار، ورق ۸۹، ترجمہ لفظ  
الحجر الرابع، ۱۸، ۳۳، تذکرہ علماء ہند، ۲۵، حقائق الحنفیہ، ۳۶۳-۳۶۵۔



مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ جلال الدین ہندوستان کی آراضی کے بیشتر حصہ کو غیر مملوکہ کے زمرہ میں شامل کر کے بیت المال کی مالک قرار دیتے ہیں اور بعض صورتوں میں جہاں وہ قابضین کی ملکیت بظاہر تسلیم کرتے ہیں مشورۃً یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ انھیں بیت المال کے تصرف میں واپس لینا مصلحت کے عین مطابق اور مسلمانوں کے عام مفاد میں ہوگا۔ شیخ جلال الدین کی نظر میں اس کا سب سے بڑا عملی فائدہ یہ تھا کہ سلطان یا امام ان پر اپنے اختیارات کو استعمال کر کے مسلمانوں میں سے مستحقین کو عطا یا دے سکتا تھا جس پر معطلی نہ کی ملکیت باسانی ثابت ہو سکتی تھی۔

شیخ جلال الدین کے ان خیالات کی اہمیت صحیح معنوں میں اس وقت ہوگی جب ان کا مطالعہ مدد معاش کی زمینوں کی بابت ان کے مستحقین اور حکومت کے نقطہ نظر میں اختلاف کے پس منظر میں کیا جائے جو اکبری عہد سے پہلے ہی رونما ہو چکا تھا لیکن اس کے دور میں شدت اختیار کر گیا تھا۔ مغل بادشاہوں بالخصوص اکبر کی پالیسی کے مطابق مدد معاش کی زمینیں پانے والوں کو محض ان کے خراج سے انتفاع کا حق حاصل ہوتا تھا وہ ان میں مالکانہ حقوق استعمال کرنے کے مختار نہ تھے کسی معطلی نہ کی وفات کے بعد بادشاہ کی اجازت کے بغیر یہ زمینیں اس کے ورثہ کو منتقل نہ ہو سکتی تھیں۔ دوسری جانب بادشاہ اپنے آپ کو ان عطا یا ئے آراضی کی تجدید یا بازیابی، توسیع یا تحدید اور ان میں دیگر تصرفات کا مجاز تصور کرتا تھا۔ اور اسی اصول کے تحت بادشاہ ان میں تصرف کرتا رہتا تھا جس کی

---

۱۔ آئین اکبری جلد اول صفحہ ۱۴۱-۱۴۲، اکبر نامہ، جلد سوم، صفحہ ۲۴۲ عہدِ مغل کے ہندوستان میں مدد معاش کی آراضی کے نظم و انتظام اور ان کی بابت دیگر معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے مور لیبڈ، انگریز میں سسٹم آف مسلم انڈیا، دہلی، ۱۹۶۱ء، صفحہ ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۴۹، عرفان حبیب، دی انگریز سسٹم آف مغل انڈیا، نیویارک، ۱۹۶۳ء، صفحہ ۲۹۹، ۳۰۳۔



متعدد مثالیں اکبر کے دور میں ملتی ہیں۔ اس کے برخلاف بہت سے علماء بالخصوص جو مستحقین کی صف میں شامل تھے مدد معاش کی زمین معطلہ کی ملک تصور کرتے تھے۔ یہ لوگ حکومت کی جانب سے اس طرح کی آراضی کی بازیابی کو ناروا کہتے تھے اور ان میں تصرفات کو معطلہ کے سلسلہ حقوق میں دخل اندازی سے تعبیر کرتے تھے۔ ان علماء کے خیالات کی ترجمانی معاصر مؤرخ عبدالنقاور بدایونی نے منتخب التواریخ میں متعدد مقام پر کی ہے بالخصوص ان مواقع پر جہاں مؤرخ نے مدد معاش کی زمینوں کی بازیابی وغیرہ کے سلسلہ میں اکبر کے اقدامات کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علماء کا ایک دوسرا طبقہ اس خیال سے متفق نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ جلال الدین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ جلال الدین نے معاصر بادشاہ کے مذکورہ اقدامات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ ان علماء کو کھلے لفظوں میں ہدف تنقید بنایا ہے جو مدد معاش کی زمین پر معطلہ کے حق ملکیت کے ثبوت کے قائل نہ تھے۔ بہر حال اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مدد معاش کی زمینوں میں اکبر کے انتظامی تصرفات بھی شیخ جلال الدین کے رسالہ دربیع سراضی کی تالیف کے محرک ثابت ہوئے ہوں گے۔

۱۔ اکبر نے سب سے پہلے آراضی مدد معاش کی تحقیق کرنی اور اس کے نتیجہ میں غیر مستحق لوگوں سے یہ زمینیں واپس لے لی گئیں، اس کا دوسرا اقدام اس حکم کا اجراء تھا کہ سو بیگہ سے زائد حبس کے پاس مدد معاش کی آراضی ہے اسے بحق سرکار ضبط کر لیا جائے (آئین اکبری، جلد اول ص ۱۴۱، بدایونی، دوم ص ۲۵) اس نے بعد میں ایک اور تصرف یہ پیدا کیا کہ ایک پرگنہ کی جملہ آراضی مدد معاش کو یکجا کرنے کا حکم دیا اور مزید برآں مدد معاش پانے والوں کے لئے یہ لازم قرار دیا کہ وہ ان قرابت میں سکونت اختیار کریں جہاں ان کو یہ زمینیں دی گئی ہیں (اکبر نامہ، جلد سوم ص ۲۴، بدایونی، دوم، ص ۲۵)

شیخ جلال الدین کی بحث میں اس مقصد کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے جس کے تحت یہ رسالہ تحریر کیا گیا تھا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مؤلف نے شریعت کی روشنی میں آراغنی ہند کی نوعیت کا انداز سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک بنے بنائے سانچہ میں فٹ ہو جائے۔ ان سب کے باوجود یہ رسالہ اپنے موضوع پر منفرد ہے جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور آراغنی ہند پر شیخ جلال الدین کی بحث سے جو فقہی تاریخی نکات سامنے آتے ہیں ان کی اہمیت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

## فرن اول کا ایک مدبر

ایک حوصلہ مند عرب مدبر کی زندگی کا تحقیقی جائزہ جس نے اہل بیت کی حمایت اور ان کی شہادت کے انتقام کی مہم چلا کر موالی اور غلاموں کو عربوں کے سیاسی و معاشی استبداد سے نکالنے کی تحریک اٹھا کر اور مذہبی بہروپ بھر کر پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی کے ربع ثالث) میں حکومت قائم کی تھی

مضامات : ۱۲۴ صفحات

سائز : ۱۸x۲۲

قیمت مجلد 6/- روپے

ندوة المصنفین . احمد و بانا اردہلی

## دو معاصرین

شاہ ولی اللہ دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں

کے باہمی روابط

از مسعود انور علوی کا کوری

المحذر، الاماں بچھب انتشار اور شورش کا دور تھا۔ عالمگیر کا آخری عہد سلطنت مغلیہ کا دم واپس تھا۔ مسلمانان ہند ذہنی، تمدنی، مذہبی اور روحانی انحطاط کا شکار ہو چکے تھے۔ مرکز پر اورنگ زیب کے جانشین یکے بعد دیگرے سریر آسمانی سلطنت

۱۔ اقمہ السطور کی نظر سے کتب خانہ خانقاہ کاغذیہ کا کوری ضلع لکھنؤ میں موجود رسالہ شمسہ مظہریہ۔ درخصائص نقشبندیہ مجددیہ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ نعیم اللہ بہرائچی م ۱۲۱۸ھ مکتوبہ ۱۲۱۴ھ گزرا جس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے چار ایسے مکتوب بتام حضرت مرزا صاحب مرقوم ہیں جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کی نیازمندی و عقیدت کا پتہ چلتا ہے نیز ایسے واقعات بھی درج ہیں جن سے دونوں کے باہمی روابط و ضوابط مترشح ہوتے ہیں۔ یہ چاروں مکتوبات اگرچہ کلمات طیبات میں شامل ہو کر طبع ہو چکے ہیں لیکن ناظرین کی دلچسپی کے لئے مجاہد کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)



ہوتے رہے لیکن ان کے کردار میں وہ صلاحیت اور پختگی اور ان کے مزاج میں جہاں بانی کا وہ شعور نہیں تھا جو کسی ملک کو استیقام عطا کرتے ہیں۔ ایک طرف علما و مظاہر

(بقیہ عاشیہ صفحہ گزشتہ)

اغلب یہ ہے کہ رسالہ شمسِ منظر یہ بخط مؤلف موصوف ہے کیوں کہ ان کا درج ذیل مکتوب جو حضرت شاہ تراب علی قلندر کا کوروی کے نام ہے اس کا در رسالہ مذکورہ کا رسم الخط یکساں معلوم ہوتا ہے۔

”حضرت سلامت! ہر دو رسالہ فقیر انفاس الاکابر و رسالہ شمسِ منظر یہ (مطالعہ گرامی مشرف سازندہ تانہ برکت نظر منظر گمان خدا میں ہر دو نسخہ راجحین قبول عطا فرماید از مدت آرزو داشتیم کہ بخدمت شریف آنحضرت و حضرت شاہ محمد کاظم صاحب خدمت مشرف شدہ از نظر اترن بگنہ رانم میتر نہ شد تاچار محبوب میاں شیر علی جیو ارسال داشتہ امید کہ شرف مطالعہ عنایت فرمایند۔ زیادہ سے جز آرزوئے ادراک خدمت بزرگان چہ حسن نماید۔“ رقیہ مؤلف

”حضرت سلامت! فقیر کے دونوں رسالے، انفاس الاکابر و رسالہ شمسِ منظر یہ ملاحظہ گرامی سے مشرف ہوں تاکہ اللہ والوں کی برکت نظر سے بارگاہ حق میں شرف قبولیت عطا ہو۔ ایک عرصہ سے یہ آرزو تھی کہ حضور والا اور حضرت شاہ محمد کاظم صاحب کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوتا۔ لیکن سعادت نہ حاصل ہوئی۔ مجبوراً میاں شیر علی جیو کے ذریعہ روانہ خدمت ہیں امید ہے کہ ملاحظہ فرما کر عنایت فرمائیں گے۔ بزرگوں کی خدمت کی آرزو ہے اس کے سوا کیا عرض کروں۔“

(بقیہ عاشیہ۔ اگلے صفحہ)

کا گرد تھا جو فردی اختلافات کے گورکھ دھندے میں الجھ کر عوام کی تیرہ و تار یک زندگی میں کوئی بھی شخص ہدایت دکھانے کا اہل نہیں تھا۔ اس عہد کے مونیائے کرام نے اپنے کشف باطن سے روجوں کے انتساب کو سمجھا، اُن کی پُرتو اور پُرکلم زندگی کے سین گروں و محسوس کیا ان کے لئے سنہ سنہ و سخت اور اپنے ملفوظات، بنی تعلیمات اور اپنے رشد و ہدایت کے ذریعہ تزکیہ نفس کے سہارا بن گئے۔ ان نفوس قدسی میں اس عہد کی دوسرا دروزگار شخصیتیں حضرت مرزا مظہر جان جانا (م ۱۱۹۵ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۶۶ھ) تھیں۔ یہ دونوں صاحب دل بزرگ، ایک دوسرے کے احوال اور مقامات سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے ربط و ارتباط نے تصوف اور عرفان تصوف کی نئی راہیں کھول دیں اور ایک ایسے صراطِ مستقیم کی نشان دہی کی جو شریعت و طریقت کے یک خوشگوار اور حسین مزاج کا مرقع پیش کر رہا تھا۔ نیز جس کی جنوہ آرائی نے عوام کی محفل ہستی کو سنوارا اور نکھارا۔ ہوائِ الملوکی کے باعث معاشرہ جس ذہنی اور روحانی کرب میں مبتلا تھا اس سے عوام الناس کو

### بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

حضرت مولانا شاہ نعیم اللہ سرخسی خلیفہ خاص حضرت مرزا صاحب کو بانی خانقاہ کاظمیہ حضرت عارف باللہ ست محمد کاظم قلندر (م ۱۲۲۱ھ) سے جو عقیدت اور خلوص تھا وہ ان کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، نیز ان کی نیازمندی، عقیدت کا اندازہ رسول المقصود، فارسی و طہرند حضرت شاہ تراب علی قلندر صفحہ ۴۲۲ (ترجمہ الخواطر ۷: ۱۰۸) و نفحات العنبر من الفاس القلندریہ صفحہ ۳۵۶ (تذکار الارباب مؤلفہ حضرت شاہ تقی حیدر قلندر کا کوروی صفحہ ۳۵۶) سے مراد ہے۔ ۱۱۰۰ میں حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کے حال میں مذکور واقعہ سے بھی

ہوا ہے۔ ۱۲۰۰

آزاد کیا ان کے قلب پر توجہ کر کے ان کو اپنے نور عرفان سے متجلی کیا۔

زیر نظر مقالہ میں ان دو حضرات کے باہمی ربط و ضبط اور تعلقات قریبہ کا ذکر کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے اتحاد باہمی سے کیا صحت مند نتائج مرتب ہوئے، کس طرح اس سیاسی، سماجی اور معاشی بد حالی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس طوفان بدوش زلزلے میں ان کی کشتی حیات کو غرقابی سے بچا سکے اور اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھا اور یہ اس وجہ سے ہو سکا کہ اسلام ایک تقدیر ہے جو کسی تقدیر و تغیر سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ جب کبھی بد حالی، انشقاق اور اخلاقی پستی کا دور آیا اسلام اور اس کی تعلیمات کی روح کا عرفان رکھنے والے حضرات اپنے اجتہاد اور اپنی بے پناہ روحانی قوتیں معاشرہ کی مسیحائی کے لئے صرف کرتے رہے۔ انھیں بزرگوں میں وقت کے تقاضے سے حضرت مرزا صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو قدرت نے اس دور کے مسلمانانِ ہند کی نجات اور فوز و فلاح کے لئے اس دنیا میں بھیجا کہ اپنی بلندی کردار اور اپنی ذہنی روشنی سے معصیت و معاصی کی تیرہ دتا رنضا کو منور و تاباں کر دیں۔

بارہویں صدی ہجری کی یہ دونوں مشہور و معروف عظیم شخصیتیں مزید کسی تعارف و تبصرہ کی محتاج نہیں ہیں یہاں صرف ان کے باہمی روابط پر روشنی ڈالنا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو حضرت مرزا صاحبؒ کے قوی التصوف ہونے کا ایسا یقین تھا کہ ”یکے از فرزندان حضرت شاء ولی اللہ صاحب کہ سخت علیل و بیمار بود ہرگز توقع زندگی نداشتند بہ نیت رفع بار و ازالہ مرض پیش حضرت ایشاں فرستادند و طلب صحت و شفا خواستند چنانکہ حق سبحانہ تعالیٰ از برکت توجہ نظر شریف ایشاں یہاں وقت شفا بخشید“<sup>۱</sup>

۱۔ رسالہ شمسِ منظر یہ۔ فارسی مخطوطہ ۱۳۰۳ھ۔ کتب خانہ خاندانہ کاظمیہ کاکوری ص: ۳۴



شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک صاحبزادے سخت بیمار ہوئے جب زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ازالہ مرض اور صحت یابی کے لئے حضرت مرزا صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ شفا اور صحت یابی کے خواہاں و عرض گزار ہوئے۔ اللہ نے حضرت والا (مرزا صاحب) کی توجہ نظر کی برکت سے اس وقت شفا عطا فرمادی۔

مندرجہ واقعہ راتہ اسطور کی آثار سے بجز رسالہ مذکورہ کے اور کہیں نہیں گذرا۔  
درج ذیل مکتوبات سے حضرت شاہ صاحبؒ کے روال بط پر زید رزق شناسی پڑتی ہے:

خداے عزوجل میں قیم طریقہ احمدیہ	اللہ تعالیٰ (جناب کو) طریقہ احمدیہ
داعی سنت نبویہ را دیرگاہ داشته	کے قائم رکھنے والے سنت نبویہ
مسلمین را متبع و مستفید گرداناد	کے داعی کو تادیر سلامت رکھے۔
از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام	اور مسلمانوں کو آپ کی ذات سے
محبت مشام مکشوف ضمیر میر باد۔	مستفید فرمائے۔ فقیر ولی اللہ کی
صحیفہ شریفہ کہ مشہور بود بالذاع	طرف سے بعد سلام محبت مشام
الذاع و بود و بود و غیرہ وہ	معلوم ہو کہ الطاف دعایات سے
شفقت ساقی بہ نسبت میں فیروز	معمور والا نامہ صادر ہو کر کاشف
اولاد او تقریر نمود الحمد للہ کہ	حالات ہوا۔ اور فقیر زادہ سے اس
اہل دل یاد اس و ماندگار	حقیر اور اس کی اولاد پر شفقتوں کا
ان میں توقع ہوا مستحکم می گردد و حسرت	کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا
بہر و ذکر کم اللہ تعالیٰ نہیں عنہ	شکر و احسان ہے کہ آپ ایسے
بہر و ذکر کم اللہ تعالیٰ نہیں عنہ	اہل دل حضرات ہم عاجز دل کو یاد
بہر و ذکر کم اللہ تعالیٰ نہیں عنہ	فرماتے ہیں اس سے امیدیں اور مستحکم

تا وقتیکہ داعیہ الہی برائے چیزے  
 وارد نشود حقیقت آں حال نہی  
 شناسد تا حال یحیٰ داعیہ نشدہ  
 است بظن و تخمین نتوان گفت  
 قلمی شدہ بود کہ بعض دقائق را  
 بصورت اصولہ خواہم نوشت  
 خاطر مشتاق آں دقائق است  
 خدا کند کہ زود آں وعدہ منجز گردد  
 مولوی ثناء اللہ مصابیح و صحیحین سماع  
 نمودند متعدد کتب ستہ بلکہ عشرہ  
 متداولہ اند بہ ہمیں توجہ ہمت سالی  
 توقع ست کہ آئینیہ بہ ظہور رسد  
 و بعد ازاں احرام صحبت شریف  
 بندند ہر قدریکہ وقت شریف  
 گنجائش کند بہ یک دو کلمہ بہجت  
 افزای ایں فقیر شکستہ بال می باید  
 بود۔ والسلام۔

ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ  
 احسان کا معاملہ کرے اور جو مقومین  
 ہیں اس میں رکھے۔ درانی کے  
 آنے نہ آنے کے سلسلے میں ایک  
 اشارہ ہوا تھا۔ مخدوم من فقیر  
 پر جب تک کوئی داعیہ الہی وارد  
 نہیں ہوتا اس کی حقیقت حال سے واقف نہیں  
 ہوتا اس وقت تک کوئی داعیہ وار نہیں  
 ہوا اور وہ محض خیالی راز خود کہہ رہے تو یہاں  
 کی عادت نہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بعض  
 دقائق و معارف کو میں بصورت سوالات قلمبند  
 کروں گا میں ان کا از حد مشتاق ہوں  
 اللہ تعالیٰ جلد اس کو پورا فرما دے۔  
 مولوی ثناء اللہ مصابیح اور صحیحین  
 ساعت کر چکے ہیں۔ اب صحاح ستہ  
 بلکہ عشرہ متداولہ کے لئے مستعد  
 ہیں۔ توجہ مبارکہ کی برکت سے  
 قوی امید ہے کہ برکات ظاہر ہوں  
 گی۔ اور اس کے بعد جیسے ہی موقع

ملا خدمت اقدس میں حاضر ہوں  
گئے۔ ایک دوسرت افزاکلمات اس  
فقیر شکستہ بال کے لئے بھی تحریر  
فرمادیا کریں۔ والسلام!

خداے عزوجل آں قیم طریقہ احمیہ  
خصوصاً و طریقہ صوفیہ عموماً و آں متعلی  
بانواع فضائل و فوائد را دیرگاہ  
سلامت داشتہ ابواب برکات  
برکافہ انام مفتوح گردان دو مکتوب  
مکرامی ورود نمود بر صحت مزاج شریف  
صداہنی بجا آورده شد من بعد کرمہ  
بعد اخیری اطلاع بر صحت مزاج  
یافتہ باشد کہ سبب سرور خواهد بود  
این مردمی خود کہ پیش از وقت  
معین مقصد خود حاصل نماید و  
بزم برہم خوردہ بود دست بے جا آئندہ  
انجہ از توبہ و تبری از اعوان سوئے  
تقریری نماید خالق خطرات و مالک  
ناصیہ تکذیب آں می فرماید فقیر زادہ  
بالتماس دعا در حق خویش محترمی اند

اللہ تعالیٰ طریقہ احمیہ کے قائم رکھنے  
والے کو مخصوصاً اور طریقہ صوفیہ کے  
قائم رکھنے والے کو عموماً نیز فضائل و  
فوائد سے متجلی رہنے والے (جناب والا)  
کو تادیر سلامت رکھے اور برکات  
کے دروازوں کو عام مخلوق پر کھلا  
رکھے۔ مکتوب گری صادر ہوا۔ خیریت و  
مستوری مزاج پر شد کا شکر ادا کیا۔ اسی طرح  
آئندہ بھی خیریت معلوم ہوتی رہا کرے تاکہ  
موجب سرور و فرحت ہو یہ خواہش ہے کہ وقت  
معینہ آنے سے قبل مقصود حاصل ہو جائے۔  
بزم برہم خوردہ بود دست بے جا آئندہ  
آں جناب نے جو کچھ بھی اعوان سے  
تبری و توبہ کی بہت فرمایا ہے۔ خالق  
خطرات و مالک ناصیہ اس کی تکذیب  
فرماتا ہے۔ فقیر زادہ اپنے حق میں



شاہ اہل اللہ بعافیت انداز مسکن  
 فقیر بردہ کردہ می باشند مدد  
 چندین مرت ملاقات شد و خیر و عافیت  
 ہمیشہ می آید۔ مشتاق ملاقات شریف  
 اند۔ والسلام !

آپ کی دعاؤں کے خواستگار ہیں۔  
 شاہ اہل اللہ بخیریت ہیں وہ فقیر کے  
 غریب خانہ سے دس کوس کی مسافت  
 پر رہتے ہیں۔ اس عرصہ میں چند بار  
 ملاقات ہوئی خیریت برابر معلوم  
 ہوتی رہتی ہے۔ وہ بھی آپ سے  
 شرف ملاقات کے مشتاق ہیں۔  
 والسلام !

منع اللہ المسلمین بافادات قیم الطریقۃ  
 الاحمدیہ وروئے ریاض الطریقہ  
 بتوجہات النفس الزکیۃ آمین۔  
 فقیر ولی اللہ سلام محبت مشام میرا  
 رقیہ کریمہ درود فرمود الحمد للہ  
 علی سلاستکم و عافیتکم از مکارم اخلاق  
 مرجو آنت کہ بدعائے ظہر الغیب  
 مکرّم فرما باشندہ اشچہ در باب فضیلت  
 مآب عبدالغنی خاں اشارت رفتہ بود  
 علی الراس والعین تا حال با شرف الوزا

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو طریقہ احمدیہ کے  
 قائم رکھنے والے اور نفس زکیہ کی  
 توجہات سے باغ طریقت کے میراب  
 کرنے والے کے افادات سے مستفید  
 فرمائے فقیر ولی اللہ کی طرف سے  
 بعد سلام محبت مشام معلوم ہو کہ واللہ  
 صادر ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت  
 بعافیت رکھے۔ مکارم اخلاق سے  
 امیدوار ہوں کہ غائبانہ طور پر بھی  
 دعاؤں میں یاد رکھیں گے فضیلت مآب

وملا اکرم البواب مکاتبات مفتوح  
 نیست باہر کہ البواب مکاتبات مفتوح  
 ست البیتہ مقصر نخواستہ ماند والسلام  
 والاکرام فقیر زارگان ہر کیے سندی  
 دغا ست در اوقات اجابت کرم فرما  
 باشند

عبد الغنی خاں کے سلسلے میں جو تحریر  
 فرمایا وہ بسر و چشم۔ ویسے ابھی تک  
 شرف الوزرا اور ملا اکرم سے کوئی  
 خط و کتابت نہیں ہے اور جن سے  
 خط و کتابت ہے ان کے سلسلے میں  
 کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔ والسلام والاکرام  
 فقیر زادے آپ کی قبولیت کے  
 اوقات میں اپنے لئے خاص دعاؤں  
 کے مستعدی ہیں۔

خداے عزوجل آن قیم طریقہ احمدیہ را  
 دیرگاہ سلامت داشتہ ابواب فیض  
 بر بندگان خود مفتوح داراد۔ از فقیر  
 ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام واضح باد  
 کہ مولوی ثناء اللہ با۔ قیمہ کریمہ  
 رسیدند موجب مسرت گردید قصد  
 اینجانب بسبب بعض اسباب کہ شرح  
 آن بسط میخواند اتفاق انتاد توقع  
 آنست کہ در اوقات رجوع دعا سلامت

لہ ثنائی طریقہ احمدیہ کے قائم کئے  
 والے کوتاہی سلامت رکھے۔ اور فیض  
 کے دروازے اپنے بندوں پر کھلے  
 رکھے۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب  
 سے بعد سلام معلوم ہو کہ مولوی  
 ثناء اللہ والا نامہ لیکر پہنچے از حد  
 خوشی ہوئی۔ ان کا یہاں آنا بعض وجوہات  
 کی بنا پر تھا جو تفصیل طلب ہیں۔ امید  
 ہے کہ اپنے خاص اوقات میں بشہ ضعیف

از آفات ظاہرہ و باطنہ در حق بند  
 ضعیف و فرزند ان و متعلقان  
 بوجہ می آمدہ باشد و السلام  
 میاں اہل اللہ شفا الا قلیلہ از  
 جراحت ہا قیست امید واری  
 آنست کہ آن نیز بہ شود از جانب  
 فقیر کہ فقیر آنجاست بردہ کردہ  
 مستند از میں سبب نامہ علیحدہ  
 نوشتہ اند۔ لہ

اور اس کے فرزندوں نیز متعلقین  
 کے حق میں ظاہری و باطنی آفات  
 سے سلامتی کی دعا فرمائیں گے۔  
 والسلام۔ میاں اہل اللہ کو پہلے  
 سے بہت فائدہ ہے۔ اب بہت  
 تھوڑا سا زخم باقی ہے امید  
 ہے کہ وہ بھی اب جلد مندمل  
 ہو جائے گا وہ چونکہ فقیر کے  
 غریب خانہ سے دس کوس  
 کی مسافت پر رہتے ہیں اس  
 وجہ سے علیحدہ عریضہ لکھا

ہے۔

یہ تھا حضرت شاہ صاحب کے مکتوبات کی روشنی میں دونوں کے باہمی روابط کا  
 جائزہ۔

صاحب القول الجلی کا بیان بھی ان روابط پر مزید روشنی ڈالتا ہے فرماتے

ہیں کہ

”مرزا جان جاناں کہ از مشاہیر مشائخ طریقہ نقشبندیہ  
 احمدیہ اند بایاران خویش بعبادت آمدند  
 و خلوت ساختند کہ بجز چند کس از محض صمان



کہ اس بندہ طفیل شاہ بود دیگرے بنود  
پس حلقہ مراقبہ شد و قریب نیم پاس ہم ہاں صحبت  
ماند بعد از آن مجلس مراقبہ مقفی شد و مرزا رخصت  
خواہند ازاں وقت حال مزاج شریف متغیر گشت  
پس ازاں آٹا فانا انتقال ظہور نمودند تاکہ وقت ظہر  
ہاں روز طائر روح پاک شاہ بہ عالم قدس طیراں  
نمود و ہر رفیق اعلیٰ پیوست۔ ۱۱۷۱

(سنہ ۱۲۹۱ محرم ۱۲۹۱ کو جب کہ حدیث اقدس سرہ کی تشریف  
کامباستخوان سال شروع ہوا تھا) حضرت مرزا مظہر  
جان جاناں جو سلسلہ نقشبندیہ تہذیب کے مشہور شاخ  
میں سے ہیں مع اپنے احباب کے عیار و آداب سے اور ان کی  
آمد پر تخلیہ کرایا گیا اور بجز چند شخصوں کے جن کا طفیل  
یہ غلام بھی تھا کوئی اور نہ رہا۔ پھر حلقہ مراقبہ ہوا اور نصف  
گھنٹہ صحبت گرم رہی۔ جب مجلس مراقبہ ختم ہوئی اور مرزا  
صاحب نے رخصت چاہی تو اسی وقت مزاج شریف  
متغیر ہو گیا اور آٹا فانا وصال ظاہر ہوئے اور اسی روز  
وقت ظہر طائر روح پاک نے عالم قدس کی جانب پرواز  
کی اور رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گیا۔ جفید حضرت از جہاں

# آفتابِ علم و فضل غروب ہو گیا

جناب محمد نظر علی خاں رامپوری، سفارت خانہ کویت، نئی دہلی

۵ نومبر ۱۹۸۳ء شنبہ کے روز ساڑھے بارہ بجے دن بذریعہ ٹیلیفون عزیزم سید نجم السلام میاں کی زبانی اس خبر وحشت اثر سے کہ استاذی علامہ سید عبدالدائم اجمالی مفسر قرآن کریم داغ مفارقت دے گئے، قلب و دماغ کو سخت صدمہ پہنچا۔  
مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی مرحوم ۱۹۰۱ء میں رام پور میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور رام پور ہی کی قدیم و عظیم علمی درسگاہ مدرسہ عالیہ میں تقریباً ۲۵ سال مدرس و پرنسپل رہے۔

مصطفیٰ آباد عرف رامپور، پٹھانوں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی، لیکن علم و فضل کے اعتبار سے ایک قدآور شہر تھا، اور ایک زمانے میں بخارائے ہند کے نام سے مشہور تھا، یہ عظیم خطہ علماء و شعراء، اطباء و صوفیاء اور عظیم سیاسی لیڈروں کا مولد و مسکن رہا ہے۔  
علامہ عمر محقق زمانہ مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرنگی محلی فرزند مولانا نظام الدین سہالوی مؤسس درس نظامی، رامپور کی شہرہ آفاق درسگاہ مدرسہ عالیہ کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے تھے۔ اور مشہور منطقی و فلسفی ملا محمد حسن جن کی شہرہ آفاق منطق کی کتاب ”ملاحسن“ جو ہندوپاک کی ہر بڑی عربی درسگاہ میں داخل نصاب ہے، مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس رہے اور

رامپور ہی میں پیوند خاک ہوئے۔

ادیار اللہ میں مقتدائے مشائخ حضرت سید عبداللہ شاہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، اور مشہور بزرگ حافظ شاہ جمال اللہ علیہ المرتبہ نے بھی رام پور ہی کو اپنا مسکن بنایا اور ہر دو بزرگوں کی آخری آرام گاہ بھی رامپور ہی ہے۔ اول الذکر بزرگ کے بغداد سے دہلی پہنچنے پر مشہور نقش بندی و مجددی بزرگ حضرت میاں مظہر جانجاناں اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد حضرت مولانا فخر الدینؒ نے موسوف کی پالی کو کاغذ عبادت دیا تھا۔

شیخ شیوخ العالم امام الصوفیاء: شاہ احمد سعید مجددی کا وطن بھی رامپور ہی ہے، جن کے مدین و خلفاء میں عرب و عجم کے نامور علماء و مشائخ شامل تھے۔

امام منطق و فلسفہ، مجاہد آزاد، مہند علامہ فضل حق خیر آبادی، اور ان کے صاحبزادے بزرگ، سینائے ہند، علامہ منطق و فلسفہ کے استاذ اعظم علامہ عبدالحق خیر آبادی، جن کی کتاب پر تیس سو، زبیر ہند میں کئی روز کی تعطیل کر دی گئی تھی، اور جن کی کتابیں ان کی حیات ہی میں داخل نصاب ہند و مصر ہو گئی تھیں، اسی مدرسہ عالیہ رامپور میں مدت مدید تک پرنسپل رہے۔

اور اسی بخارائے ہند کی خاک پاک سے عظیم محدث میاں محمد شاہ صاحب استاذ مولانا ابوالکلام آزاد و علامہ شبلی نعمانی، اور میاں صاحب کے والد بزرگوار سید حسن شاہ صاحب محدث پیدا ہوئے۔

بوعلی سینائے ہند حکیم اعظم خاں رامپوری کی عظیم طبی تصانیف، اور مشہور نورخ مولوی نجم الغنی خاں صاحب کی عظیم علمی تصانیف کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آخر الذکر سے دوران گفتار تصویر فطرت شمس، معمار خواجہ حسن نظامی نے کہا تھا کہ مولانا میری مصنفات کی تعداد تین بیڑا بیڑہ سو ہے، (اس وقت غالباً خواجہ صاحب کی مصنفات کی تعداد دو سو تیس ہونے لگی، لیکن آپ کی ایک ہی کتاب میری تمام کتابوں سے زیادہ ضخیم ہے۔



مورخ اعظم علامہ شبلی نعمانی اور موجودہ صدی کے ہندو پاک کے سب سے بڑے  
عربی زبان و ادب کے ماہر علامہ عبدالعزیز مبین نے بھی اسی مدینۃ العلوم رامپور کے مدرسہ عالمیہ  
میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اور یہیں مشہور عالم مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے علامہ  
عبدالعلی ریاضی داں کے سامنے زبانوں کے علم ذہنہ کیا تھا۔

طبقة شعراء میں مشہور شاعر قائم چاند پوری اور بقول مولانا عرشی مرحوم ثم رامپوری  
کاسکن و مدفن بھی رام پور ہی ہے۔

جگت استاد داغ دہلوی اور عظیم شاعر امیر مینائی کے مدت تک یہاں رہنے کی  
وجہ سے رامپور کو شاعری کے ایک تیسرے دبستان ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔  
نظام رامپوری کی حسین غزلوں اور شیخ علی بخش بیار رامپوری کی شاعری کو اردو زبان  
فراموش نہیں کر سکتی۔

اور غالب کا تذکرہ رامپور سے تعلق کے بغیر نامکمل ہے۔

اور اس آخری دور انحطاط و زوال میں بھی مولانا محمد علی جیسا عظیم سیاست داں اور  
مرد مجاہد جس کے متعلق کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اور عظیم و مشہور  
عالم و ادیب مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی مرحوم بھی رامپور ہی میں پیدا ہوئے اور  
یہیں علمی میدان میں چلنا اور دوڑنا سیکھا۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، ذکر تھا مولانا سید عبدالداائم الجلالی کا۔ مولانا جلالی  
مرحوم و مغفور عصر حاضر کے بلند پایہ عالم، بلکہ جامع العلوم تھے، تفسیر و حدیث، فقہ و ادب،  
منطق و فلسفہ اور تصوف پر گہری نظر رکھتے تھے، مطالعہ و تبلیغ تھا، علوم متداولہ مستحضر  
تھے، وہ خطابت و تحریر دونوں میدانوں کے شہ سوار تھے۔

مولانا اعلیٰ درجے کے کامیاب مدرس تھے، منطق ہو یا فلسفہ، ادب ہو یا تفسیر،  
یعنی علوم عقلیہ و نقلیہ جدید و قدیم دونوں کی کتابوں کے پڑھانے کی صلاحیت و استعداد آتا

رکھتے تھے، کسی بھی مضمون کی کتاب جو اُن کے سپرد کی جاتی تھی، بہت عمدہ طریقے سے نہایت زودانی کے ساتھ پڑھاتے تھے جس سے کہ طالب علم مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا تھا۔ میں نے مرحوم سے عربی ادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھی ہیں، مقامات حریری جو عربی ادب کی نہایت مشکل کتاب ہے، اور جس میں مغلق و دقیق الفاظ و عبارات بکثرت ہیں، بغیر مطالعے اور بغیر غور و فکر تامل کے پڑھایا کرتے تھے، اور ترجمہ اس قدر عمدہ کرتے تھے کہ اس سے بہتر ترجمہ ممکن نہیں تھا، عموماً ایک عربی لفظ کے معنی ایک ہی اردو لفظ میں بیان کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عربی لفظ کا مقابل کوئی دوسرا اردو مترادف اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا ایسا نہیں تھا کہ ایک لفظ کی تشریح دس دس الفاظ میں کریں تب کہیں طالب علم مفہوم سمجھے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ عربی الفاظ کے زیادہ معانی نہیں جانتے تھے، وہ حافظ لغت تھے جس طرح عربی زبان اپنے اندر بے پناہ وسعت رکھتی ہے، ایک ایک عربی لفظ کے دس دس، بیس بیس، پچاس پچاس معانی ہیں، اسی طرح مولانا بھی ایک ایک عربی لفظ کے دسیوں معانی جانتے تھے۔

تفسیر قرآن پر عبور و بصیرت کے سلسلے میں مولانا کے دو واقعے بیان کر دیں گا، اور وسعت معلومات تصوف کے متعلق بھی دو واقعے بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ تقریباً ۱۸ سال قبل مسجد درگاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ میں تراویح میں ختم قرآن کی مجلس تھی، حضرت مولانا زید ابوالحسن داعی تھے اور مولانا مدعو، کوئی بڑا اجتماع نہیں تھا، البتہ حاضرین پڑھے لکھے تھے۔ مولانا جلالتی مرحوم نے قرآن کریم کے نزول و سبب نزول پر نہایت جامع اور بصیرت افروز تقریر کی، کیا عرض کروں اس تقریر کے متعلق، معلوم ہوتا تھا کہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، حضرت مولانا زید جو خود ایک متبحر عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہیں، جھوم رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کیا تبحر علمی ہے، افسوس کہ ٹیپ ریکارڈ نہیں تھا کہ تقریر ٹیپ کر لی جاتی۔

دوسرے واقعے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ مولانا جلالی مرحوم نے قیام دہلی کے دوران مسجد گلی قاسم جان دہلی میں دو مرتبہ قرآن عظیم ترجمہ و تفسیر میں ختم کیا۔

مولانا نہایت پابندی کے ساتھ روزانہ اپنے مکان واقع گلی مدرسہ والی نزد جامع مسجد سے گلی قاسم جان قبل از نماز فجر جایا کرتے تھے، حالانکہ یہ پابندی مولانا کی افتادِ طبع کے خلاف تھی، غالباً کبھی انہوں نے ایسی پابندی نہیں کی ہوگی۔

مسجد مذکور میں ترجمہ و تفسیر کی ابتداء کا واقعہ بھی کافی دلچسپ ہے، دہلی کے ایک لائق و مشہور عالم اس مسجد میں مدت دراز سے ترجمہ کلام اللہ کیا کرتے تھے، ختم کے روز مولانا جلالی کو اختتامی تقریر اور دعا کے لئے دعوت دی گئی، مولانا نے اپنی تقریر میں سورہ اخلاص کے معانی و مطالب پر روشنی ڈالی، الوہیت و توحید اور صمدیت کا مطلب بیان کیا، تخلیق و تولید کا فرق واضح کیا، غالباً تین روز میں تفسیر قل هو اللہ مکمل ہوئی۔ معین اس سورت کی جسے وہ اپنی پنجوقتہ نمازوں میں پڑھا کرتے تھے تفسیر و تشریح سے بہت متاثر و متکون ہوئے اور جبران و صدر منتظر کنبی مسجد نواب خسرو مرزا صاحب نے کہا کہ اب آپ ہی اس مسجد میں ترجمہ و تفسیر کا درس دیا کریں، مولانا نے ہر چند منع کیا، لیکن دوسری طرف سے پیہم اصرار کی وجہ سے مولانا نے تفسیر کا درس شروع کیا۔

تصوف پر نگہری نظر اور وسعت معلومات کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے ہوتا ہے:

چند سال قبل امیں اور مولوی ڈاکٹر ماجد علی خاں لیکچرر جامعہ کالج مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، ڈاکٹر ماجد علی خاں باضابطہ سلسلہ تصوف میں داخل ہیں، نیز رموز تصوف سے واقف، گفتگو کا رخ تصوف اور وحدت الوجود کا باضابطہ نظریہ پیش کرنے والے حضرت غی الدین ابن عربیؒ اور ان کی لائق کتابوں کی طرف مڑ گیا۔ مولانا نے اس وقت طویل تقریر نہیں کی، بلکہ چند سوالات کیے اور مختصر طور پر چند رموز تصوف بیان کیے



جس پر ماجد علی خاں صاحب کہنے لگے کہ آج معلوم ہوا کہ ہم بے پڑھے لکھے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر کچھ نہیں پڑھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ذکر تھا مجاہد غریب و زہیم مقالات حضرت نظام الدین اولیاء کا، مولانا فرمانے لگے کہ یہ کھانا اور بیان کتنا بہت آسان ہے کہ حضرت محبوب الہی کی کب اور کہاں ولادت ہوئی، لباس کیسا پہنتے تھے، کھانا کیسا تناول فرمانے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حضرت کی زندگی کا اصل مقصد، جس کی تہذیب میں حضرت نے اپنی عمر صرف کر دی، یعنی حقیقت تصوف، پیر بر ایک کے بس کی بات نہیں، اور اس چیز یہی ہے، بعض اوقات تصوف خصوصاً طریق وحدت الوجود پر بھی صحبتوں میں سہایت، بصیرت، نذرت، تقریر فرماتے، روز، شذائت تصوف، جہان کی تفسیر بیان اسبغی ان میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے منتسبین میں بہت کم حضرت کو یہ معلوم ہو گا کہ مولانا جلالی طریق وحدت الوجود کے قائل و حامی تھے۔

مولانا جلالی مرحوم ذہانت کے اعتبار سے عبقری جیسا ہیں، تھے۔ ان کی ذہانت کے بہتے واقعات ہیں جو ان کے شاگردوں اور احباب کو یاد ہوں گے، میں چند مختصر واقعات اس سلسلے میں بیان کروں گا۔

مولانا جلالی مرحوم کے فارسی زبان و ادب کے سخی امتحان منشی فاضل جو، اس زمانے میں نہایت مشکل اور اہم امتحان ہوتا تھا، کے پاس کرنے کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ مولانا نے ارادہ کیا منشی فاضل کے امتحان دینے کا جبکہ صرف ۲۵ روز بعد امتحان ہونے والا تھا، علی نقی صاحب شاد ماں جو فارسی امتحانات کے مدرسہ عالیہ میں انچارج تھے، ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ نصاب کی کتابیں آپ کے پاس ہیں نہیں، دن بہت تھوڑے باقی ہیں، آپ کیسے امتحان دیں گے، مولانا نے اپنے برادر حقیقی مولوی سید عبدالسلام میاں صاحب سے کہا کہ امتحان ضرور دوں گا۔ رامپور کے ایک اور صاحب جن کے

والد سے مولانا کے والد بزرگوار کے تعلقات تھے منشی فاضل کے امتحان میں شریک ہوئے تھے، ان کے والد ہی کے ذریعہ طے ہوا کہ ان کی کتابیں مستعار لی جائیں، چنانچہ ایک کتاب صبح ساڑھے نو بجے لی جاتی تھی اور پانچ بجے شام واپس کر دی جاتی تھی، یعنی ایک کتاب کا مطالعہ صرف ایک روز کیا، بس یہی تیاری تھی۔ امتحان دیا اور اچھے نمبروں سے پاس ہوئے۔

وزیر احمد صاحب ریڈ ماسٹر تھیں اسکول راجپور نے فارسی میں ایم اے کا امتحان مولانا سے پڑھ کر دیا تھا، موصوف فرماتے تھے کہ میں نے ایسا انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا، فارسی کی جو کتاب ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں، بغیر مطالعے کے اپنی زبان سے اس کا مطلب سمجھا دیتے ہیں، گھر آکر جب قافلی اور خاقانی کی شروح دیکھتا ہوں، تو سب کچھ وہی ہوتا ہے جو مولانا سمجھا دیتے ہیں۔

غالباً ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۴ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ قادری راجپور تشریف لائے، مدرسہ عالیہ راجپور میں آپ کے خطاب سے قبل چند توصیفی کلمات۔ حضرت شیخ الاسلام کی شان میں مولانا جلالی نے کہے، مولانا مدنی نے اپنی تقریر میں اظہارِ نامائنگی فرمایا کہ لوگ میرے متعلق تعریفی کلمات کہتے ہیں مبالغہ کرنے پر جونا سنا ہے، تقریر ختم ہونے کے بعد مولانا جلالی شکریہ ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، اور ترجمہ ان کلمات توصیفیہ کی بہت عمدہ فلسفیانہ انداز میں تشریح کی، اور ایک ایک تعریفی جملے کا جو انھوں نے مولانا مدنی کے متعلق کہے تھے ترجمہ کیا اور کہا کہ میں نے مبالغہ نہیں کیا، کیا حضرت مدنی ان صفات سے متصف نہیں ہیں، حضرت مدنی مسکرائے لگے۔

شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب خطابت و تحریر دونوں میدانوں کے شہسوار تھے، لیکن ان کی خطابت سے عوام کم اند خواص زیادہ مستفید ہوتے تھے، مولانا پیشہ وروا غلط نہیں تھے، اس لئے ان کی تقاریر میں اتنا چڑھاؤ

نہیں تھا، اور نہ ان کی تقریریں سادہ اور ایسی مربوط ہو سکتی تھیں جو ایک مبسوط مقالہ تیار ہو جائے، بلکہ تقریر مقالہ ہر ہوتی تھی۔ یہ سب غائب اکید می میں ایک ماہر تعلیم پروفیسر کا اردو میں ایک مقالہ سنا، کچھ روز بعد میرے خیال تھا کہ پروفیسر موصوف تقریر کر رہے ہیں، لیکن معاً یہ خیال دیکھ کر کہ ایسی مرتبہ تقریر مولانا جلالی کے علاوہ کون کر رہا ہے، فوراً بعد ہی تعجب رفع ہو گیا، پروفیسر موصوف مقالہ پڑھ رہے تھے تقریر نہیں کر رہے تھے۔ مولانا جلالی کس گفتگو میں مربوط اور منطقی اسلوب پر ہوتی تھی۔

مولانا کا دوسرا اہم میدان تصنیف و تالیف ہے، جس کے باعث وہ وفات کے بعد بھی زندہ رہیں گے اور طلبہ ان علم و جوہانِ حق ان کی تالیفات سے مستفید ہوتے رہیں گے، اور یہ عبادت مولانا مرحوم کی آخرت کے لئے باعثِ اجر ہوگی۔ انشاء اللہ اپنے ابتدائی دور میں تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل مولانا جلالی مرحوم نے ایک "مبتداۃ معلّم عربی" کے نام سے شاخ کیا جس میں ایک جانب عربی بیہوشی تھی اور دوسری طرف اردو۔

دوسرا مشہور قبیلہ جس کا اجراء پہلے "اتحاد" اور پھر اتحاد اسلامی کے نام سے کیا گیا، اس رسالے کی مجلسِ ادارت میں مشہور شاعر رازِ بداینی اور محشر عثمانی شامل تھے، رئیس التحریر مولانا سید عبدالدائم صاحب تھے، اس رسالے کے مضامین سے مولانا کی دستِ معنومات اور ایک لائقِ تعانی ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غالباً اسی زمانے میں مولانا رحیم نے ایک کتاب "شعرا عرب" علامہ شبلی نعمانی کی کتاب "شعرا مجسم" کے عزیز پر تالیف کو شروع کیا تھا۔ عجمی شعرا کا تذکرہ اردان کے حصہ پر تبصرہ پہلی جلد کی پہلی بطور مسودہ مولانا کے برادر خرد و جناب مولانا سید عبدالمصطفیٰ



کے پاس موجود ہے، اگر یہ کتاب طبع ہو جاتی تو طلباء و اساتذہ ادب عربی کے لئے کافی ادبی و علمی سرمایہ مہیا ہو جاتا۔

اور اسی دور میں مولانا نے استاذ عبدالحسین عراقی کی تالیف ”الزهور فی راہ نبوہ“ کے لئے عربی میں کافی مواد فراہم کیا، یہ کتاب رام پور اور نوابان کی بزبان عربی تاریخ ہے۔

مولانا سید عبدالدام صاحب کثیر الترجمہ اور سریع الترجمہ تھے۔ تقریباً پچاس سال قبل صحاح ستہ میں سے پانچ کتابوں، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ تجرید بخاری اور مشکوٰۃ النصایح کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ یہ سب تراجم زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ کتب مذکورہ کا سادہ اور شستہ زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو اس قدر عمدہ اور جامع ہے کہ ترجمہ پڑھنے کے بعد شرح کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حدیث شریف کا معیار، نیز احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔ ان تراجم سے عوام و فواہ و ولوں مستفید ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ سنا گیا ہے کہ ان میں سے بعض تراجم حال میں بعض چودہ مصنفین نے اپنے نام سے شائع کئے ہیں۔

امام الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ کا ترجمہ بھی انہیں کا کیا ہوا ہے جو پاکستان میں عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔

ایک چھوٹا سا رسالہ ”مبادی منطق و فلسفہ“ طلباء کے لئے تحریر کیا ہے، جو دس روز کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ رسالہ داخل نصاب جامعہ طبیہ و طبیبہ کالج ہے۔

تفاسیر کے ذکر سے قبل ایک عربی کتاب ”الغز والفکری“ کے ترجمے کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ یہ کتاب موجودہ دور کے ایک اخوانی عالم کی ہے، جس میں جدید اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں، یہ ترجمہ جماعت اسلامی کے کسی معتمد کے پاس محفوظ ہے، طبع نہیں ہوا ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہیں ہوگا کہ مولانا کو عربی بولنے پر گویا زیادہ قدرت  
نہی تھی، کیسے کہ پڑھانے اور ترجمہ کرنے پر چاہے جدید عربی ہو یا قدیم قدرت تامہ  
رکنے لگے۔ ختم و ادب عربی کے ناب تھے۔

[illegible][illegible]

اس تفسیر کے مؤلف ہیں علامہ تاجی شہید پانی پتی شاگرد رشید امام شاہ  
والی اس زبان کو ادبِ لطیف حضرت یوں جان جاتا ہے کہ ترجمہ ضروری اضافات  
کے ساتھ بزبانِ اردو مولانا سید عبداللہ صاحب جلالی نے کیا ہے، جو گیارہ ضخیم  
جلدوں میں ہے، مولانا نے یہ ترجمہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد شروع کیا تھا، گویا یہ  
بچپن کے آخری دور کی یاد نگار ہے۔ ترجمہ بہت عمدہ اور صاف و سادہ ہے کہ ہر ایک  
پڑھنے والا سمجھ سکے اور مطمئن ہو جائے، آسان زبان میں ہے، جو مولانا کی زبان اور  
تحریر نہیں معلوم ہوتی اور ضروری اضافات بشکل نوٹس کا انداز تحریر نہایت مشکل اور

فلسفیانہ ہے، جو مولانا کا طرز نگارش ہے، تعجب ہے کہ ایک ہی کتاب میں تحریر کے دو اسلوب ہیں، جو مولانا کے ماہر ترجمہ ہونے پر دال ہیں، غالباً ترجمے میں مؤلف کے اسلوب و طرز کی اتباع و پابندی کی ہے، اور اس کا لحاظ رکھا ہے کہ ہر شخص کتاب کا مفہوم سمجھ لے، اور ضروری اضافات میں اپنی بولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔

چونکہ مولانا جلالی خود ایک لائق مفسر تھے اس لئے اضافات میں کہیں کہیں مؤلف سے نہایت ادب کے ساتھ اختلاف بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ کتابت و طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے بہت عمدہ اور لائق تحسین ہے، جو حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب مدظلہ کے علم و فضل، حسن ذوق اور آپ کے ادارے ندوۃ المصنفین کے سلیقہ اشاعت کتب کا مظہر ہے، مفتی صاحب اس لئے بھی قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے ترجمے کے لئے سید عبداللہ صاحب جیسے لائق مفسر اور ماہر مترجم کا انتخاب کیا۔

آخر میں مولانا جلالی کی اہم اور مایہ ناز تالیف کا جس پر موصوف کو بھی ناز تھا۔ تفسیر قرآن عظیم جو "بیان السبحان" کے نام سے موسوم ہے، کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ تفسیر وسیم بکڈپو، فائن آرٹ پریس دیوبند سے ۳۲ پاروں میں شائع ہوئی ہے۔ کتابت و طباعت کے اعتبار سے ناقص ہے، بلکہ طباعت کتابت سے زیادہ قابل مذمت اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ہر پارے کے آخری صفحہ پر اشتہارات ہیں، کچھ پاروں کے آخری صفحات پر فیشن ایپل گھڑیوں، برقعوں اور زیورات کے اشتہارات بھی ہیں، اس پر مولانا مرحوم بھی اظہار افسوس کیا کرتے تھے۔

بیان السبحان موجودہ دور کی بہترین تفسیر ہے جو قدما کے طرز پر لکھی گئی ہے اور جس میں دلائل نقلیہ و عقلیہ دونوں بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا نے ترتیب اس طرح رکھی ہے، پہلے ترجمہ آیات قرآنی کا بین السطوریں، اس کے بعد تفسیر تفصیلی طور پر جس میں مفسرین کے اقوال بیان کرنے کے بعد قوی قول کو ترجیح دی گئی ہے، بعد ازاں مقصود بیان، یعنی خلاصہ آیات



جو نہایت جامع ہوتا ہے اور آخر میں اکثر مقامات پر رموز اشارات تصوف کہیں کہیں نکالت اور ضروری ہدایات کا عنوان بھی قائم کیا گیا ہے اور کہیں کہیں اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ لیکن قرآن و سنت و اقوال صحابہ کی روشنی میں بقدر امکان غور کر کے کلامِ الہی کے سر بستہ راز سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ہم کو انہی کی رہنمائی صحابہ کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید کے معارف جاننا اور کلام پاک کی تفسیر سمجھنا فرضِ قطعی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن موجودہ دور کی بہترین تفسیر ہے، اس کی عبارت میں روانی و سگستگی ہے۔ زبان کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجے کی ہے، اسی طرز مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن بھی بک عظمت تفسیر ہے۔ بلکہ علماء کی رائے ہے کہ نقشب اول مولانا آزاد کا رجحان قرآن ہے، اور نقشب ثانی مولانا مودودی کی تفہیم القرآن اضافات کے ساتھ، لیکن باعتبار کثرت اقوال مفسرین و طریقہ متقدمین اور رموز تصوف، مولانا جلدی کی تفسیر مفرد ہے۔ یہ تفسیر عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ اس سے خواہش بھی جن میں طلباء و سائنہ اور صوفیاء بھی شامل ہیں، استفادہ کرتے ہیں۔

ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو :

سَابَّأْنَا وَابْعَثْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا  
وَلِيُعَلِّمَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيَهُمْ  
کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں :

تفسیر : گذشتہ آیات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمنی طور پر دعائے ابراہیمی میں دخل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے صرف امت مسلمہ کے لئے دعا کی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ صراحتہً اپنی دعا میں حضورِ گرامی کا تذکرہ

کرتے ہیں، اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کعبہ کی حفاظت اور نگہداشت امت مسلمہ کرے گی، لیکن امت مسلمہ کو ضرورت ایک سردار کی ہوگی، جو ہر طرح سے اس امت مرحومہ کی قیادت کرے گا، اور تمام سعادات و برکات اسی کے چشمہ فیض سے وابستہ ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ الہی امت مسلمہ کے لئے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمانا، اور یہ رسول نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ ہو، اس کے اندر وہ اوصاف و اخلاق اور نور معارف موجود ہوں جس سے عام و خاص، جاہل و عالم، تاریک و ماغ رکھنے والے اور نور فطری کے حامل سب یکساں فیضیاب ہوں اور ہر شخص اُس کے چشمہ فیض سے سیراب ہو۔

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ، یعنی عام لوگوں کو تیری آیات اور مقدس کلام پڑھ کر سنائے، اُن کو شریعت الہیہ کے ظاہری احکام بتائے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ، یعنی جو لوگ عالم ہیں، لیکن علماء میں ان کا مرتبہ امتیازی نہیں بلکہ عمومی ہے، تو ایسے علماء کو وہ کتاب مقدس کی تعلیم دے، احکام اور اولہ بتائے، فروع و اصول سے واقف کرے اور دلائل توحید و نبوت سمجھائے،

وَالْحِكْمَةَ، یعنی جو لوگ علماء میں امتیازی شرف رکھتے ہیں، قوت اجتہاد کے مالک ہیں، علمی تبحر اور وسعت معارف کی وجہ سے صرف احکام و اولہ کا علم ان کے لئے سیرکن نہیں ہے، بلکہ اُن کو اسرارِ حقائق کی ضرورت ہے، تو ایسے لوگوں کو اسرارِ شریعت کی تعلیم دے، حقائق و معارفِ الہیہ بتائے، رموز کتاب سے واقف کرے۔

وَيُزَكِّيهِمْ، یہ مرتبہ خاصانِ خاص کا ہے، اولیائے امت ہی اس مرتبہ

سے سرفراز ہیں، ان کے نفوس قدسیہ ہو یہ ہو کمال نبوت کا آئینہ ہیں، جن کے اندر نورِ نبوت چمکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نبی روشن روح رکھنے والوں کے تزکیہ کا بھی سبب ہے، ان کے آئینہ دل میں اپنی روحانی تعلیم کے پانی سے تمام سیاسی اور رنگ دور کر کے اپنے فیوضِ قدس اور نورِ رسالت سے ان کو منور کر دے۔

مقصودِ بیان : رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ذات گرامی اور تمام امت مسلمہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔

امت اسلامیہ میں چار طبقات ہیں، عام، خاص، خاص الخصاص، اخص الخصاص۔ عام کی ہدایت کے لئے صرف معجزات اور ظاہری آیات قرآنیہ اور فرامینِ نبویہ مخصوص ہیں، خاص کی ہدایت کے لئے احکام، ادرہ، فروع و اصول، درجہ توجیر و ہدایت رسالت کا علم ضروری ہے۔ خاص الخصاص کے افادے کے لئے سرابِ شریعت، حقائق و معارف اور رموز کی تعلیم ضروری ہے۔

اخص الخصاص میں تخلیہ رذائل اور تجلیہ بالفضائل کا مادہ تو موجود ہی ہوتا ہے، ان کی روحیں سعید اور دل مادہ ہدایت سے لبریز ہوتے ہیں، لیکن تخلیہ کے بعد ان کے قلوب ک صفائی اور تجلیہ و تزکیہ کی بھی احتیاج ہے، اور یہ سب کام جس حسن و خوبی سے حضور اقدس نے انجام دیے وہ عظیم النظیر ہیں۔ حضور والا اشرف المخلوقات، اشرف الانبیاء اور خاتم النبیین ہوئے۔ سچ ہے:

كَلَّمَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ غَوَّيِهِمْ، آیت میں ایک لطیف طبع اس طرف بھی ہے کہ ہر شخص کا فہم ہے کہ وہ ہر مرتبے کو طے کر کے اوپر والے



# بازرسی و تحقیق

سپهسالار (مستوفی)

مستوفی است و در این امر تحقیق

در این امر تحقیق است و در این امر تحقیق

- |    |                               |                               |
|----|-------------------------------|-------------------------------|
| ۸۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
|    | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
| ۵۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
|    | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
| ۴۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
|    | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
| ۳۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
|    | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
| ۲۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
|    | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |
| ۱۰ | مستوفی است و در این امر تحقیق | مستوفی است و در این امر تحقیق |

مستوفی است و در این امر تحقیق

مستوفی است و در این امر تحقیق















١٠٠٠  
 ١٠٠٠

۲۵۰/۱۷ شریعت و فقه اسلامی

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय

پیرنگ

အနောက်-တောင်ဘက်

پندرہ روزہ اکتوبری

(<sup>۵۷</sup>بیت <sup>۵۸</sup>بیت)

- متعوضه چشما ۱۱۰ به عمر لاله جلد ۳۴

[illegible]

- نتیجہ: ہم کو کمالیہ اور اعلیٰ -

۱۳۰۴ / خرداد ماه - ایستگاه راه آهن تهران

۱۲۸۰ تا ۱۳۰۰ هجری قمری

انجمن

میں ہوئی اور انھیں میانی صاحب کے قبرستان میں اپنی خاندانی ادواڑ میں دفن کیا گیا۔

ان کی قبر سے ڈاکٹر محمد دین تاثیر، خواجہ عبدالحق فاروقی، سعادت حسن منٹو، مولانا احمد علی لاہوری، آغا حشر، احسان دانش، ڈاکٹر احمد عابد علی، سر شیخ عبدانقادر، عبدالعزیز نلک پٹا اور سعید بزمی کی قبریں زیادہ دور نہیں ہیں۔

## آغوشِ رحمت میں

انتہائی افسوس ہے کہ رضا مارچ صاحب کا رکن مکتبہ مبہان کی تانی صاحبہ ۵ مارچ ۱۹۸۳ء صبح دس بجے اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔ مرحومہ نہایت متدین، صوم و صلوة کی پابند اور بہترین معلمہ تھیں، خواتین میں شرعی امور کی ترویج کے سلسلے میں مرحومہ معروف تھیں۔ ان کی رخصت سے خواتین کے لئے اسلامی مسائل کے لئے ایک غلارہ پیدا ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم لپانندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے (آمین)

قارئین سے مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعا کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

(ادارہ)





ج لہذا تراویح چھ روزہ اور ہفتہ وار نہ کر کے روزانہ کی پوری سیرت  
میں داخل فرما دے۔ چھ روزہ چھ ہی ہفتہ وار سے زیادہ اہل تراویح

2-10-1848

[illegible]

لهم الشكر

دیکھ کر چلے پڑے۔

سورما حبز - سبھی انسان چھو - انہی کی جگہ سے

۱- بنام محمد و آل محمد

[illegible]

۱۰۰۰

۱- در آیه ۱۰۰ که در این آیه آمده است: «وَمَنْ يَرْجُ الْآخِرَ»  
 و هر که در آخرت رجاء داشته باشد، و در این آیه آمده است: «وَمَنْ يَرْجُ الْآخِرَ»  
 و هر که در آخرت رجاء داشته باشد، و در این آیه آمده است: «وَمَنْ يَرْجُ الْآخِرَ»  
 و هر که در آخرت رجاء داشته باشد، و در این آیه آمده است: «وَمَنْ يَرْجُ الْآخِرَ»  
 و هر که در آخرت رجاء داشته باشد، و در این آیه آمده است: «وَمَنْ يَرْجُ الْآخِرَ»

تہذیب و تمدن کے ارتقاء پر انسانی اور مادی امور کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ انسان ہی ہے جو ترقی کرتا ہے اور ترقی کرنے والے انسان ہی ہیں جن کی زبان میں قومیتیں پیدا ہوتی ہیں۔















درجے میں پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ انتہا پر پہنچ کر کمالات محمدیہ کا مکمل آئینہ اور مجسمہ اخلاق بن جائے، اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ عبادۂ ۱۹۸۱ء کا نھیاؤ بنی اسرائیل۔

آخر میں مولانا و استاذنا حضرت سید عبدالدائم صاحب کی زندگی کے منعلق چند ضروری معروضات اور بعض حضرات کے سوالات کے جوابات بھی عرض کر دوں۔  
مولانا مرحوم کبھی بھی طلبِ شہرت نہیں ہوئے، اسی لئے وہ عوام میں ایسی شہرت و قبولیت حاصل نہ کر سکے، جس کے وہ سہم تھے۔ خواص میں وہ ضرور ایک مشہور و مستند عالم تھے، لیکن یہ شہرت بھی بہت زیادہ نہیں تھی، اپنے بے پناہ علم و فضل کے اعتبار سے دوسرے عظیم و مشہور علماء کی طرہ سے وہ ہندوستان میں نہ کر سکے، جس کا انھیں استحقاق تھا، اس میں علاوہ خواہش و طلبِ شہرت نہ ہونے کے دوسرے موانع بھی ہیں۔  
۱۔ گوشہ نشینی، عوام سے ربط و زیادہ نہ ہونا۔

۲۔ اظہارِ صداقت و بیادِ جس سے عوام تو عوام خواص بھی گھبراتے تھے۔  
۳۔ جلالِ سادات۔

ایک بات اور بھی عرض کر دوں، ہر بنی پرند و مریداں ہی پرانند، مولانا کی پشت پر کوئی ایسا مدرسہ یا جماعت نہیں تھی، جو انھیں ان کا صحیح مقام و لائق اور ان کے علم و فضل کا پروپیگنڈہ کرتی۔

حالاںکہ یہ ایک حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جس کا میں نے بار بار مشاہدہ بھی کیا ہے کہ نہایت قابلِ لوگ بھی اور ایسے حضرات بھی جو ہر وقت مباحثے کے لئے تیار رہتے تھے، مولانا سے علمی گفتگو کرتے ہوئے گھبراتے تھے، اور ان کے منعلق دلائل سے لاجواب ہو جاتے تھے، نیز بریلوی و دیوبندی دونوں مکاتبِ فکر کے علماء ان کا اکرام اور اعترافِ علم و فضل کرتے تھے یا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔

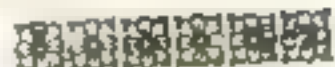
[illegible]

# BURHAN (Monthly)

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.

No D. (DN) 231

PHONE . 262815



MARCH 1984

165 -57

Subs 40 Per Copy Rs 3 50

## سینکارا 200 فی صد ٹانک

اور دوسرا نصف

100 فی صد

اپنی مثال آپ

حزوری دھاموں وغیرہ کے ساتھ

سنگین کرنا جس سے آپ کے

دماغ میں خون کی گردش

بہتر ہو جائے اور

رگڑنے والے جگہوں پر

درد ختم ہو جائے

اور آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

اس کا نفع

100 فی صد

دوسرے

ٹانکوں کے

سے

بہتر

ہو گا

اور

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو

آپ کو



مکدرد

مکدرد کی دوا کے طور پر استعمال کی جائے گی۔ اس کی دوا کے طور پر استعمال کی جائے گی۔ اس کی دوا کے طور پر استعمال کی جائے گی۔

ڈائریکٹر جنرل پریس جامع مسجد دہلی



اپریل ۱۹۸۴ء

ندوة اہلین دینی کا علمی و دینی مآہنامہ

برکات

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مترجم  
سعد احمد بک آبادی



# برہان

قیمت فی پرچہ  
تین روپے چالیس پیسے

سالانہ چندہ  
چالیس روپے

جلد ۹۲ | رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق اپریل ۱۹۸۲ء | شماره ۴

- |                                |  |     |
|--------------------------------|--|-----|
| ۱۔ نظرات                       | ۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی         | ۲   |
| ۲۔ ماوردی کے تصور وزارت کا     | جناب احمد حسن صاحب                     |     |
| تاریخی و تنقیدی جائزہ          | ۴۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ              | ۴   |
| ۳۔ چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق | جناب مسعود انور علوی                   |     |
| شاعر ابوالطیب المتینی          | ۲۲۔ علی گڑھ                            | ۲۲  |
| ۴۔ دشوا بھارتی یونیورسٹی کے    | عبدالوہاب بدرستی                       |     |
| فارسی، عربی اور اردو مخطوطات   | دشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی نیکیتن ۴۱ | ۴۱  |
| ۵۔ الواح الصنادید              | پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ           |     |
| ۶۔ تنقیر                       | ۴۹۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور              | ۴۹  |
|                                | ۲۵۲۔ س۔                                | ۲۵۲ |

عالمی مجلس علمائے پاکستان نے اعلیٰ بریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا



# نظرات

(۴)

مفسر اور مفسرین نے یہ سب علم و تحقیق جماعت کے حضرات پر اجتماعات  
میں شرکت کے جوہر پر بیان سے پس آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے ؟  
میں نے کیا یاد کروا لی وہ یہ ہے جو آپ نے بتائی ہے وہ سنا سنا نظر اور بابت  
افسوسناک ہے، چونکہ سب جرم کا نام لیا اور مسووریوں میں یہ منہ رو سے بڑھ کر، غریب  
اور کونسی تہمت اور وہاں مردوں اور عورتوں کے ان کے ایک ساتھ اجتماع ہوتا ہے،  
دوسری ایک سرحد نماز دار کرتے ہیں، ایک ساتھ خوف کرتے، ایک ساتھ روئے اذل  
پر سلام پڑھتے ہیں اور حج کے موقع پر مشاعرہ یعنی عزائم، مہمانداری میں دونوں  
دوسرے بدوش رہتے ہیں، حالانکہ ارشاد نبوی : "أحرام المرأة في وجهها عورت کا  
احرم ہی یہ ہے کہ اس کا چہرہ کھلا رہے، اور اس حدیث صحیحہ کی بنیاد پر حکم فقہی کے مطابق  
ان سب مقامات پر عورتوں کا چہرہ کھلا رہتا ہے، علاوہ ازیں قرونِ دہلی میں عورتیں  
، دونوں کے ساتھ مساجد میں عورتوں اور عید گاہوں میں خصوصاً نماز باجماعت ادا  
کرتی تھیں، چنانچہ ارشاد نبوی ہے : مسجد میں پہلی صف بائیں مردوں کی اس کے پیچھے  
نابائع لڑکوں کی اور آخر میں عورتوں کی صف ہونی چاہئے، اور عید کے موقع پر تو  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد لہر پہنچا دیا کہ عورتوں کو عید گاہ میں لے جایا کرو

تاکہ مسلمانوں کی کثرت آبادی کا اندازہ ہو اور میں اس کی بنیاد پر دوسری قوموں سے مسابقت کروں  
بہر حال اس سے یہ ثابت ہے کہ خواتین جن کو حضرت فاطمہ نے ”ریاحین“ یعنی پھول کہا  
ہے ان سے اتنی وحشت (نفرت نہ سہی) کہ جس اجتماع میں اسلامی آداب کے ساتھ موجود  
ہوں گی آپ اس میں شریک ہی نہ ہوں گے، قطعاً غیر اسلامی رجحان ہے، میں یہ جواب  
دے کر خاموش ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

لیکن اپنے نہان خانہ قلب میں یہ محسوس کر کے مجھ کو بڑا دکھ اور افسوس ہوا کہ جو  
صورت حال یہاں ہے وہی برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں ہے، یعنی جو علمائے کرام  
ہیں انھوں نے اپنی سرگرمیوں کو مدارس میں درس و تدریس، وعظ و خطابت اور سیرت  
کے جلسوں میں شرکت اور تقریر تک محدود کر رکھا ہے اور مسلم نوجوانوں میں جو حرکت پیدا  
ہو رہی ہے اور اسلام کی سر بلندی و سر فرازی کے لئے نہایت منظم طریقہ پر بڑے جوش  
اور دل کی لگن کے ساتھ وہ جو کام کر رہے ہیں، علمائے کرام بحیثیت ایک طبقہ کے اس سے  
کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ ایسا اوقات اس معاملہ میں ان کی روش جو  
مثبت ہونے کے معنی ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ طبقہ علماء اور نوجوانوں میں بعد و افتراق کی  
خلج روز بروز وسیع تر ہو رہی ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ پر علماء کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی  
ہے، پھر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامیات پر تحقیق و تصدیق اور اسلامی  
اداروں کی تنظیم و تعمیر کا جو کام انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں ہو رہا ہے، بلکہ ساری دنیا  
میں کر رہا ہے وہ ہمارے علماء کا غیبہ نہیں کر رہا ہے، اور اس طبقہ میں اب ایسے افراد  
بھی بکثرت ملیں گے جو علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیم اور ان میں ماہرانہ درجہ و بصیرت کے  
باوصف ماشار السد علم رہیں، دیکھا، سمجھتے ہیں، حافظ قرآن بھی ہیں اور قاری بھی  
مسجدوں میں امامت کرتے ہیں، تمام ملک میں قرآن مجید سناتے اور قرآن کا درس بھی دیتے

ہیں، ان سب امور کے پیش نظر ذرا بعید نہیں کہ آئندہ مسلمانوں کی دینی قیادت طبقہ علماء سے منتقل ہو کر انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے۔ اگر ایسا ہو، تو کسی کو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے، دے اپنے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے امداد و سر بلندی کے لئے کسی خاص جماعت و گروہ کا محتاج نہیں اس لئے یہ کام کبھی بادشاہوں سے لیا ہے، کبھی ارباب تہذیب و تمدن سے، کبھی صوفیائے کرم سے لیا ہے، در سبھی اسی ب علم و فہم اور اہل قلم سے۔

اسلام اگر اللہ کا دین ہے اور اسے قیامت تک دو دور اور سر فراز و سر بلند رہنا ہے تو ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسے مخلص اور خدمت گزاران دین پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کا نام اور کام روشن رکھیں گے، لیکن اگر مسلمانوں کی دینی اور ذہنی قیادت کا سر رشتہ علماء کے ہاتھ میں نہ رہا تو سوچنا چاہیے کہ پھر ہمارے سینکڑوں مدارس عربیہ و دینیہ کس مرض کی دوا بنیں گے اور ان کے وجود کی افادیت کیا ہوگی؟ یہ در حقیقت یہی وہ اندیشہ ہے جس کی بنا پر رقم اعرف صرف مدرسہ دراز سے تقریریں اور تحریروں میں مدارس کے نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کی اصلاح اور ان کی تنظیم جدید کا پرچار کرتا رہا ہے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ منتخب علماء و فضلاء پر مشتمل ایک بورڈ کی مدد سے بڑے بڑے مدرسوں کی محنت اور غور و خوض کے بعد ایک جامع اصناف شہادت بھی کر دیا گیا ہے جو سنٹرل وقف کونسل، نئی دہلی کے دفتر سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر علماء و جوان تعلیم یافتہ طبقہ کے معاملات و مسائل سے دلچسپی نہیں لیتے اور ان کی تحریکات و اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے تو اس کی



بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات انگریزی یا کسی اور مغربی زبان اور علوم جدیدہ سے ناواقف ہوتے اور اسی بنا پر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ موجودہ زمانے کے سماجی اور اقتصادی مسائل پر اگر گفتگو کریں گے بھی تو یہ گفتگو فن کی زبان میں نہ ہونے کے باعث مخاطب کے لئے اطمینان بخش اور یقین افروز نہ ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی مرحوم کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" ندوۃ المصنفین، دہلی کی طرف سے شائع ہوئی تو ملک میں دھوم مچ گئی اور کتاب بڑی مقبول ہوئی، لیکن جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جن کا خاص موضوع اقتصادیات (Economics) تھا اور جو اس زمانہ میں قرونِ باغ میں ہمارے قریب ہی رہتے تھے، انہوں نے اس کتاب کو بڑے شوق اور توجہ سے پڑھنے کے بعد فرمایا: اس میں شک نہیں کہ مولانا نے کتاب بڑی محنت و کاوش اور تحقیق سے لکھی ہے، لیکن اقتصادیات کے طالب علم کے لئے ناقابل فہم ہے، اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کتاب کو فن کی زبان میں فن کے اصول اور اس کے قواعد و ضوابط کے مطابق مرتب کر دوں، ہم نے عرض کیا: ڈاکٹر صاحب! یہ کام ضرور کر دیجئے، آپ کو بڑا ثواب ملے گا، ڈاکٹر صاحب نے پختہ وعدہ فرمایا، لیکن انیسویں! یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔

جو حال اقتصادیات کا ہے وہی حال سوشلوجی، پالیٹیکل سائنس، قانون اور فلسفہ مغرب کا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے سماجیات، سیاست، قانون اور علم کلام کے مسائل و مباحث پر سیر حاصل اور نتیجہ خیز گفتگو ان علوم میں درک و بصیرت کے بغیر نہیں ہو سکتی، ان حقائق کے پیش نظر ممالک عربیہ کے دینی مدارس اپنے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کر رہے ہیں، پھر ہم کیوں نہ کریں۔

# اسرائیلی کے تصور وزارت کا تاریخی و تنقیدی جائزہ

جناب احمد حسن دہلوی، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

موجودہ دور میں مملکت کے چار اجزاء بتائے جاتے ہیں: منہور ماہر علم سیاسیات پروفیسر  
گورکا جیاں ہے کہ مملکت بغیر چار اجزاء (ELEMENTS) کے مکمل نہیں جن میں اقتدار اعلیٰ  
(COVERED GNTY)، آبادی (POPULATION)، حکومت  
(GOVERNMENT) اور خطہ زمینی (TERRITORY) شامل ہیں۔ یہ وہ  
اجزاء ہیں جن کو ہر زمانہ میں ملحوظ رکھا گیا۔ جس طرح موجودہ دور میں اقتدار اعلیٰ کا  
مالک صدر اور حکومت کا مالک وزیر اعظم کہلاتے ہیں۔ یہی صورت حال اس دور کی بھی تھی جو  
فی الحال زیرِ مباحثہ ہے۔ رحمت رسولی کے نزدیک عیسائیہ تک مقتدر نے مختلف القاب و  
نہایت اختیار کے مثلاً خلیفہ، امیر المومنین، یا امام وغیرہ۔ موجودہ وزیر اعظم کے بجائے  
اس دور کے حکومت کے مالک کو فی وزیر کہا جاتا تھا اور عباسی دور میں حکومت کے

لے جیسا کہ وہ دن نپال، اسرائیل وغیرہ ملک میں ہے جو میں، طانیہ بھی شامل ہے۔

کے اس افسر اعلیٰ کو بھی مختلف خطابات سے یاد کیا جاتا تھا مثلاً اموی اسپین میں حاجب مشرقی ترکی میں دعوة دار اور زناتہ میں وکیل کہلاتا تھا۔

ماوردی وہ پہلا مسنف ہے جس نے ایک باقاعدہ تصور وزارت پیش کیا۔ اس مختصر مقالہ میں اس کے مکمل تصور وزارت کی توجیہ ممکن نہیں۔ لہذا ماوردی کے تصور وزارت کے چند اہم ترین پہلوؤں کی تاریخی توضیحات پر ایک نظر ڈالی جائے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دفتر وزارت کی ایک مختصر تاریخ پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

تنگرین اور مورخین مختلف رائے ہیں کہ اس ادارہ وزارت کی شروعات بیک پہلے کہاں اور کب ہوئی، عربوں نے کس مملکت کے اثر کے تحت وزارت کو بحیثیت انتظامی ادارہ قبول کیا اور سب سے پہلے کس شخص کو وزارت پر فائز ہونے کا شرف حاصل ہوا گو سبتن، آر۔ پی۔ تریپاٹھی، فریشر، ہنگر، انل چند بھڑتی جیسے نامور مورخین و تصدین کا خیال ہے کہ یہ ادارہ ساسانی دور کی ایجاد ہے۔ ہنگر کے مطابق لفظ وزیر اوستا کے لفظ و سراسے مشتق ہے۔ یہ رائے ناقابل قبول معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ساسانی دور کا وزیر بادشاہ کے مشیر کار سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور عملاً قاضی کے اختیارات کا مالک تھا جبکہ یہ دونوں کام عرب وزیر کے لئے محض ضمنی تھے۔ نیز یہ کہ ساسانی دور کی وزارت سے عباسی دور کی وزارت با اعتبار ہریت بھی مختلف معلوم ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں بھی مؤرخین میں اختلاف ہے کہ عربوں میں اس ادارہ کا تصور کب سے موجود تھا اور اس کا اطلاق کب ہوا۔ پہلی کے نزدیک یہ ادارہ ایرانی اثرات کے تحت وجود میں آیا۔ گویا ایرانیوں پر فتح سے قبل عرب اس ادارہ سے ناواقف تھے اور عربوں کی فتح کا بعد ازلیہ دوم حضرت عمرؓ بن خطابؓ کے سر ہے۔ یہ خیال بھی قابل قبول نہیں



اس سے کہ جب سب رومیوں اور آجینوں پر ایرانیوں کے طرز حکومت سے واقف تھے  
حضرت ابو بکرؓ کو رسول کا رہبر خیال کر کے کرتے تھے۔ یہی وجہ کہ عربی رسول اللہ کے وقت میں  
اس واردہ سے واقف ہوئے۔ جبکہ سب کے آمد سے قبل شعر۔ اس لغت کو استغناء کرتے  
تھے اور ان کی مراد ایک مددگار کی ہوتی تھی۔ نیز یہ کہ بنی ثنیہ میں انصار اور مہاجرین کے  
درمیان خلاء فتنہ کا تنازعہ اسی بنیاد پر حل کیا گیا کہ قریش میں سے یہ اور انصار میں سے وزیر  
مقرر کیا جائے گا۔ سو بنیہ پر ابو بکرؓ کا حکم متاثر ہو گیا۔ مگر انصار وزارت سے باز رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب وزیر کو کس ایک شہر اور وادی میں بھیجتے تھے بلکہ وہ اس  
کو آفریں بنا کر اس کا ہمدیا خیال کرتے تھے۔ یہ صورت حال نہ تو روز میں تھی، نہ ابیہ  
میں۔ بنیہ ان میں۔ رد میں ایک کو انھیں تھی جو بادشاہ کو ملکہ و بول میں انڈ  
دیا۔ آٹھ اور ان کے اصل کے میں سے جو شخص فوجی نظام کا مالک ہو تا تھا بادشاہ  
اور پوری و اس کی زبانہ اور یوں استغناء کیا کرتا تھا۔ ابیہ کا وزیر بھی ایک  
میسر کے برابر تھا اور کتابت میں کام لے گا تھا۔ اس طرح یہ کو باج سکتا ہے کہ یہ با اختیار  
ادارہ کا تھا جو اس کے مال و زمین میں نہیں میرا نہ تھا۔ جس گرت کا وزیر و براؤ  
بادشاہ کو ایک کاٹنی کے درپے حمال کرتا ہے۔ یہی طرح۔ وہ بر جو مدد گرت کا باقاعدہ  
نہ تھا۔ اختیارات اور اثر و سوتہ تھا کہ نہ

بہاں تک تصور وزارت کے بحالی اور عدل لائق ہے اس کی تصویر واضح  
دکھائی نہیں دیتی۔ اس کا حوالہ یہی ہے کہ کیا گیا اور سب سے پہلے کس شخص کو کس وقت

۱۔ "امدادی"۔ ختم اسلمیہ ۱۲۰۰ھ، ماہ ۱۲۳۰ھ

۲۔ "مصر العرب" ص ۵۵-۱۲۳، ماہ ۱۲۳۰ھ اور مقدمہ ابن خلدون انگریزی

ترجمہ از روز نقالی جلد دوم ص ۸۰

وزیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اولین خضفار نے شاید اپنے سیاسی تقاضوں کے تحت وزارت کو دانستہ طور پر ٹالے رکھا جبکہ ان کو اس ادارہ کی ضرورت بھی شدت سے محسوس ہوتی۔ ان کی ضرورت کا احساس اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں حضرت عمرؓ، حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت عثمانؓ، حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت علیؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں ابو عبید اللہؓ بن رافع وزیر کے فرائض انجام دیتے رہے لیکن عرف عام میں ان کو کاتب کہا جاتا تھا۔

اموی دور حکومت میں بھی عجم حالات کا علم نہیں۔ امیر معاویہؓ نے جہاں تمام نظام حکومت کو باقاعدہ منظم اور درست کیا اور نئے نئے ادارے قائم کئے وہیں ایک ادارہ دیوان الرضا بھی وجود میں آیا جس کے افسر کو کاتب دیوان کہا جاتا تھا اور یہی شخص خلیفہ کی سہنم کی مدد کرتا تھا۔ اس بات کے واضح ثبوت جو نہیں کہ یہ کاتب آزادانہ طور پر حکم جاری کر سکتا تھا یا نہیں۔ اس عہدیدار کو وزیر کی حیثیت حاصل تھی۔ اسی سے موجودہ دور کے مؤرخین یہ کہنے میں احتیاط سے کام نہیں لے پاتے کہ کاتب کو اموی دور میں وزیر کی حیثیت حاصل تھی جبکہ یہ رائے اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ کاتب آزادانہ فیصلے کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہنا بھی محال ہے کہ سواکس کی حیثیت وزیر بن سید کی سہ تھی۔ البتہ عبدالملک کا کاتب سالم اور مروان کا کاتب عبدالحمید بڑی حد تک آزادانہ طور پر کام کرتے تھے لیکن ان کے اختیارات اپنے دیوان تک محدود تھے اور حاجب کا عہدہ بھی اسی قدر اہمیت کا حامل تھا۔ حاجب، صاحب البرید، مؤذن اور خوراک کے افسر کے سوا کسی کو بھی خلیفہ کی ملاقات سے روکا جاسکتا تھا۔

۱۹۴۷ء  
ابن خلدون "افغری" انگریزی ترجمہ از سوری۔ ای۔ جے۔ ڈی۔ ونگلس ص ۱۵۸ الملک  
ابن خلدون ایضاً ص ۹

یہ وزارت عباسی وزارت سے میل نہیں کھاتی اس لئے کہ عباسی کاتب وزیر کے  
تالیع تھے نہ کہ مساوی۔ صحیح معنی میں دفتر وزارت خلافت عباسیہ ہی میں وجود میں آتا۔  
پہلا بھولا اور اسی دور میں نیست و نابود ہوا۔

نوشین کا خیال ہے کہ منظور بنیاد خلیفہ تھا جس نے خالد بن جعفر بن برکک کو پہلا  
وزیر مقرر کیا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ابو العباس سفاح کے دور حکومت میں  
وزیر کے لقب سے ایک نام ملتا ہے جنس بر بنیاد جس کو عام طور پر تاریخ میں  
ابو سہمنا الخدال کہتے ہیں۔ یہ لکھا جاتا ہے کہ سفاح کا باقاعدہ وزیر تھا جس کو خدیفہ  
نے قتل کروا دیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد برکک کو وزیر مقرر کرنے کو حکم ملا جسے تعمیل کرتے  
تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگ دربار ہونے کے باوجود اس لقب سے بچتے رہے۔ خالد  
بن برکک کا نام بھی انہی نسخوں میں سے ایک ہے۔ گونیش جو خود ایک فسطویٰ ہے یہ  
ثابت کرنے پر آمادہ ہے کہ عباسی دور حکومت کا سب سے پہلا باقاعدہ وزیر نہ تو ایرانی  
تھا نہ عرب نہ ایک دسلینی بلکہ یہ کسی کو مدعی ہے کہ دربار عباسی تھا، اس کا نام  
ابو عبیدہ تھا۔ ابو عبیدہ مدعی ہے کہ اس نے اس موقع ملا  
تھا۔ یہ تحقیق محض جذبات پر مبنی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اگر ابوسلمان، ابوایوب خوریانی  
اور خالد بن برکک کو وزیر تسلیم نہیں کیا جاسکے تو علیہ اس میں شک نہیں ہو سکتا  
طبری کی فہرست میں عبیدہ حقیقت کاتب نظر آتا ہے اور جہنس ہی بھی اس امر کی تصدیق  
کرتا ہے۔ البتہ مہدی کے مقرر کردہ وزیر یعقوب بن داؤد کے نام  
کو تصدیق طبری اور جہشاری دونوں کرتے

۱۔ اسلامک میگزین (۱۹۸۲) ص ۳۸۲۔

۲۔ طباطبائی۔ الفضا ص ۱۳۷ اور ۵۰ - ۱۳۹۔



ہیں۔ سیکس اس کو مفید کر دیا گیا اور ہارون نے قید سے رہا کیا بعد میں شہر مکہ میں ۱۸۶ء  
میں انتقال کر گیا۔

افیسر بن ابوسامح کی وزارت تک جو لوگ اس عہد سے یہ فائز ہوئے وزیر صلاحتوں  
کے نام سے اہل ان کی ذات کے خلاف کسی قسم کے الزامات نہیں پائے جاتے۔ مگر ہادی  
کے دور میں وزارت بجا رہے صلاحتوں کے ذاتی حشون کی بنیاد پر عمل کی گئی۔ جس سے خلافت  
امیر بن ابی ہاشم کی عظمت اور حرمت پر حرف آیا۔ ابوالہیم بن ذکوان کا تقریر  
اس بنیاد پر ہے کہ ہادی اور ذکوان کے تعلقات کی بدنام کن کہانیاں عوام میں گشت کرنے  
لگی تھیں۔ مگر اس وجہ سے ہادی کو خلافت سے محروم کرنا چاہتا تھا کہ مہدی کا انتقال  
ہو گیا۔

اس نشیب و فراز کے بعد وزارت ایک سرابی مرحصے میں داخل ہوتی ہے اور یہ  
ادارہ اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ  
وقت ہے جب حکومت ایک نائب کے ذریعہ چلائی جاتی ہے اور حکومت کی باگ ڈور  
ایک مسلمانانہ ہارون بن ابی ہاشم کے ہاتھ آتی ہے جسے نور محمد بن ہارون الرشید کے نام  
سے یاد کرتے ہیں۔ اس خلیفہ نے اپنے اتالیق یحییٰ بن خالد بن یعفر بن برمک کو اس  
کی اس خدمت کا معائنہ عہدہ وزارت بخش کر چکنا یا کہ اس نے ہادی کا پیش کیا  
ہوا بیس ہزار درہم کا تحفہ قبول نہیں کیا جس کے سبب یحییٰ کو مہدی کی اس بھیت

۱۔ طبری حصہ دوم ص ۲۳-۸۳۶، قاہرہ سنہ ۱۳۳۱ھ اور شیعاری کتاب الخوفا ص ۱۰۰

جلد اول صفحات ۱۶۱، ۱۸۱، ۱۸۶ قاہرہ ۱۳۳۱ھ

۲۔ طباطبائی۔ ایضاً ص ۸۳-۱۸۰

۳۔ طباطبائی۔ ایضاً ص ۱۸۹۔



مسرور تھا حکم دیا کہ وہ جعفر کا سر قلم کر کے پیش کرے اور فتنہ اور بھی کوفیدہ کر کے الترقع روانہ کیا۔ تم شعر پر پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ راکہ کی توبہ پر مبرا خزانہ نہ لیا ورنہ سزا کے مرتکب ہوں گے یہ

عمدہ دراز تک ہارون نے وزارت کے بڑے کام چلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا اور فتنہ بن رہی تو وزیر مقرر کیا مگر اب وزارت کی وہ فتنہ باقی نہ رہی۔ اس نے دفتر وزارت کے تحت آنے والے تمام دفاتر کے مختلف اہل اہل میں تقسیم کر دیا جن میں اسمعیل بن سراج کا نام سرپرست ہے جس کے زیر نگرانی دیوانہ اور دیوان الصوافی اور دیوان الرسائل تھے۔ دیگر تمام دفاتر بھی آزادانہ سر پر کام کرنے لگے۔

دفتر وزارت کی جو شکل یحییٰ کے دور میں تھی تقریباً وہی صورت مامون کے وزیر فضل بن سہل کے دور میں بھی ملتی ہے۔ یحییٰ کا لقب ذو حزارین تو فضل بن سہل کا خطاب ذو الریاستین تھا۔ فضل نے مامون کو تخت دلانے کے لئے امین کے مقابلہ میں جنگ کی۔ ہارون کی طرح مامون بھی بیس برس کا نا تجربہ کہ رشادہ بنا۔ ہارون کی طرح مامون بھی حکومت کے کاروبار سمجھتا رہا اور اسی طرح مامون نے بھی اپنے ذاتی سکون کے عوض ہارون کے بچے فضل کے نفس سے سیاست نہتہ و فتنہ حاصل کیا مگر فضل کے خاندان کو غم نہ ہوا۔

مامون کے بعد نہ تو خلافت اور نہ وزارت اپنی اصل حالت کو برقرار رکھ سکی۔ خلافت پر ترک غائب آئے تو وزارت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ عوجی امیر نہ صرف خلیفہ کو متاثر کرتا تھا بلکہ وزیر کو بھی ڈراتا دھمکاتا تھا۔ فیجنا ابو ثقر بن اسمعیل بن جہش کے عمارہ کوئی بھی شخص دس برس سے زیادہ وزیر نہ رہ سکا۔ جبکہ ایک برس





پاس عادلانہ اور انتظامی اختیارات بھی نہ رہے ہوں۔ لیکن یہ تمام اختیارات وزراء کے لئے محض ضمنی تھے اس لئے کہ وہ درحقیقت مالی اختیارات کا مالک تھا اور یہی سبب ہے کہ وزراء کے قتل یا قید غبن کے الزام میں ہوا کرتے تھے۔ ملک کی آمدنی و اخراجات کے لئے وزیر ہی ذمہ دار تھا۔ دیوان الخراج اور دیوان الاضمان عام طور سے براہ راست اس کی نگرانی میں کام کرتے تھے اور ان اداروں کے افسر اعلیٰ وزیر کے سامنے جواب دہ تھے۔

فوجی نظام بھی کبھی کبھی وزراء کو دے دیا جاتا تھا جسے وہ عارضی کے ذریعہ انجام دیتے تھے۔ جن وزراء کے پاس یہ اختیارات رہے ان میں سیکریٹری، فضل بن سہل، اسماعیل بن بلال کا نام سرفہرست ہے۔ اسی طرح غزنوی دور میں احمد حسن میمنڈی اور سبوقی دور میں نظام الملک طوسی کے اسماء گرامی بھی قابل ذکر ہیں۔ انھیں تمام اختیارات اور قوت کی بنیاد پر ماوردی نے وزارت کے دو درجات بیان کئے ہیں۔ ان درجات کو اکثر مؤرخین و مفکرین نے اقسام خیال کیا ہے لیکن ان کو اقسام کہنا قطعاً بے بنیاد ہے اس لئے کہ تاریخ اسلام کے کسی وزیر کو بحیثیت وزیر تفویض یا وزیر تنفیذ کہہ کر تقرر نہیں کیا گیا بلکہ ان کے اختیارات اور قوت کے پیش نظر ہی ان کا درجہ متعین کیا گیا۔ پہلے درجہ میں وہ وزراء شامل ہیں جو حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اس طبقہ کے وزراء کا مؤرخین نے خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ اسی درجہ کے وزراء کو ماوردی کی زبان میں وزیر تفویض کہا جاسکتا ہے۔ یہ وزراء بعض معاملات میں تو خلفاء سے بھی برتر ہو سکتے تھے مثلاً مالی معاملات۔ یہ وہ درجہ ہے جس نے اپنے حکمرانوں کا نام روشن کیا۔ عباسیوں میں براکہ، سامانیوں





صرف عامانہ اختیارات حاصل تھے۔

مختصر یہ کہ وزیر کو اپنی بقا کے لئے کم از کم چار فرائض انجام دینا پڑتے تھے یعنی نفاذ قوانین شاہی، اقدام، دفاع اور مالی ضرورتوں کی کمی کو پورا کرنا۔ نفاذ کے معاملہ میں وہ رعایا کی عادتوں اور وقت کے تقاضوں کو ذہن میں رکھتے۔ دفاع سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ کی دوستوں سے حفاظت کرے خواہ رشوت سے یا وعید سے۔ دوسرے یہ کہ مملکت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے حفاظت کرے اس کے لئے خزانہ معمور، مملکت آباد و خوشحال، فوج مرتب و مرصع رکھے۔ اور رعیت کو خوف و اضطراب سے محفوظ رکھے اس کے لئے پولیس اور انصاف کا معیار، انتظام کرے، قیمتوں میں اتار چڑھاؤ پر نظر رکھے، حکومت کے اخراجات کو عوام پر بوجھ نہ بننے دے۔ محصول کی وصولیاں میں قدرتی تقاضوں کا خیال رکھے یعنی محض ضابطوں کے سبب فصل کی کٹائی سے قبل محصول کی ادائیگی کے لئے کسانوں کو مجبور نہ کرے اس سے وہ اپنی زمین اور میل وغیرہ بیچنے پر مجبور ہوں گے اور بالآخر حکومت کی آمدنی کم سے کم تر ہوتی چلی جائے گی۔

جس طرح وزیر کے اختیارات غیر محدود ہیں اور وقتاً فوقتاً ان میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے اسی طرح ان کی صلاحیتیں بھی غیر محدود ہیں۔ خاندان برامکہ کو زمین میں رکھتے ہوئے مادر دی لکھتا ہے بھدیش نبونی ہے کہ التمد نے دنیا کو تلوار (سلیف)

راہ ادبہ الزیر..... مح ۱۰ صفحہ ۱۹۲۹ء

۱۰۔ ادب ص ۱۱-۱۰

۱۱۔ ایضاً ص ۱۲-۱۳ اور ۱۸-۱۶

۱۲۔ سیاست نامہ ص ۲۲

اور قلم کے نیے پیدا کیا اور تلوار کو قلم کے ماتحت بنایا۔<sup>۱۰</sup> ابن خلدون اسی بنیاد پر کہتا ہے کہ وزیر کو سیف و قلم پر قرار ہونا چاہئے۔<sup>۱۱</sup> آل ہرامکہ میں سیف و قلم پر قدرت رکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ پھر بھی وہ سیاست کے اگے رُہ میں ناکام ہوئے۔ ماوردی کہتا ہے کہ نسب کے سوا وزیر میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہونا چاہئیں جو خود خلیفہ کے لئے لازم ہیں بلکہ چند زائد شرائط بھی پوری کرتا ہو۔<sup>۱۲</sup> خلیفہ مایون الرشید جو فضل جیسے بالحد صحت و زبر کے قتل کا ذمہ دار تھا۔ ایک ایسے وزیر کو تلاش کرتا ہے جس کے اندر یہ تمام خوبیاں موجود ہوں۔ ”وہ عقیقہ و نشہ دار ہو، مہذب و تجربہ کار ہو، اسرار حکومت کا امین ہو، مشکل ترین کاموں میں مستعد ہو، جس کے حکوت سے جلم اور گفتگو سے غم نمایاں ہو، وہ سنگت کے اندر رہے بات سمجھ سکے، اس کے اندر ارادہ کا سا رعب، حکماء کی سی دور اندیشی اور اقتدار کی سی سمجھ ہو، اگر اس پر احسان کیا جائے تو ممنون ہو۔ اپنی چرب زبانی و رخصت صفت سے مدد پ کو موہ لے اور اس میں مجتہدین کی سی عقل و فراست ہو۔“

یہ تمام صلاحیتیں وہ ہیں جو تقریباً ہر وزیر تفویض کے اندر موجود تھیں اور تقریباً ہر وزیر تفویض کو خلیفہ، شہنشاہوں یا فوجی افسران کے غیظ و غضب کا شکار ہونا پڑا اور بہ اس دور کی سیاست میں وزراء کی ناکامی کا واضح ثبوت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ محض مندرجہ بالا صلاحیتیں وزراء کی کامیابی کے لئے کافی نہ تھیں بلکہ کامیاب ترین وہ شخص تھا جو یا تو خود کو سیاسی بحران سے علیحدہ کر لیتا یا جو ایک بہترین سازش کار

۱۰۔ ادب ص ۱۰

۱۱۔ ابن خلدون ص ۱۰

۱۲۔ امام کی صلاحیتوں کے لئے الاحکام صفحہ ۶ سے ۲۱ تک مطالعہ کیجئے۔

ہوتا تھا۔ وہ شخص اتنا ہی کامیاب رہا جتنا بڑا سازش کا رہا تھا۔ جس وقت بھی اپنے دشمنوں اور مخالفین پر اس کی گرفت کمزور ہوتی اس کی اپنی جان خطرہ میں پڑی۔ ایسے دشمنوں میں ہم پلہ جن میں شہنشاہ بھی شامل ہے اور ماتحت افسران دونوں ہی شامل ہیں۔ کم رتبہ لوگ بھی زیادہ رتبہ کی خاطر دشمن تھے۔ ایسی صورت حال میں وزیر کو چاہئے تھا کہ وہ حکمران کی خدمت کو مملکت کی خدمت پر ترجیح دے اور ماتحت افسران کو نہ تو اتنا ابھرنے دے کہ مصیبت بن جائیں اور نہ اتنا کمزور کرے کہ وقت پر ساتھ بھی نہ دے سکیں یعنی رشوت اور وعید دونوں طرز عمل اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ افسران میں حاجب سب سے زیادہ وزیر کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا اس لئے کہ سازش میں یہی عہدہ دار زیادہ بہتر رول ادا کر سکتا تھا۔ اگر دفتر کے اوقات میں وزیر حکمران کے قریب تھا تو ذاتی زندگی میں حاجب یا وکیل در اس کے زیادہ نزدیک رہا۔ یہی سبب ہے کہ وزیر کے قتل کے بعد حاجب یا وکیل در ہی اس کا جانشین مقرر ہوا مثلاً ابو ایوب کے بعد الزمی بن یونس، برامکہ کے قتل کے بعد ہارون کا حاجب فضل بن ربیع، فضل بن سہل کے بعد مامون کا حاجب حسن بن سہل اور احمد بن سہل وزارت کے عہدہ پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ نظام الملک طوسی کے قتل کے بعد وکیل در تاج الملک ابو الغنائم وزیر مقرر ہوا۔

اوپر کے بیان سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

- ۱۔ عرب اسلام کی آمد سے قبل بھی دفتر وزارت سے بنویں واقف تھے اسی لئے اس دور کی شاعری میں وزیر کا لفظ مستقل تھا اور تصور بنی ثقیفہ کے معاہدہ کے وقت پورے



ظور پر واضح نظر آتا ہے۔

۲۔ یہ طرزِ مطاعہ غیر موزوں معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ وزیر کا لسانی مطالعہ قرآن کو بنیاد بنا کر عربی سے کبریا سے اور بحیثیتِ ادارہ اس کی ابتدا ایران میں ہو اس لئے کہ کسی نہ کسی صورت میں یہ طرزِ مطاعہ اس دور کی تمام مملکتوں میں موجود تھے البتہ ان کے نام اپنی اپنی زبان میں رکھے گئے تھے مثلاً ایران میں زبانِ اوستا میں ”وسرہ“ تو ہندوستان کی سندھیت میں منتری کہا جاتا تھا اسی لئے ہر دی یہ تسلیم کرتا ہے کہ جو عربِ روم، ابی سینیا اور ایران کے طرز سے واقف تھے ابو بکرؓ کو رسول اللہؐ کا وزیر کہتے تھے۔

۳۔ یہ رائے بھی ناقابلِ قبول ہے کہ عربوں نے ایران کے اثر سے یہ ادارہ قائم کیا اس لئے کہ اگر ایرانی طرز کی وزارت کا عربی طرز کی وزارت سے مقابلہ کیا جائے تو عرب ادارہ وزارت ایرانی طرز وزارت سے بالکل مختلف ہے اور اختیاراتِ اثر و رسوخ کے مطالعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ عرب طرز وزارت ہندوستانی طرز وزارت سے کافی ملحق جھلتی تھی۔

۴۔ یہ موقف بھی ناقابلِ فہم ہے کہ اس ادارہ کی بنیاد خلفاء اور وزراء کے برادرانہ رشتہ پر تھی بلکہ اس دور کے سیاسی تقاضوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے وزراء کی ذاتی صلاحیتوں کا ان کے تقرر میں زیادہ دخل تھا اور وزراء اور خلفاء کا وہ دھڑلہ شریک بھائی ہو جانا بعض حسن اتفاق تھا۔ فاطمیوں نے اگر کبھی وزیر مقرر بھی کیا تو یہ کسی حد درجہ کے تحت۔ اس کے سستی ہونے کا اعتبار کیا اس لئے کہ مصر کی ازبیکستان مسلمانوں پر بھی۔

۵۔ ماوردی نے وزیر کے ان اختیارات کو نظریاتی پیرایے میں پیش کیا ہے جن کو اکثر وزراء اپنی صلاحیتوں اور حالات کے تحت عمل میں لاتے رہے۔

اختیارات وزیر کے ضمن میں لکھتا ہے کہ وزیر صرف ان کاموں کو انجام دے گا جن کا مرضی حکم ہے اور ان سے باز رہے گا جن کی ممانعت ہے۔

۶۔ وزیر کی تمام صلاحیتیں بگڑتی ہوئی سیاسی صورت حال میں ناکام ہو چکی تھیں سو اس کے لئے کہ وہ وقت کی نزاکت کو کس حد تک سمجھنے میں کامیاب تھا اور کس حد تک خود کو ان حالات میں ڈھال سکتا تھا۔ اسی لئے اس کو مشورہ دیا گیا کہ ایسے ایک اچھا سازش کار بن جائے۔ جہاں تک اس کے مذہبی ہونے کا تعلق ہے وزیر کو صرف ان قوتوں کو کھیلنے میں کامیاب ہونا چاہئے تھا جو مذہب کے نام پر سیاسی قوت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً قرامطہ وغیرہ۔

۷۔ ماوردی کے تمام تصور وزارت کی بنیاد تاریخی مثالوں پر رکھی گئی ہے اور اس کے طرز ادا میں حکمرانوں پر چبھتی ہوئی چوٹیں اور طنز موجود ہے البتہ ایک سرسری نگاہ ان کو تلاش کرنے سے عاجز ہے۔ الاحکام اور ادب الوزیر کی تصنیف کے وقت تک وزراء کی سرگزشت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے تصور وزارت کو ماوردی نے ایک خاص پیرایہ ادا میں پیش کیا اور اگر وزراء کے اختیارات، صلاحیتوں اور حکمرانوں کے ساتھ ان کے تعلقات پر ایک نظر ڈالی جائے تو قتل و غارتگری کی پوری تاریخ درپردہ سامنے آتی ہے اور اس کے تصور وزارت کو سمجھنے کے لئے ان تمام تاریخی واقعات پر نظر ڈالنا لازمی ہے جن کو ذہن میں رکھتے ہوئے ماوردی نے علم سیاسیات کی کتابوں کو ترتیب دیا، نیز یہ کہ قرآنی آیات کے حوالے سے ماوردی کی مراد یہ ثابت کرنا ہرگز نہیں کہ اس ادارہ کی ابتداء نزول قرآن کے وقت سے ہوتی ہے بلکہ اس حوالے کا مقصد دیگر اداروں کی طرح دفتر وزارت کو بھی اسلامیانے کی ایک کامیاب کوشش ہے تاکہ گیارہویں صدی کے مسلم سماج اور دیگر چیلنجوں کا یہ ادارہ بھی با آسانی مقابلہ کر سکے۔

چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق شاعر

## ابو الطیب المثنیٰ

از مسعود انور غلوی

**نام و نسب** ابو الطیب احمد بن الحسین بن عبد اللہ الجعفی الکندی ۳۰۳ھ میں کوفہ کے مشہور محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ ذکر ابی الطیب بعد الف عام میں بھی اس کی تائید ہے۔ جوزف الہاشم نے لکھا ہے کہ ۳۰۳ھ میں احمد بن الحسین بن الحسن الجعفی محلہ کندہ کے ایک نادار و مفلس گھر میں پیدا ہوا۔ اکثر لوگوں نے دادا کا نام عبد الصمد لکھا ہے جس کی تائید جرجی زیدان و زکریا مبارک نیز علامہ یوسف بدیع نے کی ہے۔ عمر فرغ نے لکھا ہے: **هو ابو الطیب احمد بن الحسین بن الحسن بن عبد الصمد الجعفی** ۱۵۰

۱۔ تاریخ آداب اللغة العربیة ج ۲ صفحہ ۲۸۵ اور ذکر ابی الطیب صفحہ ۴۰۔

۲۔ ابو الطیب المثنیٰ صفحہ ۱۶ ۳۔ المثنیٰ صفحہ ۲۲

۴۔ اسرار المثنیٰ عن حیثیۃ المثنیٰ صفحہ ۲۰

۵۔ تاریخ الادب العربی ج ۲ صفحہ ۸۵۸



جعفی اس کے دادا یا پردادا کا نام تھا جو یاقی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور کوفہ کے محلہ کندہ میں آکر آباد ہو گیا تھا جس کی نسبت سے متنبی کو بھی کنہی لکھا جانے لگا۔ اس کے باپ کا بہر حال جو بھی نام ہو وہ "عبدان السقا" کے نام سے مشہور ہوا، جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اس کا باپ جامع مسجد میں لوگوں کو پانی پلانے پر مقرر تھا اسی وجہ سے اس کو "عبدان السقا" کہا جاتا تھا، علامہ بدیع لکھتے ہیں کہ اس کے باپ حسین کو عرف عام میں "عبدان السقا" کہتے تھے۔ متنبی جب اپنے باپ کے ہمراہ کوفہ سے بغداد بھاگ کر پہنچا تو کسی نے اس کی ہجو میں مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے جس سے دوران قیام کوفہ اس کے پلتیہ کا پتہ چلتا ہے:

أَيُّ فَضْلٍ لِّشَاعِرٍ يَطْلُبُ الْفَضْلَ مِنَ النَّاسِ بَكْرَةً وَعَشِيًّا

عاش حینا یبیع فی الکوفة المـاء و حینا یبیع المـاء المحیا

وہ شخص جو صبح و شام لوگوں سے فضیلت و بزرگی کا خواہاں ہو کیا فضیلت حاصل کر سکتا ہے کہ جب تک کوفہ میں رہا آب فروشی کرتا رہا اور اب آبر و فروشی کرتا پھرتا ہے۔ وہ باپ کی طرف سے جعفی اور ماں کی جانب سے ہمدانی تھا اور دونوں خاندان یعنی تھے لہذا اس میں قبائلی عصبيت ہونا فطری تھا۔ اسی لئے اس کی ابتدائی شاعری پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بہت سے یمنی سرداروں مثل ابو شجاع بن محمد الازدی، علی بن احمد الطائی، علی بن یحییٰ، علی بن ابراہیم السنوخی و حسین بن السنوخی کی مدح میں قابل ذکر قصائد کہے لیکن اس کے باوجود اس کی تمام شاعری میں کہیں نہ

۱۔ تاریخ الادب العربی ج ۲ صف ۲۵۸۔

۲۔ تاریخ ادب اللغة العربیہ ج ۲ صف ۲۸۵۔

۳۔ الصبح المنی عن حیشیۃ المتنبی صف ۲۰۔



بیدری ایہما الامیر الامیر۔ لا لشیء الا لا فی غریب  
 اور ہم انہا اذا ذکرتی دم قلب فی دمع عین یدوب  
 اسے ملحق امیر میری مدد کیجئے کس وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ میں پر دوسرو  
 یوں یا یہ د اس مہربان ماں کی وجہ سے جو جب مجھے یاد کرتی ہے تو اس کے دل کا  
 خون لہہ بن کر آنکھوں سے بہتا ہے۔  
 نیز ایک اور قصیدہ میں جو حسین بن اسحاق القنوخی کی مدح میں ہے کہتا

ہے:

انفسی السکون وحضرموت ووالدتی وکندۃ والشبیخا  
 اسے حسین تیرے احسانات نے مجھ سے میرا مسکن، حضرموت، میری والدہ، محمد کندہ  
 اور کوفہ کا گھر سب بھلا دیے۔

اس نے اپنی ماں (نانی) کا مرثیہ بھی بڑے دل سوز انداز میں لکھا ہے جس میں  
 مکرر ہوا شعار ہیں، در ہر شعر اس کے دلی جذبات، نفسی کوائف اور غم و اندوہ کا  
 آئینہ در سے اس کا قصہ یوں ہے کہ جب وہ مصر سے بغداد ہجرت کر پہونچا تو اپنی نانی  
 کہ ایک فقید کچھ جس میں راستہ کے حالات و کوائف نیز اتنے غریبہ سے اس سے جہانی  
 و مہمات کے انشیاق وغیرہ بڑے عجیب انداز سے ذکر کیا۔ غرض دمانہ سے، اس کی  
 زانی کو اس کی خبر نہ تھی وروہ سخت مضطرب و بے چین تھی جوں ہی اچانک اس کو  
 سن کر خبر پڑی کہ یہ حالہ غم و غوش میں اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ مثنوی کو جب  
 پتہ چلا تو اس پر غم و اندوہ کے بہار ٹوٹ پڑے اور اس سدمہ جالکاکہ کا اس کے  
 قلب مضطرب پر بڑا اثر پڑا جس کے آئینہ دار اس کے یہ اشعار ہیں:

تاھا کتابی بعد یس و توحۃ فماتت سرور ابی فمات ما غما  
 فواسفی الا اکث ممفیداً لداہم و مدبر وادوار ما غما



وَالْأُنْثَىٰ مَحْتِ انْطِيبُ نَىٰ      کاب زکی مسک کان لہ جسم  
فاصبحت استقی الغمام بقبرها      ودر کند استستی الوعد والقدما

میر و زندگی سے رابوس اور نیچ و دل کے بعد میری نانی کے پاس زیر خط پہنچا تو  
وہ میری زندگی کی خبر پا کر ہرے خوشی کے مرگئی اور میں بھی اس کے غم میں لب گور ہو گیا۔  
بائے افسوس! میں تیرے پاس موجود نہ تھا کہ تیرے سر اور سینہ پر جو عقل و نالی  
سہ ہوتے منہ کے بل گر کر بوسہ دیتا

افسوس! میں اس پاک روح سے نہ مل سکے جس کا جسم شک کا پیکر تھا۔

بہ ہو! ایسا ہو گیا ہو کہ سر سر کو تروتازہ رکھنے کے لئے ہرستہ بارش  
کا ہر گارہوں و نہ بہتہ جنگ اور ٹھوس نیروں سے دشمنوں کے خون کی بارش  
مانگتا تھا

اس سوال کو جو بے کرتب سے اپنے باپ دادا کا نام کسی جگہ کیوں نہ لیا یہی ہو سکتا  
ہے کہ چونکہ وہ ایک نامور و عزیز و مفسر نامہ ان سے تعلق رکھتا تھا اس حال  
میں ممکن ہے اگر وہ اجداد پر فخر کرتا تو اس کا مذاق اڑایا جاتا اور اسے ہر طرف ملامت  
بنایا جاتا۔ گریہ وہ اپنی قوم و خاندان کو فخر و عجب سمجھتا تھا لیکن پھر بھی اپنے لئے  
باعث شرف و عزت نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے باپ دادا کے بجائے اپنے آپ پر  
فخر کرتا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار میں اس کی اتانیت پورے طور پر جھلک رہی ہے:

لَا الْقُوَى شَرَفَتْ بِلِ شَرَفِ ابْنِي      وَبِنَفْسِ فَخْرٍ لَا بِجَدِ وُدِي

وَلَا مِمَّ فَخْرُ كُلِّ مَنْ نَطَقَ الصَّلَاةُ      وَوَعُوذُ الْجَانِ وَغَوَاةِ الطَّرِيدِ

نعمہ اپنی قوم کے ذریعہ شرف حاصل نہیں ہوا بلکہ ان کو میری وجہ سے شرف  
حاصل ہوا۔ میں اپنی ذات پر فخر کرتا ہوں نہ کہ اپنے آباؤ اجداد پر حالانکہ اُن پر وہ  
تمام لوگ فخر کرتے ہیں جو ضاد کا صحیح تلفظ کرتے ہیں اور ہر زیادتی کرنے والے کو پناہ

رہتے ہیں اور دنیا کے دھنکارے ہوئے مصیبت زدہ کی فریادیں کرتے ہیں۔  
 علامہ بدیع لکھتے ہیں کہ ہر جگہ اپنا نسب چھیٹاتا تھا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ  
 تم ایسا کیوں کرتے ہو تو اس نے جواب دیا: اِنِّیْ اَنْزَلَ دَاثِمًا عَلٰی قَبْلِ الْعَرَبِ  
 وَ اَحَبُّ اِلَیَّ عَرَفُوْنِیْ خِیْفَةً اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمْ فِیْ قَوْمِیْ تَرِیْقَةٌ اِثَارًا  
 متنبی کی زمانہ ہی سے اس کے حسب نسب کے بارے میں خوب چہ میگوئیاں  
 شروع ہو گئی تھیں لیکن اس نے انہیں کبھی ردِ خور اعتنا نہ سمجھا۔ بلکہ ہمیشہ یہی کہتا  
 رہا کہ بلند حوصلہ انسان کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرے اور  
 ان کے سہارے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرے۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان ذاتی فضائل  
 کی بنیاد پر جب دشمنوں پر غلبہ پاسکتا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ اجداد کی شرافت و  
 نجابت کے گیت گاتا پھرے۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کی فضیلت و بزرگی  
 مجددِ سروری نیز برتری کا دار و مدار اعلیٰ نسب و صبی پر نہیں ہے بلکہ یہ چیز اس کے  
 کردار و عمل پر موقوف ہوتی ہے۔

اَرِیْ الْاَجْدَادَ تَغْلِبُهَا کَثِیْرًا      عَلٰی الْاَوْلَادِ اَخْلَاقُ الْمَلِٰ  
 وَلَسْتُ بِقَاطِعٍ مِّنْ کُلِّ فَضْلٍ      بَارِءٌ اَعَزَّیْ اِلٰی جَدِّہُمَا  
 میں اکثر یہ دیکھتا ہوں کہ آباؤ اجداد کے سہارے جینے والی اولاد میں ذلیل  
 لوگوں کے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں ہر فضیلت میں اس بات پر قناعت نہیں  
 پسند کرتا کہ وہ میرے بلند رتبہ اجداد کی طرف منسوب کر دی جائے۔  
 اور دوسری بات کو کس خوبی سے طاہر بن الحسین العلوی کی شان میں مدح  
 قصیدہ میں بیان کر رہا ہے:

اذا التکآن نفس النسیب کا صلہ      فاذی لذلّی تغنی کوام المناصب  
وما قد یبشّ اشباہ قوم اباعد      ولا بعدت اشباہ قوم اقام  
جب کسی حد تک شب کی نفس سے بزرگوں جیسا نہ ہو تو آباؤ اجداد کے  
بند مرتبہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں وہ رشتہ دار اپنے سے قریب نہیں ہو سکتے  
جو بعیدانہ خلاق قوم سے مشابہ ہونہ وہ غیر انہوں سے دور ہو سکتا ہے جو غریب  
قوم کے اخلاق کے مشابہ ہو۔

یہ بات مسلم ہے کہ وہ ایک غریب و نادار بزرگ نام، غیر معروف خاندان کا چھوٹا بچہ  
تھا لیکن خاتون بدوی عرب جو فصاحت و بلاغت میں شہر والوں سے کہیں آگے  
ہوتے ہیں عدم بدی لکھتے ہیں:

کان ابو الطیب وهو صریحاً فی حوائی مالکوفہ وکان محبا  
للعلم والادب۔ فصرح الیہ ان فی سادۃ وجاءت بعد سنین  
بدویاً قحاً۔

ابو الطیب بچپن ہی سے کوفہ کے اطراف و یونان میں سفر کر رہا تھا اور  
شہرانی تھا اعرابیوں کے بادیہ میں صحبت اختیار کر کے علوم و ادب میں گہرا  
پاس آیا۔

اس کے بہت سی کتابتیں تھیں اور مجموعہ ہونے کے کتب تواریخ سے  
تعمیر و تربیت | بہتر چلتا ہے کہ اس کی تعلیم عراق میں علویوں کے بعض مدارس میں  
ہوتی۔ وہیں اس نے لکھنا پڑھنا سیکھا اور علم صرف و نحو اور دیگر علوم لغت نیز  
شیعہ مذہب کے مطابق اصول دین کی تعلیم حاصل کی۔ جرجی زیہ ان نے لکھا ہے کہ



وہ بچپن ہی سے علم و ادب کا شائق تھا، اشعار کے یاد رکھنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا تھا۔ جب وہ تھوڑا بڑا ہوا تو اس کا باپ اس کو لے کر شام آگیا وہاں اس نے صاحبان علم سے کسب فیض کیا۔ سب سے پہلے عربی زبان پر عبور حاصل کیا۔ زمانہ بڑا ہیبت اور متقدمین کے بکثرت اشعار زبانی یاد کیے یہاں تک کہ اس کی زبان دانی کے چرچے ہونے لگے۔ عمر فروخ نے بھی اس کی تائید کی ہے<sup>۱</sup>۔ مقدمہ العرف الطیب میں ہے کہ اس نے اکابرین علمائے ادب مثل ابو الحسن اخفش، ابو اسحاق الزجاج، ابوبکر بن السراج۔ ابوبکر بن الدرید اور ابوعلی فارسی کسب فیض اور علمی استفادہ کیا۔ وہ جیسا کہ تاریخ بغداد "ابو الطیب المتنبی" نیز دیگر کتب سے پتہ چلتا ہے ۷ سال کی عمر میں یعنی اوائل ۳۲۱ھ میں شام پہنچا اور وہیں جوانی کی منزلوں کو طے کیا۔ شاعری نے نشو و نما پائی۔ زبان شمسہ ہوئی اور نکھر گئی اچنانچہ وہ عرصہ دراز تک کسب علم و عربی زبان اور اس کے محاورات سیکھنے کے لئے ملک شام کے مضافات میں گھومتا پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو زبان پر مہارت تامہ اور محاورات وغیرہ پر دسترس کاملہ حاصل ہو گئی۔ وہ بادیہ نشینوں کو جن کی زبان سب سے زیادہ صاف ستھری اور نکھری ہوئی تھی اپنے اشعار سناتا پھرتا اور نئے نئے محاورات اور ترکیب سیکھ کر اپنے علمی خزانے کو بڑھاتا رہتا غرض کہ وہ پندرہ سال یہاں رہا اور بادیہ نشینوں سے عموماً نیز بنی کلب سے خصوصاً بہت مانوس ہو گیا تھا۔<sup>۲</sup>

۱۔ تاریخ ادب اللغة العربیة ج ۲ صفحہ ۲۸۵۔

۲۔ تاریخ ادب العربیة ج ۲ صفحہ ۳۵۸۔

۳۔ العرف الطیب۔ شیخ ناصیف الیازجی۔

۴۔ ابو الطیب المتنبی۔ جوزف الہاشم ۱۶۔ ذکری ابی الطیب بعد الف عام صفحہ ۴۱۔

وہ بچپن ہی سے چٹھے اچھے انداز، اقوال، دیکھپ محاوروں اور عمدہ کتابوں کا شائق و دلدادہ تھا۔ صاحب ذکری ابی الطیب نے ایضاً مشکل کی روایت بیان کی ہے کہ وہ برابر کن بول سے استفادہ کرتا اور شاعری و ادب سیکھتا رہا۔ خطیب بغدادی نے تنوخی سے اور غنوں نے ابوالحسن نیر بن یحییٰ غوی سے روایت کی: انہما نشاء یحبّان العلم والادب والسرّ تعمّہما وکذا الکتابۃ والزمّ الادباء والعلماء وہ نمّ وادب کثیرا وکتبا یرثہما سیفہما اور ادباء و علمائ کی صحبتوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔

وہ بلا کا ذہین، نکتہ رس، بیدار مغز اور قوی الحافظ تھا۔ اس کی قوت حافظہ کا اندازہ اس کے بچپن کے ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ وہ اکثر خالی اوقات میں ایک کتب فروش کی دکان پر بیٹھ جاتا اور کوئی نہ کوئی کتاب عاریتہ لے کر اس کا مطالعہ کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز ایک شخص ابو عبیدہ کی تیس ورق کی لغت کی ایک کتاب فروخت کرنے آیا۔ متنبی نے اس سے دیکھنے کے لئے وہ کتاب مانگی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ کافی دیر کے بعد جب بیچنے والا تنگ آ گیا تو جھنجھلا کر طنز میں کہا: تمہارا صاحب زادے! ایک دن میں تو یہ کتاب یاد ہونے سے رہی اگر ایسا ہی شوق ہے تو اسے خرید لو ورنہ مجھے واپس کر کے چلتے بنو۔ متنبی نے جواب دیا لیکن یہ بتائیے اگر میں اسے یاد کر چکا ہوں تو آپ کیا انعام دیں گے کتب فروش نے برجستہ کہا اگر تم اس کتاب کو زبانی یاد کر چکے ہو گے تو میں یہ کتاب تم کو مفت دے دوں گا۔

۱۔ ذکری ابی الطیب صفحہ ۴۱۔

۲۔ خطیب بغدادی ۳ - ۱۰۳۔ ذکری ابی الطیب۔

اس بے چارہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اسے کتاب سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں گے۔ متنبی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ معاملہ باہم طے ہو گیا۔ وراق نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر زبانی سنانے کو کہا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب متنبی نے از الف تا یا پوری کتاب فر فر سنادی کہیں ذرا سا شبہ بھی نہ ہوا، چنانچہ وراق کو بے اختیار کہہ دینا پڑا۔ واللہ ما ساء لیت احفظ من هذا الفتی ابن عبدان قط۔ خدا کی قسم میں نے ابن عبدان سے زیادہ قوی الحافظہ کبھی کسی کو نہ پایا۔

متنبی کے ضخیم دیوان پر نظر ڈالنے کے بعد جس طرح ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ شعر و شاعری میں یکتائے زمانہ دیگانہ روزگار تھا۔ اس کا کوئی ہم عصر اس کا ہم پلہ نہ تھا بالکل اسی طرح ہمیں یہ بھی کہنا پڑے گا اور درست ہو گا کہ زبان و ادب اور لغت میں بھی اس کا ہمسر و مقابل کوئی نہیں اس کو اگر اپنے دور کا امام لغت کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس کو زبان اور عربی لغت پر اس درجہ عبور تھا کہ جب اس سے کسی بات کو پوچھا جاتا تو فوراً عربیوں کے کلام سے اس کی شہادت پیش کرتا۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ ابو علی فارسی نے جو اپنے دور کے زبردست ادیب اور متبحر عالم تھے متنبی سے پوچھا کہ فعلی کے وزن پر جمع کے کتنے الفاظ آتے ہیں اس نے برجستہ کہا صرف دو لفظ جلی اور ضربی۔ علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ میں تین شبانہ روز اسی ادھیڑ میں رہا کہ کوئی تیسرا لفظ ڈھونڈ لگا لوں مگر باوجود سعی بسیار کے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔





نے پکار کر کہا کہ کھڑے ہو کر پڑھو تا کہ سب کو سنائی دے۔ اس بات سے یہ بھی آبادہ تھا کہ اگر وہ کھڑا ہو گیا تو کیا خوب اس کی شرط خود اسی کے ذریعہ ختم ہو جائے گی کہ وہ قصیدہ ہمیشہ بیٹھ کر پڑھے گا۔ متنبی نے کڑا جواب دیا بلکہ تم نے سنا نہیں کہ

لکل امری من دھروہ ما تعودا

وہ شخص اپنا سامعہ لے کر رہ گیا اور متنبی نے پورا قصیدہ بیٹھ کر پڑھا۔

وہ جب تک سیف الدولہ کا منظور نظر رہا اس کے ہمراہ تمام غزوات و جنگوں میں شریک رہا لیکن جب دشمنوں اور حاسدوں کی ریشہ دوانیوں اور چغل خوریوں کی بنا پر سیف الدولہ اس سے بدظن ہو گیا تو بھی اس نے اس کی خفگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سردربار اپنا مشہور قصیدہ پڑھ کر خوب دل کی بھڑاس نکالی :

واحتر قلباً حتم قلب شہیم      ومن بجشہی وحالی عندہ نسیم

افسوس ہے کہ میرا دل اس شخص کی سٹش محبت میں جل رہا ہے جس کے دل میں میری محبت سرد ہو چکی ہے اور جس کے لئے میرا جسم پیکھوڑا ہوا ہے۔

وہ اپنی خود سری کی وجہ سے ہمیشہ اچھوٹے دیرے نیست بکا زعم باطن رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو تمام شعراء سے بڑا تر سمجھتا تھا۔ کافور سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے :

وفوادى من الملوك وان كان لسانی من الشعراء

میرا دل شاہانہ ہے اگرچہ میری زبان شاعروں کی سی ہے (شاعرانہ ہے) وَلَکِنْ قَلْبًا بَيْنَ جَنْبِي مَالٌ      مَدَى يَنْتَهَى فِي مَوَادٍ اخْدَعُ

مگر وہ دل جو میرے پہلو میں اس کے لئے آرزوؤں اور امیدوں کی کوئی انتہا

نہیں۔

اس کی خود سری و خود بینی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے :

امطعنك تشبیهی بہا و کانتہ      فما احدث فوقی ولا احدث مثلی  
تو میری تشبیہ دینے کا خیال لفظ "ما" و "کانت" سے چھوڑ دے اس لئے کہ نہ کوئی  
شخص مجھ سے بالاتر ہے اور نہ مجھ جیسا۔  
بلکہ اس سے بھی زیادہ ملاحظہ ہو :

ای محل ارتقی      ای عظیم اتقی  
وکل ما قد خلق اللہ      و ما لم یخلق  
محقق فی ہمتی      کثرة فی مفرق

میں کس بلند مرتبہ پر ترقی کروں اور کس بڑے شخص سے ڈروں و نامک دنیا میں جو  
چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں وہ سب میرے عزم و حوصلہ کے آگے اس طرح بے وقعت ہیں  
جیسے میری مانگ کا بال۔

اس کی خود داری اس حد کو پہنچی تھی کہ شیر نہ سے واپس کو فہ جاتے ہوئے اگرچہ  
ابونصر محمد اجملی نے اس کو ذنگ بن ابن اجمیل اور اس کے ساتھیوں کے عزم فاسد سے  
متنبہ کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ بغیر کسی مدد کے کوفہ چل پڑا۔ حب جاہ و خواہش مال و زر  
کس میں نہیں ہوتی ہے، بڑے بڑے لوگ اسی کے پیچھے ہدف لاسٹ بنے۔ اگر متنبی  
میں بھی کہیں حب جاہ و بے جا طلب کی خواہش نہ ہوتی جس کے پیچھے انھوں نے امر و  
نہی کی کئی اوقات سچی جھوٹی تعریفیں کیں تو وہ یقیناً بہت بلند افق و اعلیٰ کردار  
کا مالک ہوتا۔

۵۰۔ بخو در ذہن اخلاق والا نہ تھا بھلی بن حمزہ: بصری کا جو متنبی کے دلوان کا  
راوی ہے کہتا ہے :





کیا ہے :

وَأَنَّ مَحْزُورًا مِّنْهُ يَسْأَلُ يَهُودَ عَنِ الْبَخْلِ وَالرِّجَالِ وَيَسْأَلُ  
لُكُؤْنَ فِي سَبَبِ زَبَادَةِ مَخْخُوقِ طَامَتٍ وَهَذَا شَأْنٌ بَدِيعٌ حَقٌّ دُورُورٌ كَوْنُ بَخْلٍ بِرِجَالٍ مَّتٍ  
مُحْرَسٌ أَوْ رُفُودٌ كَنُجُوسٍ مَّوٍ

اس کی وجہ تو ایک وقت سے یہ معلوم ہو گئی۔ اُنہوں نے بار بار یہی کہہ دیا کہ وہ سب نے  
اس سے کہا بھلا بتاؤ کہ خود اپنے اس مدرسہ کُنُجُوس کی مذمت کرتے ہو انہیں تمہاری  
خود کی کُنُجُوس کے قہر سے لوگوں میں مشہور ہو رہی ہے۔

وَمِنْ بَيْنِ فِئَةِ السَّاعَاتِ فِي حَيْثُ

بَنِي مَسْرُودَ نَزِي مَعْلُ الْفُحُورِ

تو انہیں غصے سے درختوں کی ساری شاخیں ٹکڑے ٹکڑے میں ٹوٹ کر رہ گئیں تو اس کا  
یہ فعل ہے خود فقیر نے اس سے کہا کہ اس مدرسہ میں اور بھلائی میں گزر رہے گی۔

اس نے اس مدرسہ کُنُجُوس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا بھائی دراصل معاملہ یہ  
ہے کہ جس نے انہیں یہ مدرسہ بنا کر رکھا ہے اس نے اس مدرسہ میں کُنُجُوس کے قہر سے لوگوں میں مشہور  
مفسد بن کر بڑی پردہ بازی سے کہا بھلاؤ مجھ سے کہہ دو کہ اس مدرسہ کی پوزیشن کیا ہے۔ میں  
نے اس کے عرض سے پانچ درہم دینے چاہے مگر وہ راسخ نہ ہوا۔ ابھی تھوڑی  
دیر نہ گزری تھی کہ ایک مانتہ رُفُود آیا اس نے وہ تریبون اس کو دو درہم سے  
دے دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے تو پانچ درہم میں نہ دیا اور اسے دو درہم میں  
دے دیا۔ جس پر اس نے کہا۔

اسلمہ ہذا ایمڈ مڈل فیلو دینا چپ رہو یہ شخص لکھتی ہے۔

فعلت ان الناس لا يكرمون احدا اكرامهم من يعتقدون انه يملك  
مئة الف دينار - وانا لا انا انا على ما تراه حتى اسمع الناس  
يقولون ان ابا الطيب قد ملك مئة الف دينار -

میں نے اس وقت سے سمجھ لیا کہ انسان کی وقعت و عزت پیسے سے ہوتی ہے جب  
تک وہ یہ نہ جان لیں کہ وہ کچھ پتی ہے اب میں برابر اسی حالت (نخل) میں رہوں گا  
یہاں تک کہ لوگ (سمجھ لیں) کہنے لگیں کہ ابو الطیب کچھ پتی ہو گیا۔

برائیاں نہ کرنا اور غلطیوں و گناہوں سے مامون و محفوظ رہنا صرف فرشتوں کی  
سرشت ہے۔ حضرت انسان تو خیر و شر کا مجموعہ ہیں۔ ان میں جس طرح بھلائی کرنے  
کا مادہ ہے اسی طرح برائی کا بھی۔ کمزوریاں اور لغزشوں سے کسی انسان کو مفر  
نہیں۔ اس میں جہاں کچھ برائیاں تھیں وہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہ سچا بے باک  
پاک دامن و جری تھا۔ اپنے قول و فعل میں تضاد کو اپنہ کرتا۔ وہ رائے و عمل  
میں آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی کو مشعل راہ بنائے ہوئے تھا۔  
نیز خودداری، مصائب و آلام پر ثابت قدمی وغیرہ جیسی خوبیوں سے متصف  
تھا۔

شادی | اس بات کا کوئی بین ثبوت نہیں ہے کہ اس نے کب اور کہاں شادی کی  
لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ ۳۲۹ھ سے ۳۳۴ھ کے درمیانی وقفہ میں  
کی۔ کیوں کہ ۳۳۹ھ میں ایوب بن عمران کی شان میں قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ  
سرب محاسنہ حرمت ذواتہا  
دانی الصفات بعید موصوفاتہا



میری معشوقہ عورتوں کے ایک گروہ کی طرح ہے جن کی خوبیاں ایسی ہیں کہ میں  
ان صاحبان کمال سے دور ہوں یعنی ان تک میری رسائی نہیں۔ وہ گروہ صفات  
کے اعتبار سے میرے نزدیک ہے کہ میں اس کے اوصاف بیان کرتا رہتا ہوں  
مگر وہ عورتیں خود مجھ سے دور ہیں۔

آخر میں کہنا ہے :

فی الناس امثلة لنا و حیاتیہا

کہہ تھا وہم تھا کحیا تھا

ہبت النکاح حور ارسل ہشہا

حتی وفرت علی النساء بنا تھا

لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مارے مارے پھرتے ہیں ان کی  
زندگی موت کی طرح اور موت زندگی کی طرح ہے۔ ایسی ناکارہ نسل  
کے خوف سے میں نکاح سے ڈر گیا حتیٰ کہ بہت سی عورتوں کی بیٹیاں گھر  
بیٹھی رہ گئیں۔

(باقی آئندہ)

## تفسیر ابن کثیر

۳۵ جلدوں میں مکمل

قیمت دو سو پچاس روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

# وشوا بھارتی یونیورسٹی کے

## فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب بدرستوی، سنٹرل لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن مغربی بنگال

جامع القوانين | مصنف خلیفہ شاہ محمد، صفحات ۸۴، کتابت خط شکستہ، کاتب و مالک نسخہ  
سید قاذرخش، سال کتابت ۱۲۰۰ھ (فی الحال ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰ء)

عنوانات و متون کی کتابت میں سرخ و سیاہ روشنائی کی تخصیص کا لحاظ کاتب نے نہیں کیا۔  
کہیں کہیں اسپ پاقلم کی رقعہ اتنی تیز ہو گئی کہ متن کا پورا صفحہ سرخ روشنائی کی زد میں  
آ گیا ہے۔

خلیفہ شاہ محمد نے اپنی اس کتاب کو دیا چ، چار فصولوں اور خاتمہ کتاب کی ترتیب کے  
ساتھ فن انشا پر ۱۰۱۵ھ میں مرتب کیا تھا لیکن پیش نظر نسخہ ابتداء سے مکتوب چہارم اور اخیر  
کا کچھ حصہ ناقص ہونے کے باوجود جتنا کچھ موجود ہے بہتر حالت میں ہے۔ اختصاراً چند مخصوص  
عنوانات مع محل تعداد ذکر کئے جاتے ہیں:

فصل اول - مکتوب پنجم تا بیست و ششم

فصل دوم - در رقعات : رقعہ اول تا رقعہ چہل و چہارم (مطبوعہ میں چون رقعات ہیں)

فصل سوم۔ مشکل برد و قسم : قسم اول ۔ مکاتبات تمنیت آمیز (مکاتبہ اول تا چہارم)  
قسم دوم ۔ غزلیت ، نغمہ نگار (مکاتبہ اول تا سوم)  
فصل چہارم ۔ در القاب و آداب (کل ، نہاد ، کمال ، یحییٰ مطبوعہ میں ۳۳ ہیں )  
خاتمہ کتاب ۔ مشکل پر خندی از قویہ :

قانون اول در ترقیہ آداب و روادفراہین  
(کل دہنوں نے ہیں لیکن مطبوعہ میں صرف ۳ ہیں)

قانون دوم در اعاد اسمای مکاتبت  
قانون سیم در بیان الفاظ وصول مکاتبت  
قانون چهارم در تدوین نوشتن مکتوب الیه  
قانون پنجم در ترقیم حقائق حالات  
قانون ششم در تدوین الفاظ

(مطبوعہ میں ساتواں قانون بھی ہے)

خلیفہ شاہ محمد نے اپنے اس مجموعہ کو احباب کے اصرار پر مرتب کیا ہے چنانچہ

کہتے ہیں :

“دفتر خواهرش درستان: بیت اساس و قیقه شماس که منکاسه موافقت  
گرم می داشتند و تخم معادقت در مزرع دلی کاشقند بران  
آوردن با خواهر: کاتب مرسول که بخیرت بزرگان و عزیزان  
الله نشانه بودید از دانه”

دیباچہ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ موصوف سے اُن کے دوستوں



نے صرف مکاتیب اور رقعات کے جمع کرنے کی فرمائش کی تھی لیکن ان مکاتیب اور رقعات کی کثرت سے اپنے علمی ذوق کے پیش نظر فصل چہارم اور خاتمہ کتاب مع القوانین کا اضافہ کر کے مجموعہ میں اہمیت پیدا کر دی اور غالباً اس مناسبت ہی کی بنا پر نسخہ کو ”جامع القوانین“ کے نام سے موسوم کیا جسے بعد میں ماہرین تعلیم نے طلباء کے لئے نصاب میں شامل کر کے خلیفہ کی شخصیت کو یادگار بنا دیا۔ اس سلسلے میں فرانسیسی اسکالر گارسن دی تاسی کی تحریر ملاحظہ ہو:

”انٹرای شاہ محمد ہندوستان میں بہت مستند مان جاتی ہے اس کا ایک

ثبوت یہ ہے کہ ممالک مغربی و شمالی کے فاضل ناظم تعلیمات مسٹر ریڈ

نے جب ۱۸۵۳-۵۴ء میں دیہی مدارس کا دورہ کیا تو انھیں

۳۴۳ مدرسوں کے طلباء کے ہاتھوں میں یہی کتاب نظر آئی۔“

خطوط رقعات کے مخاطبین میں اساتذہ، بزرگان، سرکاری اہلکار، احباب اور عزیزان وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں چند خطوط ایسے بھی ہیں جن میں کسی نے ملازمت کے لئے سفارش کا اظہار کیا تو موصوف نے اہل اقتدار تک عرضیاں پہنچائیں، دوستوں اور عزیزوں کو بعض خطوط میں ان کی بیماروشوں سے متنبہ کرتے ہوئے صبح راتوں پر چلنے کی تلقین کی۔ ان تلقین مکاتیب میں سے ایک مکتوب میں قواعدِ فن صرف کی اصطلاحات کے ذریعہ فہمائش کی ہے۔ مکتوب طویل ضرور ہے لیکن نوادرات میں شامل کرنے کے لائق ہے۔ کم از کم حقیر کی نظروں سے اس طرح کی جدت نظر سے نہیں گزری اس لئے دل چاہتا ہے کہ وہ طویل اور نرالا مکتوب ناظرینِ برہان بھی مشاہدہ کریں:

”مکتوب شانزدہم: خدمت دوستی کو گاہ گاہی ترکیب منہیات

می باشد باغوائی اربابِ مصلحت راہِ بطالت می پیود

مشتمل بر ابراز مقدمات نصایح سمات در نمن .... است علم صرف  
تحریر یافت به

دل من لفظ و یاد تو معنی است معنی از لفظ کے جدا باشد

ایزد متعال ذات عظیم المثال آن مصدر مکارم افعال مورد مراع  
یگانه آفاق را از آنچه نباید مفروق و بهر چه شاید مقرون دارد -  
این که ظرف که از نهایت اتحاد معنوی حاضر و غایب خود را جدا نمی پندارد  
و اظهار در تب صلیغه شوق که میزان دانش و آفاق نقد و ثبت معنوی  
وزن جنس کاسه دارد و مبالغه نموده جوش و خروش خاطر را بقسم  
می آرد که شایسته همت عال فطرت آنست که بمقتضای آیه کریمه  
اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اول خود را از خیالات ذمیر  
و نهی منکر که دلیل غلات اجوف ساز و مردانه و مجردانه اف قامت را  
بالتیاد باطن نون ساخته بزمید تاکید بادی لوازم امر معروف پزند  
و از روی کسر نفسی فتح باب مقصود است همه حرکات و سکانات که از  
فاعل حقیقی دانسته بموجب بیت دیوانه

گناه گر نبود اختیار یا حافظ تو هر طریق ادب کوش گوینداه من است

نیک را بخدا بد را بخود غم گردن است تا از طعن مجبور و دندان متعل عین  
که بر غم مهور خود ترجمی و تفصیلی بخودی جویند و از غایت خفت عقل  
تا بینا بر آه خطای جویند صحیح و سالم ماند اگر الحال تلافی افسان  
متصرف زمان ماضی که بیشتر در بهنگامه پرداز می بود و لعب صرف  
شده بموجب الا لسان حریف فیما منع محال می نماید لیکن اگر  
طالب صادق توفیق ازلی یافته خود را بگوده و الا شکوه حق پندوان

کہ از تعلق دنیا سراپا در دبر کنا رہو وہ بخاطر جمع مشغول ذکر و عبادت  
حقیقی می باشند ملحق گردانند حکم آنکہ الصبیحة موشیة اثبات صفات  
روحانی و نفی خطرات جسمانی نموده زمان استقبال را در فساد نگذارد  
دریں صورت شاید کہ دری از ہدایت غیبی کشاید۔ محبت پناہ  
محبت دستگا ہا این ہمہ مقدمات دلائل و نیز کہ فی الحقیقت تازیانہ  
افعال آن سرمایہ آمال است اگر خلاف قیاس پندارند بعل نیانند  
تا کہ شام فراق بہ صبح وصال ابدال یابد۔ فراموشی را کہ بآب محبت  
جایز نیست از دوستان واجب الحذف سازند، دولت و بہجت  
روز بروز افزوں یابد۔“

مذکورہ بالا مخصوص مکتوب کے علاوہ دیگر متعدد خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کس نے  
فرمائش کی تھی کہ جواباً ایسے حروف کی عبارت لکھے جن کے صرف اوپر نقطے ہوں۔ چنانچہ  
ستائیسواں رقم اس کا شاہد ہے:

”مشاطہ اخلاص نامہ اختصا ص آمو د آن نقا وۃ خاندان اصطفی و  
خلاصہ دو دمان ارتفعی مسرت و نشاط افزود و در مادۃ انقطاع و  
انفصال معاملہ دوست صداقت نشان سلطان خان کہ مرقوم قلم بود  
رقم شدہ معلوم خود از کرم ساز متوقع آنست کہ در حضور رفعت و  
امانت دستگا ہ موافق خواہش آں صادق الاتحاد معاملہ مرقوم  
منقطع گردد و عدم حصول ملاقات فرحت سہات محض از کثرت اشغال  
است والا در لوازم مصادقت و وداد قصور ندارد و اور دار  
در ہمہ اوقات مرادات حاصل کناد۔“

پھر ایک شخص نے عرض کیا تھا کہ ایسے الفاظ کی صنعت پیدا کیجئے جن کے نقطے نیچے ہوں۔



یہ صفت ۳۳ ویں رقعہ میں دیکھی جاسکتی ہے :

”داوید بیجاں، سید بہت عالم یار و باور عارح سدا د صمد مصاعد  
عادل وہ دستیدی میہ سید جو د باد۔ بعد ادای آداب و مراسم  
ہوا کہ داب، رہا باب سید کی بود و مطلب می گرداید۔ مطالعہ گرامی  
مراستہ کہ ہو کہ کسب مذہم کامکار سید عبد الوہاب طول عمرہ بود۔  
در ایام سعید دہم روح بخروج گزید۔ محب صمیمی کہ رابطہ و داد  
برجہ کمال و در باب موی الیہ بجد و جہد بسیار بصباح رسید  
سعی مطلوبہ بجای آمد۔ امید کہ بعلم و عمل بہرہ یاب بودہ برادر دلی  
برسید بکرمہ و جودہ۔“

اسی طرح متعدد افراد نے مختلف صنفوں کی فرمائش کی اور خلیفہ موصوف نے ہر ایک کی خواہش کے مطابق اپنے انشاء کا کمال دکھلایا ہے۔ ان سب کا ذکر شاید ناظرین برہان کے لئے تذکرہ کا موجب ثابت ہو اس لئے صرف تین ہی نمونوں پر اکتفا کیا گیا۔ شائقین اپنے ذوق کی تشنگی کے لئے اصل کتاب کا سہارا لیں۔

مسٹر ڈبلو، اوانو کی اطلاع کے مطابق یہ انشائیہ مجموعہ پہلی بار کلکتہ سے ۱۸۳۴ء میں طبع ہوا۔ پھر بعد میں منشی نو لکشور لکھنؤ دیکانپور سے کئی مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا ہے لیکن مترجم نامعلوم ادا ہے۔ ایک اردو ترجمہ (صفحات ۱۲۸) کا ذکر فرست سیدنا درآغا تاجو کتب لکھنؤ (سال نامذکور) میں بھی ملتا ہے۔ ان دو اطلاعات ترجمہ کے علاوہ گارین دی تاسی ذکر

۱۔ کنگ ایٹیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ : ص ۱۶۳۔

۲۔ فہرست کتب خانہ رحیمہ دہلی ۳۹-۱۹۳۸ء۔

سمرتے ہیں کہ ”انشای خلیفہ“ کا اردو خلاصہ بھی فارسی متن کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ”جامع القوانين“ کو بعد میں اہل علم نے ”انشای خلیفہ“ کے نام سے متعارف کرایا ہے چنانچہ اسی آخری نام سے مطبوعہ شکل میں پایا جاتا ہے۔ اور بصورت قلمی کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حید آباد ایشیا ٹک سوسائٹی لاہور کی کلکتہ، مسلم یونیورسٹی لاہور (سبحان اللہ کلکیشن) علی گڑھ، صولت پبلک لاہور (یو پی)، گجرات ودیا سہا احمد آباد اور بلیس طباعت کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ و یہاں کی لاہور میں موجود ہے۔

صفحہ ۲۶، تاریخ کتابت اور اسم کتاب مذکور نہیں۔ ابتداء **جامع القوانين** درمیان اور آخر ناقص ہے۔ دونوں نسخے بحفاظت الفاظ اور

ترتیب عنوانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی طرح مطبوعہ نسخہ سے بھی کافی فرق نمایاں ہے۔

خلیفہ شاہ محمد کی حیات سے متعلق ان کے ہمعصر تذکرہ نگار اور مورخین کا قلم خاموش ہے البتہ انیسویں صدی عیسوی کی کتب میں جا بجا کچھ ذکر پایا جاتا ہے جو غالباً ”جامع القوانين“ ہی کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ملتا۔ اصل وطن موصوف کا کہاں تھا، کب وہ قنوج (یو پی) میں آئے؟ اس کی حدیث خود ان کے خطوط و رقعات سے بھی نہیں ہوتی البتہ وضاحت ضرور ملتی ہے کہ یو پی میں قنوج کے علاوہ مختلف مقامات میں بسلسلہ تعلیم اور معاش قیام اختیار کرنے کی ضرورت پڑی۔ بارہویں مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ پرگنہ انوپنگر کے موضع رسول آباد میں حاکم وقت کی جانب سے تین بیگہ زمین موصوف کے اہل و عیال کی پرورش کے لئے عنایت ہوئی تھی جس کی کاشت دوسروں کے ذریعے کرواتے تھے لیکن کاشتکار زمین کی

پیداوار خود بڑپ کر لیتے تھے جس کے نتیجے میں موصوف کے بال بچوں کو معاشی تنگیوں سے دوچار ہونا پڑا اور فاقے کی نوبت تک ہونے لگی اپنا بچہ اس کی شکایت حاکم پرگنہ مذکور یہ سید مظفر امین کی خدمت میں پیش کر کے۔ اسی طرح بعض خطوط سے یہ بھی اظہار ہوتا ہے کہ اپنے کچھ معصروں کے حسد و رقابت کا نشانہ بھی بنتے رہے۔

علمی فیض تو آپ نے کئی فیاضوں سے حاصل کیا جن میں سے خصوصیت کے ساتھ مقام بلگرام (یوپی) کے سید خیر اللہ (متوفی ۱۳۱۳ھ) اور شیخ عبدالغفور سے مزید علمی استفادہ کیا۔ موصوف کو تعلیمی مشغلوں میں انہماک اور ذوق اس قدر تھا کہ کوئی دوسرا کام ان کی فطرت کو اپیل نہیں کرتا تھا۔ ایک بار ایک ملاقاتی حاکم نے ملازمت منشی گری کی پیشکش کی تھی تو یہ معذرت نامہ پیش کر دیا:

”قواب مہربان! قدر دان سلامت اثر بہ در خدمت باریا لشکان مملور

ہر دن سعادت جو دید حاصل نمودست لیکن دیورتیکہ خود را

اشغال معلق متہو گرداندار کسب عدم کہ بہت اسی دولت

فیض لزوم مذاکرہ روحانی و جسمانی کذاستندہ دل بہادریت غبت

ست خروم ماند، یک خانہ دو میہون نہ گنج۔“ (فصل دوم، ص ۱۰۰)

انغرض عہد غامگیری کی یہ بزرگ اور باکمال شخصیت اپنے فائق حقیقی سے جو ملی۔

لیکن افسوس کہ موصوف کو سال وفات کسی ذریعے سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔

(باقی آئندہ)



# الواح الصنادید

پروفیسر محمد اسلم استاذ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی - لاہور

مفتی انتظام اللہ شہابی ہندو پاکستان کے علمی اور دینی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔  
موصوف پاپوش نگر کے قبرستان میں حیرت شاہ وارثی کے مزار سے بیس میٹر جانب مغرب  
محو خواب ابدی ہیں۔ اُن کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

ہو الغفور

مولانا مفتی انتظام اللہ شہابی گوپالپوری اکبر آبادی

صدر انجمن اسلامیہ (آگرہ) پاکستان

ایک ازبانی صورتجراح کالج وا دارہ جات انجمن اسلامیہ

مصنف مسما کتب تاریخ و سوانح و دیگر علوم

تاریخ و فائنات

۳۸۸۳ھ مطابق

۸ ستمبر ۱۹۶۸ء

قبرستان ملک پرانہ، جو اب قبرستان گمشدہ اقبال پور نے لے لیا ہے، یہیں داخل ہوتے  
 ہی دائیں ہاتھ پہلی قبر حیدر و پاکستان کی نامور خاتون اور تحریک آزادی میں صف اول کی  
 مجاہدہ زبیدہ خاتون کی ہے۔ مرحومہ نے مولانا شوکت علی اور محمد علی کی والدہ آبادی بیگم عرف  
 بی اماں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی میں بڑا چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ان کے شوہر نامدار مولانا  
 محمد شفیع۔ اوڈی سیاسی حلقوں میں محتسب اداوت نہیں ہیں۔ اس کے بزرگ خاتون کے  
 رتبہ اداوت پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبیدہ خاتون

عمر ۱۵ سال

زوجہ مولانا محمد شفیع داؤدی

وفات ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

مطابق ۲۰ جون ۱۹۳۰ء

زبیدہ خاتون کی مرتبہ اندر اس بیڑ جاوید عرب پاکستان کے سابق وزیر اعظم  
 حسین شہید سہروردی کی بیٹی اور سر شاہ سیان کی بیو بیگم اختر سلیمان کی آخری آرام گاہ ہے۔  
 مرحومہ کو علم و ادب میں بڑی دلچسپی تھی۔ راقم الحروف نے انھیں متعدد علمی کانفرنسوں میں  
 تقریریں کی تقریروں کے نوٹ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی فیر پر جو کتبہ نصب ہے، اس  
 پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیگم اختر سلیمان

زوجہ

شاہ احمد سلیمان

بنت

حسین شہید سہروردی

سابق وزیراعظم پاکستان

۱۹۷۳ء

یوم پیدائش

۱۹۸۲ء

یکم اکتوبر

وفات

اسی قبرستان میں ابراہیم حلیم کی قبر سے بیس میٹر جانب جنوب بیگم اختر کے خرد

احمد سلیمان کی قبر ہے۔ اُن کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے :

بسم الله الرحمن الرحيم

كُلَّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهٌ لَا يَفْئُتُ وَلَا يَكْتُمُ

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

شاہ احمد سیال

ولد

ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان

تاریخ پیدائش ۱۹ جنوری ۱۹۸۲ء

تاریخ وفات ۱۹ مئی ۱۹۸۰ء

اسی قبرستان میں شاہ محمد جعفر پھیواروی کی قبر سے اندازہً پچاس میٹر جانب جنوب

ہمارے فاضل دوست محمد فرید الحق کی اہلیہ زبیدہ بیگم کو خواب بدی آیا۔ وہ عذر کا تعلق

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے فائدہ سے ہے۔ انور شاہ کا رشتہ جلیل

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد امجد علی تھانوی سے ہے۔ مرحومہ بارہ کتابوں

لے کیتے پر ذرا مجمل کو ذرا مجمل لکھا ہے۔



مصنف میں رحمن ہیں سے "تاریخ گنگوہر" کائنات اور انسان، "قیمتی پتھر اور آپ" خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم الله الرحمن الرحيم

يا محمد

يا الله

لا اله الا الله محمد رسول الله

زبیدہ بیگم

الہیہ

محمد فہید الحق

والدہ ماجدہ

مخدوقہ الحق

تاریخ وفات یکم رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

مطابق ۲۳ جون ۱۹۸۲ء

شاہ محمد جعفر پھلواری کی قبر سے پچاس میٹر جانب شمال مغرب لب سڑک علی محمد عباس کی قبر ہے۔ مرحوم لندن مسلم لیگ کے صدر رہے ہیں اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد انھوں نے لندن میں مشرقی پاکستان کی عارضی جلاوطن حکومت قائم کر لی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس بطلِ حریت کو زندگی میں پاکستان دیکھنا نصیب نہیں ہوا لیکن ان کی میت پاکستان لا کر دفن کی گئی۔ اُن کا کتبہ انگریزی میں ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

ALI MOHAMMAD ABBAS

BARRISTER - AT-LAW

BORN IN EAST PAKISTAN 1922

DIED IN LONDON 1979

HE DEDICATED HIS LIFE FOR THE UNITY  
OF PAKISTAN

کراچی سے کونٹہ جانے والی شاہراہ پر ایک چھوٹی سی بستی مجاہد آباد کے نام سے معروف ہے۔ اس بستی میں لب ٹرک تبلیغ کالج کی شاندار عمارت کھڑی ہے۔ یہ ایک دینی مدرسہ ہے جہاں مولانا سید طلحہ جیسے نامور اساتذہ پڑھاتے رہے ہیں۔ اسی مدرسے سے ایک انگریزی مجلہ YAGREEN چھپتا ہے۔

مدرسے کے عقب میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں سید طلحہ کی قبر ہے لیکن ان کی قبر پر کتبہ نصب نہیں ہے۔ موصوف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ماموں تھے۔ قبرستان کے آخر میں ایک خوبصورت بارہ دری میں کالج کے بانی مولانا طفیل احمد فاروقی محو خواب ابدی ہیں۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

واب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

مرقد

زبدۃ العارفین قدوة السالکین

شیخ طریقت سلسلہ قادریہ مجددیہ

حضرت مولانا طفیل احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

بانی و ناظم اعلیٰ مدرسہ تعلیم الاسلام

دورالتصنیف لیثیہ مجاہد آباد کراچی

خلیفہ

بیعت و ارشاد حضرت مولانا عبد اللہ شاہ جلال آبادی قدس سرہ

وفات بروز یکشنبہ ۲ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مطابق ۸ جنوری ۱۹۷۹ء

اس بارہ روز سے صومر کچھ ذبیح چار دیواری کے شمال مشرقی کونے میں قاری محمد حسن  
امروہوی کی قبر ہے۔ ان کے لوح پر یہ عبارت کندہ ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب اعز و احب وانت خیر الراحمین

نخرا القراء

قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ شعبہ تجوید و قسرات قرآن مجید

مدرسہ تعلیم الاسلام مجاہد آباد کراچی

وفات بروز چہار شنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

مطابق ۸ جون ۱۹۷۵ء

کراچی کی مشہور رہتی کونزنگی میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے دارالعلوم کے نام سے  
ایک عظیم شان ادارہ قائم کیا تھا۔ ادارے کے وسیع میدان میں تاریک درختوں کے ٹھنڈ میں  
چند قبریں قابل ذکر ہیں۔ ان میں سب سے اہم قبر خود مفتی صاحب کی ہے۔ ان کے لوح نزار  
پر یہ عبارت منقوش ہے :

باسمہ سبحانہ

مفتی اعظم قبلہ کی آرام گاہ

۱۹۷۶ء

مرقد فقیر ملت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

قدس سرہ

اپریل ۱۹۸۴ء

۲۲۷

وفات

ولادت

۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

۲۱ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ

۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء

جنوری ۱۸۹۷ء

اسی چار دیواری کے اندر جنوبی دیوار کے ساتھ قاری محمد یعقوب مرحوم کی قبر ہے۔

اُن کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے :

۷۸۶

اللهم ارحمني بالقرآن العظیم

مدارس یعقوبیہ بیت قرآنیہ کے بانی

الحاج حافظ قاری محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وفات

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء

بروز پیر

قاری محمد یعقوب کی قبر کی پائنتی جناب محمد عاتق کی آخری آرام گاہ ہے۔

ان کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر یہ عبارت منقوش ہے :

عاطق کامل

حضرت خلیفہ محمد عاتق دیوبندی

تاریخ وفات : محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء

زقلہ جوہر در پہلو میں دیوبند کے ایک نامور عالم مولانا محمد شبلی مخدوہا ابی

ہیں۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم



وانتم الاعلون ان کنتم مومنین  
 الشیخ مولانا محمد مبین الخطیب عید گاہ دیوبند  
 دست راست شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ  
 اور

آزادی ہند کی تحریک ریشمی رومال کے ایک مرد مجاہد کی آخری آرام گاہ  
 خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را  
 تاریخ وفات

۲۶ نومبر الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۹ء  
 بروز دوشنبہ

انڈیا سنس نندن میں ریشمی رومال تحریک کے متعلق سی آئی ڈی کا جو ریکارڈ محفوظ  
 ہے، اس میں مولانا غزالی کے بارے میں لکھا ہے :

”جنور ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ دیوبند کے حاجی محمد مبین  
 کالٹر کا ہے۔ مدرسہ اسلامیہ سہارنپور میں تعلیم پائی ہے جہاں  
 مولوی خلیل احمد کا شاگرد تھا۔ تکمیل درس کے بعد، سے مدرسہ  
 اسلامیہ انبالہ میں مدرسہ کی ملازمت مل گئی۔ اسی وقت سے  
 وہاں پر کام کر رہا ہے۔ اگرچہ وہ مولوی خلیل احمد کا مرید ہے  
 لیکن مولانا محمود الحسن کے عرب جانے سے چھ ماہ پہلے ان کا  
 سخت مرید ہو گیا۔ اس کی سازش کا ایک رکن بن گیا۔ دیوبند  
 کی خفیہ مشینوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ مولانا محمود الحسن کے

۱۔ حضرت شیخ الہند کا صحیح نام محمود حسن ہے۔

سفر حجاز کے لئے میرٹھ، دلی، راندیر، کلکتہ، رنگون وغیرہ سے رقوم جمع کیں۔ محمود الحسن کی روانگی کے وقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں نوحہ بین کو کلکتہ روانہ کیا گیا تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد کو مولانا کی ہجرت کا سبب بتا سکے اور وہاں ان کا جواب مولانا کو پہنچائے۔ محمد میاں عرف مولوی منصور نے غالب نامہ لیکر کابل روانہ ہونے سے پہلے اس سے انبالہ میں ملاقات کی۔

نوٹ : محمد حسین خطیب کے نام سے بھی مشہور ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ نماز عید میں کا خطیب پڑھنے والا۔ حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں خطیب کا جو لفظ آیا ہے شاید اس کا اشارہ اسی کی طرف ہو۔

اسی قبرستان میں مولانا محمد منعم حقانی بھی ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے نوحہ مزاد پر یہ عبارت منقوش ہے :

بسم الله الرحمن الرحيم

وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

مقید

مولانا محمد منعم حقانی الخطیب

خلف الحاج الشیخ عبدالوسن دیوبندی

استاذ علوم شرقیہ۔ بانی قاسم المعارف دہرہ دون

تحریک آزادی ہند و قیام پاکستان کے رہنما

پیدائش ۱۸۹۲ء

خدا رحمت کند اس عاشقانِ پاکِ طہیت را

تاریخ وفات در شنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

بمطابق ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے

اس قبرستان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مولانا محمد متین کی قبر نظر آتی ہے۔

ان کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے، اس پر یہ عبارت مرقوم ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

مرند

مولانا محمد متین خطیب

خلف الشیخ مولانا محمد مبین خطیب

فاضل دارالعلوم دیوبند، مفسر قرآن

تحریک پاکستان کے ممتاز عالم

تاریخ پیدائش ۲۷ صفر ۱۳۲۶ھ / ۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء

تاریخ وفات چار شنبہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۸۲ء

خدا رحمت کند اس عاشقانِ پاکِ طہیت را

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین

اسی قبرستان میں ایک نامور ادیب، نقاد اور استاد محمد حسن عسکری بھی دفن

ہیں۔ اُن کے لوحِ مزار پر یہ عبارت درج ہے :

۷۸۶

محمد حسن عسکری

تاریخ وفات

۸/ صفر المنظر ۱۳۹۸ھ

مطابق

۸ جنوری ۱۹۷۸ء

ماہنامہ قومی زبان کراچی میں ان کی وفات پر جو تعزیتی نوٹ شائع ہوا تھا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کی تاریخ ولادت ۵/ رمی ۱۹۲۱ء تھی۔ کسی صاحبِ ذوق نے ان کا یہ قطعہ تاریخ کہا تھا:

”چلے گھر خدا کے حسن عسکری بھی“

۱۳ ۹۸



## تہہ سکر

### کاروان زندگی

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۵۱۸ صفحات،  
کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد - / 55 پیسہ، مکتبہ سلام، ۳ گون روڈ،  
لکھنؤ۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نویسنہ جاتے ہیں کہ علم و فضل اور کردار و عمل کے اعتبار سے دنیا کے یک بڑے آدمی ہیں، انہیں اگر یہ پوچھا جائے کہ وہ بڑے کس طرح بنے تو اس سوال کا جواب یہ کتاب دے گی، ایک انسان کے بڑا ہونے میں دخل اولاً اس کے خاندان اور اس کی روایات والدین کی تربیت اور اصلی تعلیم کا ہوتا ہے اور ثانیاً ذاتی طور پر ذہانت و طباعت، سہی و شرافت، ذوق و شوق، محنت و لگن کا در ثالث بڑا ہونے پر دخل ان کارناموں کا ہوتا ہے جن کو وہ زندگی میں انجام دیتا ہے۔ اس کتاب میں جو مولانا کی خود نوشت سوانح عمری ہے سوانح کے بڑے (Agreatness) ہونے کے مذکورہ بالا تینوں اسباب کا ذکر نہایت تفصیل اور وضاحت سے کیا ہے، مولانا "تعاون" اپنے عہد کی بڑی بڑی دینی، سماجی اور تعلیمی اور سیاسی تحریکوں اور ان کے زعماء اور کارکنوں سے بڑے صغیر ہیں اور اس کے باہر بھی رہا ہے، ان تحریکوں اور اداروں کو بہت قریب سے دیکھا اور انہیں جانتا ہے، اسی لئے اس کتاب سے مولانا کے ذاتی حالات و سوانح کے علاوہ گزشتہ ساٹھ برس کے ملک اور غیر ملکی، قومی و ملی،

سیاسی و سماجی اور دینی و تعلیمی حالات و واقعات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے لٹریچر میں سوانحی ادب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور سوانحی ادب میں بھی کسی بڑی شخصیت کی خود نوشت سوانح عمری (Autobiography) کو خاص طور پر بہت اہم سمجھا جاتا ہے، پھر اگر صاحب سوانح ادیب اور انشا پرداز بھی ہو تو سونے پر سہاگہ، کتاب کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ خود نوشت سوانح عمری عہد متعلقہ کی ایک نہایت مستند تاریخ بھی ہوتی ہے جو ایک بڑی شخصیت کی چشم دید واقعات اور اس کے ذاتی تجربات و محسوسات پر مشتمل ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ کتاب ادب کا شاہکار بھی ہوتی ہے جسے لوگ پڑھتے ہیں اور جھومتے ہیں، چنانچہ ہمارے زمانہ میں چرچل، ٹالسٹائی، طہ حسین، احمد امین اور سلامہ موسیٰ کی خود نوشت سوانح عمریاں اسی قسم کی چیزیں ہیں اور وہ عالمی ادب کے شاہکاروں میں شمار کی جاتی ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی Nadwi کی یہ خود نوشت سوانح عمری بھی اسی درجہ اور مقام کی چیز ہے، یہ بیک وقت ادب بھی ہے اور تاریخ بھی، جس میں اودھ کے قدیم اور شریف مسلمانوں کے خاندانوں کی تہذیب کی بھلیاں نظر آتی ہیں اور قومی و ملی تحریکات اور ان سے وابستہ اشخاص و افراد پر روشنی بھی پڑتی ہے، پھر ساتھ ہی یہ کتاب سرمایہ عبرت و بصیرت بھی ہے اور ایک درس ارشاد و ہدایت بھی، مولانا کے بقول یہ کتاب سرسری طور پر جہری فرصت و فراغت کے اوقات میں لکھی گئی ہے لیکن اکابر اہل قلم کی کتنی ہی ایسی کتابیں ہیں جو سرسری لکھی جاتی ہیں لیکن وہ اس شعر کا مصداق ہوتی ہیں:

نقرے جو بے خودی میں زباں سے نکل گئے

سرمایہ دار علم بدیع و بیاں کے ہیں

اور یہ کتاب بھی ایسی ہی ہے۔

## خطبات عیدین

از مولانا محمد تقی امینی، تقطیع خورد، ضخامت ۱۶۰ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد - 21/، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ انگریزی دہلی - 210025

مولانا محمد تقی صاحب امینی کا معمول رہا ہے کہ وہ عیدین کے موقع پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جامعہ میں، ناطقہ: بیانیہ کی حیثیت سے بالالترزام نماز سے پہلے تحریری خطبہ دیتے ہیں، جو مولانا کی عام تحریروں، کتابوں اور مقالات کی طرح اسلام کی تعلیمات اور ان کی روح پر مشتمل اور ایسی لئے فکر انگیز و بصیرت افروز ہوتا ہے اور حاضرین اسے غور و توجہ اور دلچسپی سے سنتے ہیں، یہ کتاب ۸۳۰ تک کے خطبات پر مشتمل ہے جو تعداد میں ۲۲ ہیں، ان کا مطالعہ عیدین کی مناسبت سے ہم خرمادہم ثواب کا مصداق ہوگا۔

## رقعات ماجدی

مرتب مولانا غلام محمد حیدر آبادی، تقطیع خورد، کتابت و طباعت بہتر، ضخامت ۱۶۱ صفحات، قیمت درج نہیں، پتہ: حافظ محمد یحییٰ معتمد ادارہ نشر المعارف، ۱۱، ہیبانی سینٹر، بوتل گلی، شاہراہ قبا، کراچی۔

یہ کتاب ان ۹ خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ نے جناب مرتب کے نام کم و بیش بیس برس کی مدت میں لکھے ہیں، مکتوب الیہ کو مولانا سے وہی تعلق تھا جو ایک شاگرد کو استاد سے اور ایک مسترشد کو مرشد سے ہوتا ہے۔ اسی لئے مولانا کے ان خطوط میں شفقت و محبت کا اظہار بھی ہے اور تعلیم و تادیب اور اصلاح حال کی کوشش بھی، خطوط کو تاریخ کے مآخذ میں بڑی

اہمیت حاصل ہے، کیونکہ خطوط میں بسا اوقات مکتوب نگار کی شخصیت اور اس کے افکار و خیالات کی نسبت بعض ایسی چیزیں مل جاتی ہیں جو دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوتیں، چنانچہ ان خطوط سے بھی بعض نئی باتیں ہمارے علم میں پہلی مرتبہ آئیں، مثلاً مولانا "حیات شبلی" کو مولانا سید سلیمان ندوی کی کمزور ترین تصنیف سمجھتے تھے۔ (ص ۵۰) مولانا سید سلیمان ندوی نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کے بعد علمی تحقیق و تصنیف کے کام سے جو دست برداری لے لی تھی مولانا دریا بادی کو اس کا سخت قلق اور افسوس تھا اور انہوں نے سید صاحب پر اس کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ (ص ۳۲ و ۳۳ و ۳۴) ایک خط میں صاف لکھتے ہیں: "سید صاحب کا پایہ علمی بعض علوم و فنون خصوصاً تاریخ و ادب میں، ہم عامیوں کی نظر میں، اپنے مرشد سے بہت بالا تھا، اور بیعت کے بعد وہ بالکل فنا فی الشیخ ہو گئے تھے۔ اس لئے اس نا فہم کی نظر میں ان کا بیعت ہو جانا کچھ زیادہ مناسب نہ تھا۔ (ص ۷۶) اور یہ تو خیر مولانا کا اپنا ذاتی خیال تھا۔ ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ندوہ میں بعض حضرات ایسے بھی تھے جو سید صاحب کی حضرت تھانوی سے بیعت کو ندوہ کی سبکی سمجھتا تھا، (ص ۳۱) علاوہ ازیں ان خطوط سے مولانا کے بعض افکار و خیالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، پھر ان میں بعض علمی اور ادبی نکتے بھی ہیں، اسی لئے ارباب ذوق کو ان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

(س ۱)



ندوة المصنفین کی نئی اور شاندار پیش کش

# عُشَّانُ ذَوِ النُّورِینِ

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی

یہ وہی کتاب ہے جس کا آپ نے "ذوقِ کونہ" کے بعد شہرہ  
منتظار تھا۔ اب زیورِ کتابت و طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر  
مسترد و مہم پر آگئی ہے۔ شروع میں ایک ظہورِ مقدس ہے جس میں غریبوں کی  
تاریخ نویسی کی تاریخ اور اس پر محققانہ نقد و تبصرہ ہے۔ پھر سیدنا  
ذاتِ ثمان سوئمِ ندیۃ راشد کے ذاتی حالات و سوانح، اخلاق و مکارم،  
وصیل و منار و امراء و صاف و کمالات، عہدِ نبوی اور عباسیہ میں نہایت  
عظیم الشان دینی خدمات، خود اپنی خلافت کے عہد میں نہایت اہم اور  
غمت انگیز واقعات، پھر جو نقد پیدا ہوا اس کے اسباب و وجوہ و نتیجہ کے  
زمانے کے حوادث و واقعات و شہادتِ زمانہ، سب اس قدر جامع  
اور محققانہ طرز میں کیا گیا ہے کہ اصلِ تقیوت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شک  
نہیں ہو سکتا۔ اس میں پراثر کتاب اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی۔

قیمت: بیس روپے 42/-

جلد: پچاس روپے 50/-

ملنے کا پتہ: ندوة المصنفین، امجد و بک انار، دہلی

حیات و شخصیت احمد مختار، اعلیٰ تعلیم و العلماء - اسلام آباد کا مکتبہ محمدیہ	۱۹۵۴ء
آج کا مسلمان - ایتھنز، یونان	۱۹۵۵ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۵۶ء
تاریخ اسلام - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۵۷ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۵۸ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۵۹ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۰ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۱ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۲ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۳ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۴ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۵ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۶ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۷ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۸ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۶۹ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۰ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۱ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۲ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۳ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۴ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۵ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۶ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۷ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۸ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۷۹ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۸۰ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۸۱ء
اسلام اور عورت - ج. اورمان - اسلام آباد، یونان	۱۹۸۲ء



مئی ۱۹۸۴ء

لمصنفین دینی علمی و دینی کاما ہوتا  
ندوة ائین دینی علمی و دینی کاما ہوتا

برکات

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مرتب  
سعید احمد بک آبادی





# بریل

قیمت فی پرچہ  
تین روپے چار پائی

سالانہ چندہ  
چالیس روپے

جلد ۹۲ شعبان المعظم ۱۲۰۴ھ مطابق مئی ۱۹۸۷ء شمارہ ۵۵

- |    |                             |                                 |
|----|-----------------------------|---------------------------------|
| ۲  | مولانا سعید احمد اکبر آبادی | ۱۔ نظرات                        |
| ۸  | قاضی اطہر مبارکپوری بکلی    | ۲۔ مشارح جین پور                |
| ۲۲ | مولانا حفیظ الرحمن و آصف    | ۳۔ ترقی معکوس                   |
|    | عبدالوہاب بدر بستی          | ۴۔ دشوا بھارتی یونیورسٹی        |
|    | دشوا بھارتی یونیورسٹی       | ۵۔ فارسی، عربی اور اردو مخطوطات |
| ۴۲ | شانتی کلپتین                |                                 |
|    | جناب معود النور علوی        | ۵۔ چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق  |
| ۶۴ | علی گڑھ                     | شاعر ابوالطیب المتین            |

عبد الرحمان عثمانی پرنٹر پشاور نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر بہان اردو بازار دہلی سے  
شائع کیا

## نظرات

آہ مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی

ترکشی مارا خدنگ آخری!

اس خامہ حرماں نصیب نے برہان کے ۴۵ برس کے دو سہ زندگی میں نہ جانے کتنے مشاہیر عالم و ناموران روزگار کی وفات پر ماتم سرائی کی اور ان کے درد فراق میں رنجِ دالم کے آنسو بہائے ہیں، لیکن واستر تاہ! آج اسے اس عظیم شخصیت کی جدائی پر نوحہ خوالی کرنا ہے جو خود نذوۃ المصنفین کی بانی مبنائی تھی اور جس کا نقش گرم برہان کے اپنے وجود و بقا کا ضامن اور اس کا کفیل تھا یعنی حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی جو طویل علالت کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۸۴ء کو ساڑھے تین بجے بعد ظہر جان جان آفریں کو سپرد کر کے رحلت گزائے عالم جاودانی ہوئے، ۱۳ رکو دلی کی جامع مسجد میں ۸ بجے صبح کو نماز جنازہ ہوئی جس میں مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کے ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی اور مہندیوں کے قبرستان میں جسے شاہ ولی اللہ دہلوی اور آپ کے خالو ادۃ گرامی نے برصغیر کا جنت البقیع بنادیا ہے، تدفین ہوئی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مفتی صاحب کی ذات اور شخصیت ایسے اوصاف و کمالات کی جامع تھی جن کا

فی زمانہ شخص واحد میں جمع ہونا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے۔ آپ دیوبند کے نامی امی  
خاندان عثمانی کے چشم و چراغ تھے جو اپنے علمی و دینی امتیازات و خصوصیات کے باعث  
در صرف قصبہ میں بلکہ پورے ضلع میں نہایت ممتاز رہا ہے، مفتی صاحب کے عہد امجد  
مولانا فضل الرحمن دارالعلوم دیوبند کے چار بانیوں میں سے ایک تھے اور خود  
بڑے صاحب علم و فضل تھے، مولانا فضل الرحمن صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جواو لاد کو  
عطا فرمائی ان میں شیخ المشائخ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی رشیخ الاسلام پاکستان  
حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند  
بھی تھے جو آسمان علم و فضل اور افق شریعت و طریقت پر آفتاب و مہتاب بن کر  
چمکے اور ایک عالم کو اپنی ضیاء بخشوں سے منور کر گئے، ان ہر سہ اصحاب ثلاثہ میں  
مؤخر الذکر دونوں بزرگ لا ولد تھے البتہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور متعدد بیٹیاں عطا فرمائیں۔ ان دو بیٹوں میں بڑے  
صاحبزادہ مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی تھے اور ان کے برادر خورد قاری جلیل الرحمن  
عثمانی ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں درجہ تجوید و قرأت کے پرانے استاد ہیں۔

مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی بچپن سے ہی بڑے ہونہار تھے، نہایت  
ذہین و ذکی، حافظہ مضبوط۔ لکھنے پڑھنے کے شوقین، طبیعت کے نیک اور صالح،  
ان اوصاف کے باعث حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے بڑی محبت تھی  
اور آپ نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی، بچپن سے سب سے  
پہلے آپ نے قرآن مجید تجوید و قرأت کے ساتھ حفظ کیا، پھر دارالعلوم کے درجہ فارسی  
میں داخل ہوئے تو اس درجہ کے صدر مولانا محمد الیاس صاحب تھے، یہ فارسی کے  
نامور اور بڑے لائق و فاضل استاد تھے، مفتی صاحب نے ان سے خاطر خواہ



استفادہ کیا جس کا وجہ سے ان کا فارسی ادب اور شعر و شاعری کا ذوق اعلیٰ اور نگہ  
میں رہا بسا تھا۔ فارس درجہ کی پہنچ سالہ تعلیم کی تکمیل کے بعد مفتی صاحب عربی کے  
درجہ میں داخل ہوئے تو سبحان اللہ یہاں کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ یہ زمانہ دارالعلوم  
کے شباب اور اوج کا تھا، ہر استاد اپنے فن میں نابغہ روزگار اور سیدانِ  
تعلیم و تربیت کا شہسوار، علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور علوم کے درس کی وہ  
گرم بازاری تھی کہ پورا پرصغیر اس کے رزمیوں سے گونج رہا تھا، مفتی صاحب نے  
اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت، انداز و ذوقِ علم کے باعث اس سرچشمہ فیض و  
برکات سے سیرابی و کام جوڑا، میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہر درجہ  
میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے چلے گئے، اور آخر میں دورہ حدیث  
میں بھی فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

طالب علم سے فراغت کے بعد ابن کو درس اور افتاء کی خدمات سپرد کی گئیں  
حسن تدریس کا بلکہ خداداد تہا اور استعدادِ پختہ، جلد ہی مدرس اور مفتی کی حیثیت  
سے دارالعلوم میں ان کی شہرت ہو گئی، پھر حضرت شاہ صاحب اور دوسرے  
اکابر کے ساتھ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم میں منتقل ہوئے تو وہاں طبقہِ علما  
کے استاد اور مفتی کی حیثیت سے یہ وہاں خدمات بہم پہنچاؤں (انجام)  
دیتے رہے، ڈا ہیمل میں چند برس قیام کے بعد کلکتہ پہنچے، وہاں کولر ٹولہ  
اسسٹنٹ کی مسجد میں بیسویں شعبہ رہے اور ساتھ ہی درس قرآن  
کا مشغلہ جاری رہا۔ قیامِ کلکتہ کے زمانہ میں ہی انھوں نے اسلامیات  
پر میاری کتابوں کی تصانیف و تصانیف اور ان کی عمدہ کتابت و طباعت  
کے ساتھ اشاعت کی غرض سے ایک ادارہ قائم کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

چنانچہ ۳۷ء میں وہ واپس آ گئے اور یہاں ندوۃ المصنفین اور مجلہ برہان کی بنیاد لی، ان برسوں میں اس ادارہ اور اس کے مجلہ نے علم و ادب اور اسلامیات کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ سب پر روشن ہیں۔ یہ سب کچھ بلاشبہ مفتی صاحب کی غیر معمولی قوت عمل، جذبہ، فہم و فراست اور حسن نظم و نسق کے باعث ممکن ہو سکا۔

ایک انسان کا زندگی میں عظمت اور کامیابی حاصل کرنا تین چیزوں پر موقوف ہے، جذبہ، شعور اور قوتِ عمل، مفتی صاحب میں یہ تینوں اوصاف بدرجہ اتم تھے، دارالعلوم کی روایات کے مطابق استخلاصِ وطن کا جذبہ شروع سے تھا اس لئے انھوں نے کانگریس کی تحریک آزادی اور اس سلسلے میں اس کے منصوبوں اور پروگراموں کی ہمیشہ تائید و اعانت کی، جمعیت علمائے ہند کے صفِ اول کے زعمائے ان کا شمار ہوتا تھا، ۶۳ء میں صدارت کے معاملہ میں ان کے ساتھ نا انصافی ہوئی تو وہ جمعیت سے کنارہ کش ہو گئے اور اب آل انڈیا مجلس مشاورت ان کی عملی سرگرمیوں کی جواہر نگاہ بن گئی، مفتی صاحب کی شخصیت اور ملک میں ان کے وقار اور حیثیت سے ہر طبقہ اور ہر جماعت کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، لیکن مفتی صاحب جس کھلے دماغ کے انسان تھے اس کا ساتھ بہت کم لوگ دے سکے اس لئے افسوس ہے کہ مجلس مشاورت میں کھنڈت پڑ گئی اور مجلس کے متعلق مفتی صاحب کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا جس کا رنج ان کو آخر تک رہا۔

مفتی صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک نہایت پختہ استوار  
 کے وسیع النظر عالم دین ہونے کے باوصف ایک بلند پایہ سیاسی رہنما بھی تھے،  
 جو بات کہتے دماغ سے اتار کر کہتے تھے، تقریر اور تحریر دونوں کا اسلوب  
 بڑا دل نشیں اور موثر ہوتا تھا۔ اسلامی معاشرہ اور عام پبلک میں ان کا بڑا  
 اعتبار تھا اور دوسری جانب گورنمنٹ بھی ان کا بڑا لحاظ رکھتی اور ان کی  
 عزت کرتی تھی، وہ نہایت بے لوث و بے غرض، حد درجہ خوددار، حق گو  
 اور بیباک انسان تھے، انھوں نے اپنے اشہور سوخ سے ہزاروں کو فائدہ  
 پہونچایا۔ مگر کبھی کسی سے فائدہ کی امید نہ باندھی، وہ اگر پسند کرتے تو  
 گورنمنٹ سے انھیں کیا کچھ نہ مل سکتا تھا، لیکن جس رزق سے پرواز  
 میں گوتا ہی کا اندیشہ ہو مرحوم کو طبعاً اس سے نفرت تھی، اخلاق و  
 شمائل اور عادات و خصائل کے اعتبار سے وہ بڑے پاکیزہ سرشت  
 اور بلند مرتبہ انسان تھے، عمر ۸۴ برس کی ہوئی، ان کی وفات بے شبہ  
 برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے جس کو جلد نہ بھلایا جاسکے  
 گا، اللہم اغفرلہ و ارحمہ و بڑا منجوعہ۔

پس ماندگان میں ایک اہلیہ جو کم و بیش اٹھارہ برس سے خود صاحب فراش  
 اور سخت غلیل ہیں اور چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں، سب سے بڑے بیٹے  
 مجیب الرحمن عرصہ سے جیشہ میں برسر روزگار ہیں، باقی سب اولاد  
 یہیں دلی میں ہے، ان میں سے دوسرے بیٹے منیب الرحمن اپنے کاروبار  
 کر رہے ہیں، سب سے چھوٹے فرزند نجیب الرحمن سرکاری ملازمت میں  
 ہیں، تیسرے بیٹے عمید الرحمن نے ادارہ اور برہان کے نظم و نسق سنبھال رکھا

ہے اور ماشار الشہرزی سوجھ بوجھ اور محنت سے کام کر رہے ہیں، صاحبزادی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ ہمیشہ مفتی صاحب کے ساتھ رہی ہیں اور تمام خانگی انتظامات انھیں کے سپرد رہے ہیں، ان کے شوہر مولوی الطہر صدیقی ہیں، وہ بھی یہیں رہتے ہیں، مفتی صاحب کی سوا دو برس کی شدید علالت کے زمانہ میں ان سب نے اور خصوصاً صاحبزادی نے خانہ داری کی ذمہ داریوں کے ساتھ مفتی صاحب مرحوم کی جو خدمت دن رات ایک کر کے کی ہے اس کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

برہان کی کاپیاں پریس کو جانے والی تھیں کہ یہ حادثہ فاجعہ پیش آگیا، اس لئے کتابت شدہ نظرات کو روک کر یہ چند سطریں روادری میں لکھ دی گئی ہیں، ورنہ مفتی صاحب پر ایک مفصل مضمون انشاء اللہ جلد ہدیہ ناظرین ہوگا جس میں راقم مفتی صاحب سے اپنے ساٹھ برس کے عمیق تعلقات کی دلچسپ مگر سبق آموز داستان سنائے گا۔



# مشائخ جنت پور

۱۔ (از مولانا قاضی اعظم مبارک پوری، بھٹی)

دہلی اضلاع میں دیار پورب کے جو قصبہ سندھ فریات میں علم و فضل رہے ہیں، ان میں موجودہ ضلع اعظم گڑھ کے شمال علاقہ میں پرگنہ سگڑی اور اس کے قریب دیوار کی بستیوں بھی شامل ہیں، خاص طور سے سگڑی، جنت پور اور عظمت گڑھ مدقوں علم و فضل اور روحانیت مشیخت کے گہوارے اور عنار و مشائخ کے مرکز رہے ہیں۔

راجہ اعظم خاں پانی اعظم گڑھ کے بھائی راجہ عظمت خاں نے سن ۱۶۶۷ء (سنہ ۱۰۷۷ھ) میں عظمت گڑھ آباد کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کی، اس کے بعد اس علاقہ میں علماء و مشائخ کی اچھی خاصی تعداد آباد ہو گئی، بنانچہ اس دیار میں رشید آباد انجان پور، علماء پور، چاند پار، علی پور، علیہ الدین پور، رسول پور، مہر علی، بندول، جہڑ چ پور، مہراجہ پور، چاند پور وغیرہ مسلمانوں کی مشہور بستیوں آباد ہوئیں، جہڑ میں علم و فضل کی رونق پیدا ہوئی۔

پرگنہ سگڑی مغل دور سلطنت میں سرکار جوں پور میں شامل تھا، آئین اکبری میں اس کا نام سگڑی لکھا ہے، اور یہاں راجپوتوں کی آبادی بتائی گئی ہے۔ آج بھی

یہ علاقہ راجپوتوں کا ہے جس میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، ان دنوں سگڑی چھوٹا سا گاؤں ہے جو تحصیل کا صدر مقام ہے۔

اس علاقہ میں اسلام کی روشنی آٹھویں صدی کے نصف اول میں پھیلی، حضرت شیخ اسد الدین بن شیخ تاج الدین آفتاب ہند ظفر آبادی متوفی ۷۹۵ھ رحمۃ اللہ علیہ نے دیوار پورب کے کئی اہم مقامات میں جہاد کیا ہے، ان کے زمانہ میں علاقہ سگڑی کے ..... بنادانی مقام میں راج بھرتوم کا ایک راجہ بڑا طاقتور اور سرکش تھا، شیخ اسد الدین نے اپنی جمعیت لے کر راجہ کو ظلم و سرکشی سے روکا اور دعوت اسلام دی، انکار کی صورت میں جنگ ہوئی اور چھ ماہ تک حرب و ضرب کا سلسلہ جاری رہا آخر میں راجہ نے اسلام قبول کر لیا، غرض قریب تک یہاں مسجد موجود تھی اور دیگر آثار پائے جاتے تھے۔

یہ علاقہ سیلابی ہے، اور کچھ ریلوے کے نام سے مشہور ہے (پورب میں ضلع دیواریا کا نام اسی لفظ دیوار سے مشتق ہے) اس کے شمال میں دریائے گھاگھر مغرب سے مشرق کی طرف بہتا ہے، اور اعظم گڑھ، گورکھپور، امڈرا کے درمیان حد فاصل ہے، اور اس کے جنوب میں دریائے ٹونس مغرب سے مشرق کی سمت بہتا ہے، اس کے جنوب میں چند نرلانگ کے فاصلہ پر قصبہ بارک پور واقع ہے، نیز اس علاقہ کے اندر کیاڑندہ بہتی ہے، اس علاقہ سے جو پور، گورکھپور سے ملانے والی قدیم شاہراہ گذرتی ہے، جس کے کنارے کنارے سرائوں اور مسجدوں کے قدیم آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ اسی قدیم شاہراہ پر جتن پور واقع ہے، اس کے مغرب میں سگڑی اور مشرق میں عظمت گڑھ واقع ہے۔ آخری دور میں اسی علاقہ میں علامہ شبلی، مولانا

سوائت جیراج پوری ان کے صاحبزادے مولانا حافظ اسلم جیراج پوری، مولانا خدابخش  
ہیراج سنجی اور مولانا عبید نسلم ندوی پیدا ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس علاقہ میں زبردست جنگ ہوئی تھی، بابو کنور سنگھ  
اور رجب علی خاں اپنی فوج لے کر اعظم گڑھ پر حملہ آور ہوئے تو ایک انگریز افسر بینی  
نے بنارس اور غازی پور سے تقریباً دو ہزار انگریزی فوج مع جنگی بارہ کے طلب کی اور  
شہر اعظم گڑھ میں ہم در مقابلہ ہوا۔ مولوی علی حسن فاروقی "واقعات و حادثات مبارک" میں  
میں لکھتے ہیں کہ مقابلہ کئے بعد باغی فوجوں نے اعظم گڑھ کے شمال کا رخ کیا اور ہوتی  
کے بانٹ میں بندوقوں اور توپوں سے باغیوں میں شدید ترین جنگ ہوئی، پھر اس  
کے آگے مقام مندوری (کپتان گنج) میں مقابلہ ہوا، آخر میں گنجی ڈانڈ میں جم کر آفری ہو کر  
ہوا۔ ان باغیوں سے موضع گنجی ڈانڈ متعلقہ برگنہ سگری میں مقابلہ ہوا اور انگریزی فوج  
ان کے سب راہ ہوئی، باوجود کہ باغیوں کو بھی دو در دو کھانا کھائے ہوا تھا، مگر  
جان پر کھیں کر وہاں سے نہ بیٹے برابر جم گئے، اور صف آراستہ کر کے مقابل کھڑے ہوئے  
پھر تو اس قدر جنگ و جدال کی آتش افروختہ ہوئی کہ کسی کو آسمان و زمین کی تمیز نہ  
تھی کہ تم کہاں ہیں؟ اور فوج سرکاری میں جو جنگی بارہ بچتے تھے تو اس کی آواز پر سپاہیان  
سرکاری مست ہو کر اسی شعلہ آتش میں اپنے کو تھونک دیتے تھے، اور پھر اس پاپ  
باغیوں کو قتل کر کے خود مظفر و منصور اپنے گڑھ میں واپس آتے تھے، المحشر  
وہاں سے مقام جین پور بلکہ عظمت گڑھ تک فوج بابو کنور سنگھ بھاگتے  
بھاگتے نابود ہو گئی اور بینی صاحب بہادر مقام گنجی ڈانڈ سے مجروح ہو کر  
اعظم گڑھ پہنچے یہ



یہ واقعہ بسبیل تذکرہ یہاں درج کر دیا گیا۔ اس دیار میں گیارہویں  
 خانوادہ میرسید سلام اللہ جتین پوری اور بارہویں صدی میں دو علمی اور روحانی خانوادے خاص شہرت  
 رکھتے ہیں، ایک حضرت دیوان محمد رشید جو پوریؒ کے خلیفہ ارشد

حضرت میرسید قیام الدین سگر دویؒ متوفی ۱۱۲۸ھ کا خانوادہ، جو اپنے شیخ و مرشد کے  
 حکم سے گورکھپور میں مقیم ہوئے اور ان کی اولاد رشد و ہدایت کا منارۃ نور بن کہ بدتوں  
 فیض رسال رہی، اور دوسرا خاندان حضرت شاہ قطب قادریؒ کے خلیفہ برحق حضرت  
 میرسید سلام اللہ جتین پوریؒ کا جس نے ایک زمانہ تک اس علاقہ کو سرزمین چشت بنا کر  
 یہاں فیض جاری کیا، اس وقت اسی خاندان کے چند مشائخ کا ذکر مقصود ہے۔  
 اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرحمن چشتیؒ متوفی ۱۰۹۳ھ کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے  
 اپنی کتاب "مرآۃ الولايت" میں حضرت شاہ عبدالجلیل لکھنویؒ متوفی ۱۰۶۷ھ کے خلفاء  
 کے ذکر میں میرسید جلال الدین جتین پوریؒ، ان کے بھائی میرسید حامد جتین پوریؒ،  
 میرشمس الدین جتین پوریؒ اور بعض دوسرے اکابر کا حال لکھا ہے، اور ان کے حوالہ  
 سے مولانا وجیہ اشرف لکھنویؒ نے اپنی عظیم و ضخیم کتاب "سحر زخار" میں ان بزرگوں  
 کا تذکرہ کیا ہے اور اسی سے میرسید سلام اللہ جتین پوریؒ کی اولاد و احفاد کا  
 ذکر پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے، ہم الخط کی مشابہت کی وجہ سے بعض  
 کتابوں میں جتین پور کو حسین پور لکھا گیا ہے، چنانچہ نزہۃ الخواطر میں میر محمد شفیع دہلویؒ  
 کے ذکر میں ان کے مرشد سید جلال الدین کی نسبت "الحسین پوری" لکھی ہے لہ جو  
 جتین پوری ہونی چاہئے۔ اسی طرح "سمات الاخیار" میں شیخ محمد ارشد جو پوری کے



بارے میں ہے کہ ایک رتبہ وہ حسین پور سے جون پور تشریف لے جا رہے تھے، یہاں بھی جین پور ہونا چاہیے۔

میر سید جلال الدین جین پوری شیخ وجیہ اشرف لکھنوی نے میر سید جلال الدین جین پوری کا ذکر ایک جگہ ضمناً اور دوسری جگہ مستقلاً کیا ہے۔ مولانا میر محمد شفیع دہلوی متوفی ۱۳۹۹ھ کے اپنے چچا میر محمد طاہر کے ساتھ میر سید جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونے کے سلسلہ میں لکھا ہے :

میر سید جلال الدین جین پوری	وہ راہ غم خود در خدمت مرجع اہل کمال
مرجع اہل کمال میر سید جلال ساکن	میر سید جلال ساکن جین پور۔ متصل
جین پور (متصل عظمت گڑھ تعلقہ	عظمت گڑھ تعلقہ اعظم گڑھ کرانہ
اعظم گڑھ از مضافات جونپور) کی	مضافات جونپور واقع است کہ
خدمت میں آکر ان سے مرید ہوئے	مرید حضرت شاہ عبد الجلیل لکھنوی
جو کہ شاہ عبد الجلیل لکھنوی کے	بود۔ مرید شد

مرید تھے۔

اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ میر سید جلال الدین کا وطن یہی جین پور ہے جو ضلع اعظم گڑھ میں عظمت گڑھ سے متصل ہے، بعد میں ان کا مستقل تذکرہ ان القاب سے شروع ہوتا ہے: ”آن سید سند ولایت، آن مفید ارشاد و ہدایت، آن صوفی اہل کمال، فنا فی اللہ حضرت سید جلال، مردے بابرکت عظیم و“

۱۔ رسالت الاخبار ص ۸۰

۲۔ بحر زخار قلم ص ۵۸۹ مملوکہ مولانا فیض الدین صاحب جونپوری۔

جو انمرد سے با قدم مستقیم۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ان کے آبا و اجداد کربلا کے عالی نسب سادات میں سے تھے، اور ان کے والد میر سید سلام اللہ شاہ قطب قادری کے خلیفہ اور سجادہ مشیخت پر فائز تھے، و پدرش میر سید سلام اللہ خلیفہ شاہ قطب قادری مرد صاحب جاہ بہ سجادہ مشیخت مستقیم بود۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کا خاندان عراق سے نکل کر کب اور کیسے اس دیار میں آیا۔ نیز میر سید سلام اللہ اور ان کے شیخ و مرشد شاہ قطب قادری کے بارے میں مزید معلومات نہ ہو سکیں، بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود میر سید سلام اللہ یا ان کے آبا و اجداد میں سے کوئی بزرگی پہلے لاہور آئے تھے، میر سید محمد شفیع بن میر سید مقیم لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے چچا میر سید محمد طاہر اپنے یقیم بھتیجے میر سید محمد شفیع اور ان کی والدہ اور ہم شیرہ کو لے کر لاہور سے جوہپور میں سرکاری ملازمت پر آئے تھے، اور اپنے بھتیجے کو جین پور لاکر میر سید سلام اللہ کے حلقہ ارادت میں شامل کیا، بعد میں میر سید محمد طاہر لکھنؤ اور گورکھپور میں سرکاری خدمات پر مامور رہے، اور میر سید محمد شفیع اپنے دوسرے مرشد حضرت شاہ محمد لکھنوی کے حکم سے دہلی میں مقیم ہوئے، میر سید محمد طاہر کے میر سید محمد شفیع کو میر سید جلال الدین کی خدمت میں لانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات میں قدیم نسب اور وطن تعلق تھا ورنہ خود جوہپور میں جہاں میر سید محمد طاہر رہتے تھے مشائخ اور اصحاب ارشاد و تلقین قاضی تعداد میں موجود تھے، نیز ان حضرات کے ناموں میں ”میر سید“ کا التزامی اضافہ اس کی تائید کرتا ہے۔

میر سید سلام اللہ کے دو صاحبزادے تھے، میر سید جلال الدین اور میر سید حامد دونوں بھائی شاہ عبد الجلیل لکھنوی کے حلقہ ارادت میں آکر فتر و فنا کے مرتبہ کو پہنچے، ان کے روحانی ذوق و شوق کی بنا پر شاہ عبد الجلیل لکھنوی سے جین پور کا سفر کر کے ان کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتے تھے۔

و کمال سادہ مذہب ایشان ازین بنا  
ان کا کمال سواد تمدنی اس سے معلوم  
سے ناپید کردہ شیخ عبد الجلیل باقی  
ہو سکتی ہے کہ شیخ عبد الجلیل باوجود  
مسائبہ تعبیبی و ستغراق اکثر حجت  
افکار و اشغال میں ستغراق کے ان  
تربیت و امان و در نصب سگری سگری  
کی تربیت و تعلیم کے لئے کہ نصب سگری  
اکثریت میں برور (سگری) تشریف لے جاتے تھے۔

شاہ عبد الجلیل کے انتقال ۱۱۱۶ھ کے بعد دونوں بھائی لکھنؤ گئے اور ان کے خلیفہ  
شیخ حسن صاف متوبی ۱۱۱۶ھ کی خدمت و صحبت میں کچھ دن ذکر مسند میں ہوئے پھر جین پور  
والپس چلے آئے، اس کے بعد میر سید حامد انتقال کر گئے اور میر سید بلال الدین نے  
دوبارہ لکھنؤ کا سفر کیا، اب کے بار چند ماہ شیخ حسن صاف کی خدمت میں رہ کر  
روحانی ذوق کو تسکین دی۔

شیخ عبد الرحمن چشتی لکھتے ہیں کہ یہ فقیر معذرتاً اولایت اس مرتبہ متعدد بار  
میر سید بلال الدین کی خدمت میں حاضر باشی سے سرف ہوا، اس کے بعد وہ شیخ حسن  
صاف کی اجازت لے کر اپنے وطن جین پور واپس آئے، اور چند ماہ کے بعد یہیں  
فوت ہوئے، ان کی بزرگی، جہان نوازی اور غریب پروری کے بارے میں لکھا ہے:  
وہ بزرگ مہمان دوست بود، رہ بڑے مہمان نواز اور فقرا کی  
خدمت فقرا برائے افلاک ہی نمود خدمت میں مخلص تھے۔

حضرت شاہ عبد الجلیل بن شیخ عمر صدیقی لکھنوی بیاز کے رہنے والے تھے، دینی  
علوم خاص نور سے فقہ کے زبردست عالم تھے، کسی سرگ کے مرید و خلیفہ نہیں تھے  
بلکہ اعلیٰ دینی ہدایت و توجہ معین الدین چشتی سے بغریق روحانیت کسب فیوض



کیا تھا۔ سلسلہ چشتیہ میں بلند مقام و مرتبہ رکھتے تھے، شہر لکھنؤ کے باہر شیخ محمود قلندر کی مسجد میں مستقل طور سے قیام کر کے عبادت و ریاضت اور ارشاد و تلقین میں زندگی بسر کی۔ تصوف میں ان کی ایک کتاب "الاسرار الالہیہ" ہے، جمعہ ۹ ربیع الآخر ۱۰۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ حسن صاف بن مراد بن حیدر انبالوی شیخ عبد الجلیل کے اعظم خلفاء میں سے تھے، بیس سال کی عمر میں ہمراہ سہرام جا رہے تھے، راستہ میں شاہ تمیم قادری سادھوری متوفی ۹۹۲ھ سے فیض یاب ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جلال تھانوی متوفی ۹۸۹ھ کی خدمت میں رہے، اور ستائیس سال کی عمر میں شاہ عبد الجلیل کی خدمت میں رہ کر ان کے ہم رنگ ہو گئے۔ مرشد نے مسترشد کو صاف کے لقب سے نوانا شاہ عبد الجلیل کے سات خلفاء میں شیخ حسن صاف ان کے ساتھ رہ کر فروع و قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے، اور ان کے وصال کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے، ۱۲ ذوالحجہ ۱۰۸۸ھ میں انتقال کیا۔

یہی دونوں شیخ و مرید میر سید جلال الدین اور میر سید حامد کے شیخ و مرشد ہیں، شاہ عبد الجلیل دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اکڑ جہیں پور آتے تھے اور دونوں بھائی شاہ حسن صاف کی خدمت میں لکھنؤ حاضر ہوتے تھے۔  
میر سید محمد شفیع دہلوی میر سید جلال الدین کے خاص مریدوں میں سے تھے، وہ علوم دینیہ کے مشہور صاحب درس عالم تھے، میر سید جلال الدین ان کی ارادت و بیعت کا تذکرہ صاحب نزہتہ الخواطر نے بھی بحر زخار کے حوالہ سے کیا ہے:

۱۔ بحر زخار ص ۱۰۳۸۔

۲۔ ص ۱۰۲۳۔ و نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۲۔



وبالشیخ جلال الدین  
الحسینی الحسین پوری  
انہوں نے شیخ جلال الدین حسین  
جین پوری سے بیعت کی۔

میر سید محمد شفیع بن میر سید محمد شمس الدین <sup>۱۱۰۹ھ</sup> لاہور میں پیدا ہوئے  
پیشی میں جو پوری آئے۔ بعض اکتب رسیدتہ فیہ القادر لکھنوی سے پڑھیں، لکھنؤ  
ہی میں شاہ پیر محمد سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد علمائے جون پور سے تعلیم کی، اور  
شاہ پیر محمد کے حکم سے دہلی میں سکونت اختیار کی، شاہ پیر محمد سے انتقال کے بعد لکھنؤ  
آئے اور اپنے پیر محمد سے شیخ ہوا۔ اس کے بعد مراد کھنوی کدیوری حکمت ملی سے  
اپنی جگہ شیخ و مرشد کا پائین بہ پایہ تمام ہونے و مدرس میں مشغول رہنے  
لگے۔ دہلی میں <sup>۱۱۵۰ھ</sup> میں لاہور میں

میر سید عبداللہ الدین کے نائب ہوئے۔ دوران شیخ عبد الرحمن ہستی نے بھی اس  
سے فیض اٹھا ہوا تھا۔ دوران عبدالرحمن بن عبد الملک سبہاسی علوی دیکھوئے نے اس  
کے علماء سے دینی علوم کی تکمیل کی اس کے بعد شیخ حسن صاف خلیفہ شاہ عبد الجلیل  
لکھنوی سے عریقت حاصل کی، اور چالیس سال تک ان کی خدمت میں رہے، انہوں  
نے متعارف حیثیت کے حالات میں مرآۃ الاسرار، شیخ بدیع الدین مدار کے حالات میں  
مرآۃ المداری، سلامہ سعد غازی کے حالات میں مرآۃ السعدی، اور سہ عبد جلیل  
لکھنوی اور ان کے خلفاء کے حالات میں مرآۃ الاولیاء لکھی، نوسے سال کی عمر میں  
ان کے انتقال کے بعد ان کے مرنے کے بعد

۱۔ ترجمۃ الخاتم ج ۶ ص ۳۱۸

۲۔ دیار پور میں علم، ص ۱۰۰

۳۔ حضرت غار ص ۱۰۴

میرسید جلال الدین کے معاصرین و متعلقین میں دیوان محمد ارشد جون پوری متوفی ۸۱۳ھ بھی شامل تھے، جو دیوان محمد رشید جون پوری صاحب رشیدیہ کے منجھلے صاحبزادے ہیں اور جین پور تشریف لے چکے ہیں۔ سات الاخیار میں ہے کہ ایک مرتبہ آپا حسین پور (جین پور) پر گنہ سگری سے جونپور کو تشریف لے جا رہے تھے انہوں نے ان کی یہاں آمد میرسید جلال الدین اور میرسید حامد کے یہاں رہی ہوگی، ویسے بھی اس دیار میں ان کے خاندانی اور روحانی تعلقات تھے۔ میرسید قیام الدین ان کے والد دیوان محمد رشید کے خلیفہ تھے اور دیوان محمد ارشد کی دوسری شادی ان کے والد کے مرید و خلیفہ شیخ عبدالعزیز بن عبدالہادی مٹھن پوری (نواح نظام آباد) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان گونا گوں تعلقات کی وجہ سے اس زمانہ میں دیوان محمد ارشد کی آمد اس علاقہ میں زیادہ رہتی تھی۔

میرسید حامد بن میرسید سلام اللہ کا ذکر شیخ وحید اشرف میرسید حامد جین پوری نے ان القاب سے شروع کیا ہے، "آں سید و اصل الوار وحدت، آں کاشف اطوار و اسرار حقیقت، آں محمود روزگار سزاوار، مجاہد عاشق میرسید حامد" ان القاب سے ان کے علوئے مرتبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اس کے مرآۃ الایات کے حوالے سے لکھا ہے:

از محبوب ترین یاران سلطان الافراد	وہ شاہ عبدالجلیل کے محبوب ترین
حضرت شاہ عبدالجلیل بود بہ جمال	دوستوں میں سے تھے۔ ظاہری
صورت و کمال معنی آراستہ،	حسن و جمال اور باطنی فضل و کمال
عشق نیکو و ذبیعہ سلیم، و بہت بلند،	سے آراستہ تھے، روحانیت میں

و نواضع و پسند دامت در میان  
 ذوق طبع صمیم بلند تہی اور تواضع  
 کی صفات سے موصوف تھے۔ اس  
 کے اعتبار میں ان کی خصوصی توجہ  
 ہر ذوق تھی

اس وقت رئیس مجلس علی ہر مہینے تھوڑے سنگرائی میں تشریف لے کر میر سید  
 حامد علی کے گھر آتے تھے۔ ان کے دربار میں ہر مہینے ایک مرتبہ جلسہ ہوتا تھا جس میں  
 علماء و مشائخ کے تعلق تھا۔ ہر مرتبہ یہ ہوتی کہ ایک دن شاہ عبدالحمیل  
 شاہ دہلی سے اس وقت تھے کہ ان کے ساتھ میر سید حامد علی تھے۔ وہاں میر  
 سید حامد بھی موجود تھے۔ اس وقت ان کی اقبال صدی کا ستارہ بلند ہوا، اور  
 تیر شاہ یرویوں کے ساتھ عبدالحمیل کی خدمت میں تھے۔ ان کو شغل ہوتی میں لگے دیا  
 اس نوجوان کی خدمت میں فقر و غنا ہر دوں ہو گئی، خدائے انکشاف سے  
 اس نوجوان کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس وقت میر سید حامد بھی  
 اس وقت تھے کہ ان کے دربار میں ہر مہینے ایک مرتبہ جلسہ ہوتا تھا جس میں  
 علماء و مشائخ کے تعلق تھا۔ ہر مرتبہ یہ ہوتی کہ ایک دن شاہ عبدالحمیل  
 شاہ دہلی سے اس وقت تھے کہ ان کے ساتھ میر سید حامد علی تھے۔ وہاں میر  
 سید حامد بھی موجود تھے۔ اس وقت ان کی اقبال صدی کا ستارہ بلند ہوا، اور  
 تیر شاہ یرویوں کے ساتھ عبدالحمیل کی خدمت میں تھے۔ ان کو شغل ہوتی میں لگے دیا  
 اس نوجوان کی خدمت میں فقر و غنا ہر دوں ہو گئی، خدائے انکشاف سے  
 اس نوجوان کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس وقت میر سید حامد بھی

زائد تک زندہ رہ کر فوت ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انتقال لاہور کے بعد ہوا۔

میر سید شمس الدین جین پوری میر سید شمس الدین جین پوری بھی چشتی سلسلہ میں اپنے عہد و دیار کے مشہور بزرگ تھے۔ وہ میر سید جلال الدین اور میر سید حامد کے ہم خاندان، ہم مشرب، ہم مرشد اور ہم عصر، بحر زخار میں ہے، ”میر سید حامد و اوہم دگر یک جدی، وہم وطن بوند“ ان کا ذکر ان القاب سے شروع ہوتا ہے: آن سید اہل کمال، آن دائم بمشاہدہ ذلت ذوالجلال، آن فرید حضرت شفیع المذنبین، اشرف المجاہدین، حضرت میر سید شمس الدین، مرد سے آزاد، و مرتاض جہاں دیدہ، وصحت ہائے خشک و تر گذر ایدہ، انہ یاران محرم سلطان الافراد حضرت شاہ عبد الجلیل

شیخ حسن صاف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں شاہ عبد الجلیل بنگالہ کی سیر و سیاحت سے واپسی پر راج محل ہوتے ہوئے ولایت بہار کی طرف روانہ ہوئے۔ میر سید شمس الدین اس حال میں تھے کہ ترک و تجرید کر کے گھر بار اور دنیاوی قیود سے آزاد ہو چکے تھے، راستہ ہی میں شاہ عبد الجلیل کے سلسلہ بیعت و ارادت میں داخل ہو کر ان کی عنایت و توجہات سے بہرہ مند ہوئے، اور چند دنوں میں سلوک کے منازل طے کر کے اپنے مرشد کے ہم رنگ ہو گئے۔

ایک مرتبہ مجلس میں سیر و سیاحت کا ذکر آیا تو میر سید شمس الدین نے مرشد سے سفر کی اجازت چاہی، انھوں نے فرمایا کہ اگر تم کو سیر و سیاحت کا شوق ہے تو دلولی سفر کا ارادہ کرو اور ولایت بالا کی طرف اشارہ کیا، میر سید شمس الدین



نے اسی وقت سیاحت صوری کے پردے میں سیاحت معنوی پر مکر باندھی اور سات سال تک متوکانہ انداز میں عراقین، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، روم، شام، فرنگستان، اور دیگر ممالک کی سیاحت کی اور ہر طبقہ کے لوگوں کی صحبت اٹھائی، آخر میں بذریعہ کشتی وایت گجرات میں سکر کچھ دنوں اس دیار کی سیر کی، واپسی پر اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت کی، لکھنؤ آئے تو دیکھا کہ شاہ عبدالجلیلؒ کا وصال ہو چکا ہے اور شیخ حسن صافؒ مسند خلافت پر متمکن ہیں، چند روز ان کے پاس رہنے کے بعد اپنے وطن چلے پور واپس آئے، اس پورے سفر میں ایک بزرگ حاجی نور اللہ ان کے رفیق سفر تھے۔

وطن واپس آنے کے بعد میر سید شمس الدین کی روحانیت و مشیخت اور علوئے مرتبت کا شہرہ اور مرجع خلائق بن گئے۔

در آخر کہ شہرت بسیار یافتہ کمالات آخری دور میں انھوں نے بڑی نامور

وے درجہ حاصل کر گئے۔ پال اور ان کے کمالات خوب پھیلے۔

حاجی نور اللہؒ کے بارے میں شیخ عبد الرحمن چشتیؒ لکھتے ہیں کہ یہ راقم الحروف ایک

مدت تک اس کی صحبت سے فیضیاب ہوا ہے، حاجی نور اللہ موجد اور آزاد مرد تھے،

ظاہری و باطنی معاملات سے یکساں ہو کر ترک و تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔ انھوں

نے ہر مشرب کے بزرگوں سے فیض اٹھایا تھا اور کئی سلاسل و طرق سے نسبت رکھتے

تھے، آخر عمر میں بحرۂ حید میں مستغرق رہا کرتے تھے، چند دنوں تک اس دیار میں

مقیم رہ کر بنگالہ چلے گئے اور وہیں رحمت حق سے پیوستہ ہو گئے۔ یہ

فنا ہے حاجی نور اللہ اس مذاق کے رہنے والے تھے، شاہ نور اللہ گورکھ نام

کے ایک بزرگ شاہ عبدالجلیل کے مریدین خاص میں سے تھے، ابتداء میں شیخ فتح اللہ جو کہ کی خدمت میں رہے پھر شاہ عبدالجلیل سے یوں وابستہ ہو گئے کہ ان کی دُعا کے بعد چھ ماہ تک ان کے مرقد پر پڑے رہے پھر یہاں سے کوہ کمالیوں کے اطراف میں چلے گئے اور اسی طرف انتقال کیا۔<sup>۱۰</sup>

شاہ لدھا نامی ایک بزرگ کا مزار قصبہ جین پور میں ہے ان شاہ لدھا جین پوری کے حالات اب تک معلوم نہ ہو سکے۔ ان کی قبر ایک حظیرہ میں واقع ہے جس کے دروازے پر دو سطری کتبہ ہے، اس میں ۱۱۲۲ھ صاف نظر آتا ہے جو تاریخ وفات یا تاریخ تعمیر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ لدھا گیارہویں اور بارہویں صدی میں تھے اور میر سید قیام الدین سگڑوی متوفی ۱۱۲۸ھ کے متقدم الوفاۃ معاصر تھے۔ شاہ لدھا بگرامی کا تذکرہ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں کیا ہے، وہ دوسرے بزرگ ہیں۔



اس کے اندر خود ستائی غرور اور اکڑ فوں کا جذبہ بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اب گرنے کے بعد جب وہ اٹھتا ہے تو قصداً اکڑ اکڑ کے، اٹھلا اٹھلا کے، اترا اترا کے مشک مشک کے سینہ تان کر جاتا ہے گویا وہ اپنی بہادری کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ ٹھٹھک ٹھٹھک کی سوزن ختم ہو چکی۔

عام طور پر یہ عادت نادانی کی علامت رکھتی ہے اس کے بعد جب شعور اور سمجھ پیدا ہو جاتی ہے تو یہ عادت ختم ہو جاتی ہے لیکن بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ ان میں یہ عادت خرابہ کسی دوسرے رنگ میں ہی رہی ہو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ ان کو اپنا ہر ایک کام خواہ وہ کیسا ہی بھونڈا ہو اپنی نظر میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسروں کے سامنے وہ اس طریقے سے پیش کرنے پھرتے ہیں کہ گویا انھوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ کوئی مفید کار آمد اور خوبصورت چیز ایجاد کی ہے۔ اپنے منہ میاں مسکھو بیٹھے ہیں۔ خود بھی تعریف و تحسین کے پلے بانہ دھتے ہیں اور دوسروں سے بھی داد چاہتے ہیں۔

بعض نوجوان شاعروں اور ادیبوں کا یہی حال ہے۔ شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا تو طبیعت کی روانی کو کیوں کر روکیں زبان کے لغات معلوم نہیں، محاورات کا استحضار نہیں، الفاظ کے مواقع استعمال کا صحیح علم نہیں، موزوں کہنے کی صلاحیت نہیں۔ کسی استاد کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنا شان کے خلاف ہے۔ انھوں نے نئی نئی ترکیبیں ایجاد کرنی شروع کیں اور یہ ایجاد زیادہ تر بلا ارادہ ہوتی ہے۔ قوافی اور ردیف کی پابندی کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وزن کو بھی نظر انداز کر دیا۔ شعر کے کچھ بے ربط جملے، کچھ الفاظ مغولات کی شکل میں لکھے اور اس کا نام ترقی پسند شاعری رکھ دیا۔ تعجب یہ ہے کہ ایک صفحے پر چند سطریں ہوتی ہیں، ایک سطر میں ایک لفظ، ایک سطر میں دو لفظ، ایک سطر میں ایک یا دو لفظ، ایک سطر میں ایک لفظ، اورے صفحے میں چار پانچ الفاظ ہیں۔ یہ آج کل کا نمونہ ہے، جو دلالت سے در آمد کیا گیا ہے۔

اس قسم کا نوجوان کبھی کوئی غزل کہہ لیتا ہے۔ اور مشاعرے میں شریک ہوتا ہے تو غزل پڑھنے سے پہلے کہتا ہے کہ آپ حضرات میرے جذبات کو دیکھیے گا الفاظ کو نہ دیکھیے گا۔



آج کل کی ترقی پسند شاعری میں یہ موقوفات ہیں باتر اس کی بجائیں یعنی یوں ہیں کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا یا پھر انتہائی توہینانی اور تش گوی۔

ترقی پسند ادب کی بنیاد پر اصل بڑے نیک کردار علماء و فضلا اور دانشوروں نے کھینچی کہا یہ جاتا تھا کہ ہمارے اردو مترجمین کی وہ ہیں۔ شہ اب دکیاب غمشق و محبت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نہ اخلاقیات نہ سبب بہ نسبت نہ ہندو نہ عیسیت ہے۔

ایک حد تک۔ بات شیخ گنجی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری درس گاہوں میں ذریعہ تعلیم اردو نہیں تھی۔ مغل بادشاہوں کے زمانے میں ذریعہ تعلیم فارسی تھی اور سرکاری زبان بھی فارسی تھی۔ پتہ نہ دے۔ دو کوئی نہیں پڑھایا کرتا تھا۔ ہمارے برگ یہ کہا کرتے تھے کہ عربی فارسی پڑھنے کے بعد اردو کو حساب کے طور پر پڑھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ اصل رسم خط کا تھا۔ رسم الخط آگیا۔ اردو بھی آگئی۔ دو تو اردو زبان ہے۔ درست میرا ذریعہ کی جو ترقی ہوئی ہے۔ ان میں فیہیات سیاسی بہ تعلق فلسفہ۔ علم کلام۔ تصوف۔ تقسیم۔ فاضلین یہ ہے۔ کئے۔ شیخ احمد کی میرا ہوساں۔ ہوساں۔ چند نامہ عطار۔ نکلے اردو لیستہاں۔ مہم از راجہ جی۔ انتہ سے ابو فضل نے رتو وقائع نعمت خان عالی۔ صدق جلالی۔ اخلاقی نمونے۔ سہ نہ نامہ اردو کی اور بہت کی اخلاقی اور سیاسی کتابیں ہمارے درس میں شامل تھیں۔

انگریزوں کے تسلط کے بعد انگریزی ہی نہ ہماری زبان ہو گئی اور اس کے بعد ہندی جماعتوں کا ذریعہ تعلیم اردو ذریعہ قرار دیا گیا۔ سندھیت۔ بی اور فارسی غلامی کیلئے نیکوئی کے طور پر باقی رہ گئیں۔ ہمارے دستاویزوں نے دیکھ نہ فارسی درسیاں نہ ختم ہو گئیں۔ اردو کورس اگر تیار کیا جائے تو وہ کچھ اقبالیات و انتقادات ہوتے ہیں اس سے وہ مستند حاصل نہیں ہو سکتا۔ اردو دشمن لو اخلاقیات اور باطنیہ یہی ہتھیاروں کے لیے استعمال کیا اس جدید اور مفید خیال کوئی کام پہناتے کے لئے مولانا حالی۔ محمد حسین آزاد دہر سپہ

احمد خاں مولانا شبلی نعمانی۔ اکبر الہ آبادی۔ ڈپٹی منیر احمد۔ مولانا راشد الخیری اور اس وقت کے دیگر اُدبار اور دانشوروں نے قدم بڑھایا۔ ان حضرات کا کلام (انظم و نشر) دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان قدر مفید۔ اصلاحی اور حکمت آ۔ اقدام تھا۔ دراصل ترقی پسندی یہ تھی جو قوم کے لیے اخلاقی۔ معاشرتی اور سیاسی بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ بنی۔ ان حضرات نے محض مضامین کا رُخ بدلا۔ لیکن زبان۔ محاورات۔ لغات اور الفاظ کے مواقع استعمال پر یہ حضرات پورے حاوی تھے۔ اہل زبان تھے۔ عالم تھے۔ انھوں نے ایک روشن شاہراہ امتداد بنا کر مستقبل کی طرف ادب و شاعری کا رُخ موڑا تھا۔

آگے چل کر نوجوان طبقہ ترقی پسندی کا نام لے کر غلط راستے پر چلے لگا۔ اس نے اپنی نادانیت ہی دامن اور اتانٹری پن سے زبان کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا نئی ترکیبیں اور نئے نئے محاورات ایجاد کرنے شروع کیے۔ اور اس بات کی پروا نہیں کی کہ زبان کے لحاظ سے الفاظ کے مواقع استعمال کیا ہیں۔ نئی ترکیب گرامر کے لحاظ سے معنی کے لحاظ سے صحیح ہے یا نہیں نیز غیر معتاد اور غیر مانوس تو نہیں ہے۔ بے سرو پا زبان۔ محاورات اور مکروہ ترکیبیں ایجاد کرنے کے بعد بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور اس کا نام ترقی پسند ادب رکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ سن کر غوام و غوام خواہ مخواہ بھی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ پہلے عمل میں کرتی خیموں ڈھونڈتے لگتے ہیں جب نہیں ملتا تو برے کلمے نکسپیر اور لمبوروب کے دوسرے فلاسفوں کے فلسفے اس پر لا دیتے ہیں۔ اور دوستی کا حق ادا کرتے ہیں۔ ترقی پسند کہتا ہے ترقی پسند شاعری ”برعکس نہند نام رنگی کا فور“ کا مصداق ہے۔ زبان غلط محاورات غلط۔ لغات غلط۔ تشبیہات غلط۔ استعارات غلط غرض کہ ادب کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ اگر ہزل سرائی اور ہنسی گوئی کرنی ہے تو صحیح و فصیح زبان میں بھی کی جاسکتی ہے۔ اس خرمناک ادب کی بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس وقت چند مثالیں پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہوں۔

کھڑکی کھول کے چپکے سے باہر نکلی۔ گلی میں مجھ کو دیکھ کے گجراتی بھاگی۔ میں نے دوڑ کے اس کا دامن تھام لیا۔ اس کی تلاشی لی۔ یہ اچھا کام کیا۔ پڑی ہوئی تھی اس کی جیب میں بڑی مڑی۔ کتنی ہنس بھینسی کی خوشبو بھینسی سی (آخری دن کی تلاشی) یہ چوڑی ہو رہی ہے۔ کوئی معشوق نہیں۔ معلوم نہیں چپکے سے یہ کون سے مکان کی اور کونسی کھڑکی میں سے نکلی ہے۔ پھر اکی جیب بھی ہے۔ وہ گرتا اور صدری بھی پہنتی ہے۔ اس کی تلاشی بھی لی جاسکتی ہے۔ خوشبو بھی ایسی چیز ہے جو توڑنی مروڑنی جاسکتی ہے۔ محاورہ بھینسی بھینسی بتکرار ہمیشہ سنتے رہے اب بھینسی کی نیا محاورہ ایجاد ہوا ہے۔

مذکورہ اشعار کے معانی شاید کسی فدا سفر کی بھی سمجھ میں نہ آئے ہوں گے۔ دیا چھ نگار نے ایک دوسری جگہ کے مخطوط کو اس کے ساتھ جوڑ کر معنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ خوبصورت مختصر نظم موجودہ مجموعہ میں بالکل یکہ دستہا ہے۔ اب نظموں کا ”کالے پتھر کی خوشبو لال بھول میں در آئی ہے“

(آخری دن کی تلاشی۔ ص ۵۸)

خوشبو کا کہہ سہاں کہیں ہے سین یہ خوشبو زندہ خوان حیرت سے بھر پور  
سڈوں جسم کی نہیں بلکہ موت کی بدقوارہ بڑھیا کی ہے جس کے جسم سے  
خود وغیرہ لوبان کی پٹیں اکٹتی ہیں۔ لال پھول جس کا لے پتھر کی ہلک  
حملہ آور ہوئی ہے وہی نہایا ہوا ہے جس کی خوشبو ہو کی جیب میں تپتی  
ہوئی پڑی ہوئی تھی۔

انے پاؤں سینے کے بعد اور دونوں کو جوڑنے کے بعد اب کچھ سمجھ میں آیا کہ وہ چوڑی ہو کسی  
میت کے مکان کی کھڑکی میں سے نکلی ہے جس میت کفن کی خوشبو یہ تو واضح ہو گیا۔ تلاشی لینے کا  
مطلب مزید یہ ہو کہ شاعر نے لوگوں سے پوچھا ہو گا کہ کون مر گیا ہے؟ ہم جیسے زماڑیوں کی فہم  
انص اس سے زیادہ نہیں۔ کی کیا کہی داستاں صاحب میری رہنمائی فرمائیں گے۔ نیز کیا



شاعر بھی اسی پر راضی ہے کہ اس کے ایک محفوظ ص ۲۵ کو محفوظ ص ۵ کے ساتھ کھینچ کر جوڑا جائے اور زیر دستی مطلب ٹھونسنا جائے۔

ایسے استعارات جن سے ذہن مستعار منہ کی طرف منتقل نہ ہو سکے۔ کذب یا غیر معیاری تر دے جاسکتے ہیں۔ اس کو ترقی معکوس کہا جائے یا کچھ اور بہ زبان کی تراش خراش دیکھیے۔  
طیارہ آسمان پر دوڑتا ہے۔ ریل زمین پر اڑتی ہے۔ محاورہ لپٹیں اٹھنا کی سند تلاش کیجیے اور بدوارہ کے کیا معنی ہیں۔ کون سے شہر یا کون سے طبقے میں یہ لفظ بولا جاتا ہے؟ کیا کالے پتھر میں بھی خوشبو ہوتی ہے؟ اور دیکھیے۔

### نہند آئے تو

خونناک جنگل میں جاؤں۔ سانپ مار کے کچا کھاؤں۔ ناچوں۔ گاؤں،  
شور مچاؤں۔ ننگی کالی حبشن کو۔ آنکھ مار کے پاس بلاؤں۔ موٹے ہونٹوں  
کالبا نگر لاپرواہوں۔ بڑے بڑے پستانوں پر۔ سر رکھ کر گہری نیند میں  
سو جاؤں۔ آنکھ کھلے تو حبشی کے نیزے کی نوک چھاتی میں چبھتی پاؤں۔  
ننگی کالی حبشن کی۔ بھٹی بھٹی بھوکی آنکھوں میں ایک سے دو ہو جاؤں۔  
(آخری دن کی تلاش ص ۱۳)

دھیو میں تیسرا توڑا۔ (مگر افسوس اندھے کلوں میں)

اس پر دیباچہ نگار نے جو یہاں لکھا ہے ہم اس کو ترک کرتے ہیں۔ صرف آخری جملہ نقل کرتے ہیں۔

”انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک ہم نے اتنی ترقی کی ہے“

یہ دیباچہ نگار نے شاعر کے ساتھ مذاق اور استہزا کیا ہے یا واقعی ان کی یہی رائے ہے کہ یہ ترقی ہے۔ ترقی کرنے والے جائز کمندیں ڈال رہے ہیں۔ ہماری ترقی پسندی کالی حبشن کی طویل و عریض پستانوں پر سر رکھے ہوئے سو رہی ہے۔ اور خواب میں بھی چھپ چھپے نظر آ رہی ہیں۔





دلی مایوس کو پا مال کو کے چلنے دیکھو      سنبھل کر پاؤں رکھنا آگینے تم نے توڑا ہے۔ (نامعلوم)  
فراتے ہیں:-

مجھے بھی غزل خولیا ہو گیا      کئی دن سے میں بھی کھڑے پاؤں ہوں  
کھڑے پاؤں ہوں کہاں کی زبان ہے۔  
سڑک پر چلتے پھرتے دوڑتے لوگوں سے اکتا کر      کسی چھت پر مزے میں بیٹھے بندر دیکھ لیتا ہوں  
شاید اولاد کی ترقی درجات پر لگن ہوں گے۔      دیبا چتر نگار نے ادب کی روایات کے متعلق ایک  
جگہ لکھا ہے کہ:

”یہ بے جا رہ لفظ آج کل بہت سے تنقیدی باز نگاروں کے ہاتھ میں  
ڈگڈگی کا کام دے رہا ہے۔“  
اُن کے ہاتھ میں تو ادب کی روایات کی ڈگڈگی ہے۔ بندر بچانے کی ڈگڈگی کس کے ہاتھ  
میں ہے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آؤ۔ ادب کے چوک میں کچھ مانگ کھائیں ہم      تم ڈگڈگی بجاؤ تو بندر نیچائیں ہم  
زبان کا جو حال ہے وہ بھی بہت افسوسناک ہے۔ بہت غیر فصیح الفاظ اس کتاب میں  
موجود ہیں۔ مثلاً اپنائیت۔ الما غلط ہے۔ اس میں ’ی‘ یا ہمزہ دونوں میں سے ایک ہونا چاہیے۔  
جیسے پنچائیت۔ جھاکنا۔ اس میں نون غنہ ضروری ہے۔

”ابن مریم عجب لگ رہا تھا“ ”تو ممکن ہے میں بھول پاؤں۔“  
”اندھیرا کھڑا تھا۔“ ”یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک بنگالی نے کہا تھا۔  
”دھات طاق میں کھڑا ہے۔“ ”کوئی اپنا ہم شکل رکھتا نہیں ہے۔“  
”دیہاتی زبان“ ”زمین کو سکوں سے نہ پائے تو کیا۔“ ”تو کیا آج اس کے وہاں  
جائیں گے۔“

کیا اردو سے متعلق اسی کا نام ہے۔؟ اور کیا یہی وہ ادب ہے جو آئندہ نسلوں کے لیے آپ

چھوڑ کر جائیں گے۔

خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں ایک شاعر نے قصیدہ مدحیہ پڑھا۔ ایک شعری فنی علمی تھی۔ مامون الرشید نے س کو ٹیڑھا اور سٹپلی کی طرف توجہ دلائی۔ شاعر نے اپنی غفلت مٹانے کے لیے قرآن میں کس آیت کو مستعمل کیا، یہ بتائی کہ پڑھی۔ مامون نے فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبر و شعر کو جان نہیں سکا۔ اور شاعر نے بغیر کائنات کے لائق نہیں تھی۔ مامون الرشید نے فوراً جواب دیا کہ ”جب بے معنی ہو تو شعر سے نہ وصف ہو، بغیر کائنات میں سے ہے اور تیرے لیے۔“ نقد سس میں سے ہے۔

علامہ نے تشریح کی ہے کہ شاعر نے ہوا در لکھنے پڑھنے سے واقف نہ ہونا پیغمبر کے فضل میں سے ہے لیکن سائنس دینا جتنی ہے کہ یہ پیغمبر کے لیے نقد تھی میں سے ہے۔

سفرت مولانا اسعد اللہ اذہ نام ممد سہارنپور بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے کسی شاعر نے ان کے سامنے اپنا شعر پڑھا۔ میں میں کوئی غلطی تھی جس پر انھوں نے فرمایا کہ شاعر نے جواب دیا کہ ضرور شعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ مولانا نے فرمایا شعر کہنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔

سفرت مفتی اعظم مولانا رفعت اللہ نے ایک ایسے ہی موقع پر تحریر فرمایا تھا۔

”آن حضور نہ شاعر نہ بھی آپ نے شعر مودوں فرمایا۔ شاعر کا اس آیت سے

استدلال کرنا غلط ہے۔ اعتراض یہ تھا کہ غلط شعروں کہا۔ اس آیت سے اس کا

جواب کہاں ہوا۔ آن حضور نے اگر بھی کوئی غلط شعر کہا ہوتا تو ایسے غلط گو شاعر اس کو

سند بنا سکتے مگر حضور اللہ نے تو کبھی شعر کہا ہی نہیں۔ آپ کے وصف سے استدلال

کرنا ہے تو شعر کہنا چھوڑ دو۔ غلط شعر کہا اور آن حضور کی صفت (شاعر نہ ہونے) کو

اپنی غلطی کے لیے عذر ٹھہرانا جہالت ہے۔“

چند اور نمونے ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں لغات، محاورات، تشبیہات، استعارات وغیرہ طلب

ہیں میں نے تھوڑے تھوڑے سے متفرق اقتباسات درج کیے ہیں :

درازیں بے شکل ہواؤں میں چمکا دڑیں کر ٹٹک رہی ہیں۔ لیکن اپنے پاؤں، دریاؤں سے  
گہرے ہیں، صحراؤں سے چوڑے ہیں، کہساروں سے اونچے ہیں۔ درسالہ شاعر بمبئی،  
جلد ۵۳ شمارہ نمبر ۹ (۱۹۸۲ء)

خدا جانے آپ کا قد کتنا اونچا ہوگا۔

ہائے ہو ٹھنڈی ہو رہی ہے، سو تو پیوں گا مگر تم نے ابکھاوے میں ڈال دیا۔ دیکھو  
اس طرح طنز، گھٹگوٹہ کر دیا اور سہل سیدھے انداز میں شروع ہو جاؤ۔  
دل کی گہرائی سے، ڈر کی مکرٹی، نیچے گری۔

ہم تو سمجھتے تھے کہ ڈر کا ارنہ بھینسا یا گینڈا ہوتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ ڈر کی مکرٹی ہوتی ہے۔  
دنت کچا پاتا سمندر۔ علیل کاغذ کے آسانوں میں، شب کے بیج بور ہوں۔ قلم کے  
نبے، ٹپک رہا جامنی اندھیرا۔ تمہارے دل کی پرت ہوں لیکن، وصال کی  
انگلیوں نے اب تک پڑھانہ مجھ کو۔

نابیناؤں کے لیے ابھرے ہوئے حرفوں کی ٹختیاں بنوائی جاتی ہیں۔ وہ انگلیوں ہی سر پڑھتے ہیں۔  
(درسالہ شاعر بمبئی جلد ۵۳ شمارہ نمبر ۱۱ (۱۹۸۲ء))

”میں مختصر ہو گیا“

میں نے دوڑ میں حصہ نہیں لیا، ایک ننھے بچے کو، گھوڑوں کی چال دکھاتا رہا، ٹکست  
خود وہ گھوڑوں، رتن زنتار فخر کے درمیان، مٹا بڑا ہو گیا، میں سر رہ گذر  
مختصر ہو گیا، منے سے زیادہ حیران اور مختصر۔

شاہاش! کہاں نشوونما پائی ہے پھر مٹا بڑا بھی ہو گیا اور آپ منے سے زیادہ مختصر ہو گئے؟  
اس نظم کا مفاد سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا یہ تیز بخار کا فریاد تو نہیں ہے؟

قطب نما چور ہے پر ٹھٹھا پڑا ہے۔

افوہ! کس قدر شدید سردی تھی کہ جہادات بھی ٹھٹھرنے لگے۔ اور قطب نما چور ہے پر کیوں کر



بچ گیا۔ ۹

”قربتیں کچن جوتی“

فضائی فک و سکے بہ سیر ہے رنگ آسمان پر بگلوں کے ڈار ڈرتے ہوئے۔  
جوا کے جسم پر نرغہ کی پڑائی، دھڑپ کے باہر پہلو دھڑکے جہرے،  
شام کی ہنسون پر کرنی برگ و بار نہیں، خواہشیں گرہے ہوئیں مانوس  
بہرے رات سے سامری بھی لے ڈوبی، قربتیں دھڑکتیوں یہ جھری جوتی،  
بھول کی سوکھی پتیاں صودت۔

درمیانہ غریب، جلد ۱۵، شمارہ ۱۲، ۱۹۸۳ء

یہ پینک اب جو اس لو ہیں ہے۔ ۹

کے رہا جوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
کچھ نہ کچھ خدا کرے کوئی

شام کے وقت، نرم، صک، بیت پر۔ جذبات کی کھانی میں میری ماش  
پنیر سے پوسوں کی بوجھ رہ میں جیسے ایک تھکے ہوئے ہوں اب ان کے  
میں خود سے بہہ ایتا اندر کھوٹا رہا ہوں۔

درمیانہ شاعر، جلد ۱۵، شمارہ ۱۲، ۱۹۸۳ء

نرم دھڑک، جذبات کی گہرائی، ایسا نہ، بہ نر بکاؤر کسلیں سمجھیں نہیں آئیں۔ کچھ چہا، ۱۹۸۳ء  
میں سافلی نہیں ہے۔ ایک فک، زین والہ کئی ہیں، اب کیا کھوج، ۱۹۸۳ء

”درمیانہ ریاں“

ایک پیر ایک پانچ تھ اسٹول، مٹے ہاتھ، گڑھ گڑھ ٹھنسی، پھر پھر میں  
گماتا، پھر تاسے، دل میں خواہیوں کی چاندنی لے کر، گلیوں گلیوں بھٹکتا  
رہتا ہے، ناامیدی کے شعلوں میں، روزیہ کار و بار جاری ہے۔

درمیانہ روشن، جلد ۱۵، شمارہ ۱۲، اکتوبر ۱۹۸۳ء

گاڑھ کر۔ کیا لفظ ہے؟ نظم کا حاصل کیا ہے۔؟

قلموں کے برہنہ اجالوں کی رسوائی میں، زاپستی کا فانی بچی بھستری شرک  
پر کھڑا حسرت و یاس سے تاڑ کے پیر کی داریوں کی طرف تک رہا ہوں۔  
جہاں، چمنیوں سے نکل کر فضاؤں کو دھندلا رہا ہے۔ لموں کا دھواں

(رسالہ شاعر بھٹی۔ جلد ۳۵ شماره ۵۱۱)

برہنہ اُجالے، اجالوں کی رسوائی، زاپستی شرک، یہ نوابیاد تشبیہات و استعارات اور  
ترکیبیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ پوری نظم پڑھ کر بھی شاعر (بلکہ ماعر) کا مافی الضمیر یا تخیل  
سمجھ میں نہیں آتا۔ مرزا غالب کے بارے میں کسی نے کہا تھا۔

کلام میر سمجھ اور کلام میرزا سمجھ مگر ان کا کہنا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھ  
ترقی یافتہ ماعروں کے لیے تھوڑا سا تصرف کر کے یوں پڑھیے :-

کلام ذوق سمجھ اور کلام میرزا سمجھ مگر ان کا کہنا یہ خود سمجھیں بس خدا سمجھ  
قدیم زمانے میں بھی ایسی ہل شاعری تھی۔ مگر وہ محض مزاح و طعنے کے لیے برقی تھی کسی نے  
مرزا غالب کے کلام پر طنز کے طور پر کہا تھا :-

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال

پھر دوا جتنی ہے گل بھینس کے انڈے سے نکال

منہجہ بالا شعر طنز کے طور پر قصداً ہل کہا گیا تھا۔ لیکن اگر شعر کہنے والا عصر جدید کے کسی

ناقد محترم سے دوستی کا نسخہ لیتا تو شعر یا معنی اور بہت اعلیٰ پایہ کا ہو جاتا۔ دیکھیے اس طرح :-

گل بھینس سے مراد رات ہے۔ اور سورج اس کا انڈا ہے۔ گلاب میں اور تمام بھوپول میں

سورت ہی کی روشنی سے رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ تمام جڑی بوٹیاں اور نباتات سورج ہی سے

بکھے اور تیار ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ روغن گل اور تمام دواؤں کا مطلق و ماخذ ہی بھینس کا انڈا ہے

(ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کبھی؟)

بلبل کی انگلیوں میں رگ گل کی پھانسی ہے

مصرع تو کچھ نہیں ہے فقط ٹھونس ٹھانس ہے

بہت بڑے انبار میں سے بطور نمونہ مشتے از خروارے درت کیا گیا ہے۔ خدا جانے ہمارا

دب کس طرف جارہا ہے۔ اس بقدر پر رضا نقوی واپسی کی نظم پڑھ کر لطف اٹھائیے :-

نیم وحشی شاعری کا انجام

(در رضا نقوی واپسی)

عرصہ بن باس میں لکھا گیا جو صبح و شام

دس برس تک رات دن چلتا رہا تھا بے غل

ادل اول خوش ہوئے نقاد جی سے جان سے

منصر حضرات کی نظروں میں تھا کارِ محال

آخر ش رکھا گیا ان میں یہ لاکھوں ٹن کلام

شاعری کی مختلف صنفوں کو کھتیا یا گیا

”نیم وحشی شاعری“ لیکن تھی بے حد حساب

دیکھ کر غزلوں کا انبار ان کا سر جھکا گیا

جس نے جینا ہی غزل سازوں کا بھاری کرنا

مثل نسبندی غزل کوئی کا چٹکا جام ہو

اس کی بو بھی سونگتے پائیں نہ ناقد یا عوام

اس نئے فرمان کے پنجے میں آئے دفعہ

ایک ہی ضرب کلمی سے کٹی مثل پتنگ

ہو گیا اس حکم سے مفلوج ان کا کام کاج

دیکھتے ہی دیکھتے سب بے ٹھکانہ ہو گئے

دو کروڑ اکسٹھ ہزار اپنی سخن کا وہ کلام

فی سخنور اک غزل ہر روز لکھنے کا عمل

اب جو یہ اشعار آئے ارضِ شعرستان سے

لیکن ان اشعار کے اسٹور کرنے کا سوال

خیر سے خالی ملے سرکاری غلے کے گدام

پھر کبوتر خانہ اشعار بنوایا گیا

یوں تو ہر صنف سخن کا تھا نمونہ دستیاب

انسپکشن جب کلیم لدین احمد نے کیا

غیظ میں آ کے یہ حکم خاص جاری کر دیا

دس برس تک مارشل لا کا نفاذ عام ہو

بلکہ اب تک آپکا اسمگل ہو کر جو کلام

جابر و مجبور یعنی ناقد و اہل سخن

ناقدوں کے دل میں ٹھٹھی تھی تو تنقید ہی ترنگ

شاعروں کو مل رہا تھا شعر کے بدلے تاج

زندہ بچوں میں پھنسنے بے آب روانہ ہو گئے

۱۲۔ اقدوں نے شوق کو اپنے پنھائیں بیڑیاں اور پھر کرنی سمجھوں نے پان بٹری کی دکان

شعر تو ریدی کی در پر ہو پاری لے گئے

شاعروں کو ہاندھ کر نٹ اور مداری لے گئے

اس موقع پر ایک لطیفہ ہوا۔ مذکورہ بالا نظم راقم الحروف کے فرزند ارجمند مولوی انیس الرحمن سلمہ بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ ان کے بہن بھائی اور گھر کے سب افراد بیٹھے ہوئے سن رہے تھے۔ اُن کا بچہ (عمر تین سال) پاس ہی کھیل رہا تھا۔ جب نظم کا آخری شعر پڑھا تو بچہ فوراً بولا "کون لے گئے؟" (کیوں لے گئے؟) سب ہنس پڑے اور بچہ مسلسل پوچھ رہا تھا "کون لے گئے؟" جب کسی نے جواب نہ دیا تو میری طرف مخاطب ہوا۔ "دادا جان! کون لے گئے؟" مجھے بھی سوجنا پڑا۔ سوچ کر میں نے جواب دیا۔ "یہ لوگ بیکار پھرنے لگے تھے، ان کو کام دھندے سے لگانے کے لیے مداری لے گئے۔" وہ اچھا کہہ کر پھر کھیلنے لگا۔

پروفیسر کلیم الدین احمد مرحوم نے قدیم شعراء کی غزل گوئی کو "نیم وحشی شاعری" کا خطاب دیا تھا۔ رضا نقوی نے غالباً انھیں کی ترجمانی اور تائید میں مندرجہ بالا نظم کہی ہے۔ سیانہ سلطان پوری نے اپنے مقالہ میں پروفیسر مرحوم کی کسی تحریر کا اقتباس دیا ہے:

"میر، سودا، درد، غالب، مومن کی غزلوں سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ ان میں اعلا

کے شاعر ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ اگر وہ کسی مغربی ادیب سے واقف ہوتے،

نظم کے مفہوم سے آشنا ہوتے تو آج اردو شاعری، دنیا کے ادب میں اس قدر

پست اور میندل نظر نہ آتی۔ راجا رومی آوار لکھنؤ، یکم جنوری ۱۹۸۳ء

راقم الحروف یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہے کہ رضا نقوی کی نظم قدیم شاعری پر چسپاں

ہوتی ہے یا موجودہ ترقی پسندانہ شاعری پر؟ نیم وحشی شاعری اگر میر، سودا، درد، غالب، مومن کی

شاعری ہے تو جو نمونے ترقی پسند ادب کے ہم نے اور درج کیے ہیں اس کو وحشی شاعری کہا جائے

یا کچھ اور؟





لکھا گیا ہے کہیں معنوم ہوتا ہے سرے کی سلائی سے لکھا گیا ہے کہیں نقطہ نوکدار قسط کی شکل کے ہوتے ہیں۔ غرض کہ خط کا یہ تنوع دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس جدید خط کا کوئی خاص نام بھی نہیں ہے۔

نسخ و نستعلیق کے ضابطے مقرر ہیں۔ ہر ایک جوڑ کی پیمائش مقرر ہے۔ سا لہا سال محنت کرنے کے بعد اس میں بہارت پیدا کی جاتی ہے۔ قلم بنانے کا طریقہ۔ قسط رکھنے کا طریقہ۔ سیاہی کو قابو میں رکھنے کا طریقہ۔ نوک پلک وغیرہ کے قاعدے سب مقرر و متعین ہیں۔ مصور اور ڈیزائنر اور کالیگرافر نسخ و نستعلیق کی مشق نہیں کرتے نہ سیکھتے ہیں۔ جیسا ان کا خط ہے ویسا ہی لکھ دیتے ہیں۔ رنگ آمیزی کر کے ڈیزائن میں شامل کر دیتے ہیں۔ اگر ایک ہزار مصور اور ڈیزائنر ہیں تو خط کے اسٹائل بھی ایک ہزار ہی ہوں گے۔

یہ فیشن شروع تو کیا تھا۔ خط انارٹوں نے دیکھو میں عیسائیوں کی عادت کے مطابق۔ مگر افسوس کہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویسوں اور اساتذہ نے بھی اس کو بڑی فراخ دلی سے اختیار کر لیا ہے اور اپنی بہارت فن کو اس گھناؤنے فیشن پر قربان کر دیا ہے۔ اس کو اردو کی بد نصیبی و مظلومیت کہا جائے یا اپنی غلامانہ دہنیت؟

یہ ایک بڑا زبردست حادثہ ہے جو اردو کے حسین رسم الخط کو فنا کر رہا ہے جو مصنفین اپنی کتاب کے ڈسٹ کو پر اس بگڑے ہرے یا القوہ زدہ خط کو برداشت کرتے ہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ میں اُن سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی ساری کتاب کو اُسی خط میں کیوں نہیں لکھواتے؟ یہ غفلت اور بے پروائی خود مصنفوں اور ناشرین کی ہے۔

گز میں مکتب است و ایاملا کار پفلاں تمام خواہ شد

کہا جاتا ہے کہ خط نستعلیق دنیا کا بہترین خط ہے۔ اس میں جو حسن۔ جو نزاکتیں۔ جو نوک پلک جو پیرتہ کا تناسب موجود ہے وہ دنیا کے کسی خط میں نہیں۔ لیکن افسوس ان ڈیزائنروں نے اس کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ اس کو دیکھ کر گھن آتی ہے۔

”دو زبان اپنے رسم الخط کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ رسم الخط گیارہ زبان بنی گئی۔ زبان کی قور رسم الخط بھی لیا۔ مسوروں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کچھ آرٹسٹیں بھی ایسی سیدھی کیریں کھینچ کر بتاتے ہیں کہ اس میں رسم الخط نظر آتی ہے، اس میں کلمہ نظر آتا ہے، وغیرہ۔ مگر حقیقت ”دستجو میں تمنا تو رہا، کے سوا کچھ بھی نہیں۔“

اس موقع پر جعفری صاحب کی ایک نظم کے کچھ چہرہ اشعار پیش کرتا ہوں:

### ایبٹریکٹ آرٹ

ایبٹریکٹ آرٹ کی دیکھ بھلی ناکش میں نے  
آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں  
ایک تصویر تو دیکھا جو کمال فن تھی  
ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں  
نقش مجھ بے مسور نے سجا رکھا تھا  
ہوں تصویر جو میں نے اسے اُڑھا پٹا  
ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے  
ٹیرٹری ترچی سی لکیری تھیں وہاں جہنگل  
تھ کیونکہ میں کاغذ پہ جو آتا تھا نظر  
ایک تصویر جو دیکھی تو یہ صورت نکلی  
اس ناکش میں حوالہ لیا چھ آتے تھے  
میں نے یہ کام کیا تھا: اپانے کا

کی تھی ازراہ مروت ہی ستائش میں نے  
لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شر ماما ہوں  
بھینس کے جسم پہ اک اونٹ کی سی گردن تھی  
ٹنگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں  
مجھ سے پوچھو تو نیپائی پہ گھڑا رکھا تھا  
”میں وہ جامہ کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا“  
دق صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے  
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینہ پہ سورج کی کرن  
مجھ کو اینٹیں نظر آتی تھیں اسے صن بشر  
جس کو سمجھا تھا اساس وہ عورت نکلی  
ڈر کے ماؤں کے کلیجوں سے پٹ جلتے تھے  
یہ ناکش نہ تھی اک خواب تھا دیوانے کا

(مقام سخن)

ایک بڑھئی سے کراڑوں کی جوڑی بنائی۔ اس نے چوکھا سا ہنا کر ویسے ہی سیدھے پاٹ دیے  
ٹھونک ٹھانک کر مہار کو دی۔ میں اس سے کہہ کر یہ کیسی جوڑی بنائی۔ نہ تو دلوں میں لوزات وغیرہ



بنائی۔ نہ فرکوٹوں اور گنجکوں میں گولا غلطاں؟ کچھ نہیں بنایا۔ کہنے لگا آج کل کافیشن یہی ہے اب تو ویسا کوئی نہیں بنو اتا۔ میں نے کہا یہ فیشن کس نے ایجاد کیا ہے؟ تو آئیں بائیں شائیں ہانکنے لگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ آج کل کام کرنے والے خود بخود فیشن ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اپنی تن آسانی اور بدینتی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ پیسے کمائیں۔ اس لیے دفع الوقتی کرتے اور کام کو گھسیٹتے ہیں۔ یہ کہہ دیتے ہیں کہ آج کل کافیشن یہی ہے۔ سینے والے اس لفظ سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ چلتے ہوئے فیشن کے خلاف لب کشائی کی جائے تو قدامت پسندی کا الزام لگتا ہے۔ اور دوسری کا خطاب ملتا ہے۔ اس لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی حال کاتبوں کا ہے۔ اول تو کاتبوں کی کمی پریشان کن ہو گئی ہے۔ اور میں تو ایسے ہیں کہ صرف مفردات کی تختی نکالی ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ مشق کی اور اُچرت کا کام کرنا شروع کر دیا۔ نہ حرفوں کی صحیح شکل لکھ سکتے ہیں نہ جوڑ پیوند کا ان کو علم ہے۔ غلط جوڑ، غلط شوئے، بلا ضرورت کششوں کی بھرمار، عبارت کو بکھرا ہوا لکھنا ایک عام عادت ہو گئی ہے۔ حالانکہ اساتذہ فن نے کتابت میں بلا ضرورت کشش کے استعمال کو عیب قرار دیا ہے۔

ایک نوجوان کاتب صاحب کو میں نے لکھنے کے لیے ایک کتاب دی۔ انھوں نے اصل کتاب کے دو صفحوں کو چار صفحوں میں لکھا۔ اور جب میں نے ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تو فرمایا کہ آج کل کا تو یہی فیشن ہے۔ ایسا ہی کھلا کھلا لکھواتے ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ فیشن بدلنے والے بھی تم ہو۔ تمہاری لکھائی میں گٹھاؤں نہیں ہے۔ اس طریقے سے میری کتاب دو سو صفحے کے بجائے چار سو صفحے کی ہو جائے گی۔ اچھے بھوڑے ہیں اور نقص اور خود غرضی کو فیشن قرار دیتے ہو اور گاہکوں کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ وہ ایسا ہی پسند کرتے ہیں۔ اگر بچوں کے کورس کی کتابیں کھلی کھلی جائیں تو ٹھیک ہے لیکن غیر درسی اور علمی دفنی کتابوں کو اس طرح سے لکھنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ غرض یہ ہے کہ اردو کی نیا ڈانوا ڈول ہے۔ اردو کے مخالفین کا کیا گلہ شکوہ کیا جائے۔ آج کل کے اردو اخبارات و رسائل نے تو زبان کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور ڈیزائزوں اور نا اہل کاتبوں نے



اردو رسم الخط پر کھنڈا رہا ہے۔ اس خوبصورت نستعلیق خط کو بکے زمانہ پر نہا کرنا اور اس کا کام فیشن رکھ دینا، کیا ترنی سی کو کہتے ہیں؟ اور یہ ترقی حسن و جمال کی طرف ہے یا پھٹاؤ کی طرف اور بیکار کی طرف؟ کیا یہی وہ رسم الخط ہے جس کی بقا کی کوشش کی جا رہی ہے؟

اردو رسم الخط لکھنے کے لیے ٹھوڑی سی فارسی و عربی کی واقعیت ضرور رہی ہے کیونکہ اردو میں فارسی ترکیبیں بہت استعمال ہوتی ہیں۔ عرب کے الفاظ اور عربی کا الف نام بھی بہت زیادہ استعمال میں آتا ہے۔ لفظ ذکر ساخت کا بھی جتنا ضروری ہے۔ مثلاً عربی کا ایک لفظ ہے۔ ایک سطر میں "عز" اور دوسری سطر میں "یز" لکھ دے تو معلوم ہو گا کہ کاتب کی کلاں کا رنگ کس قسم کی بہت غلطیاں کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو زبان اور اردو رسم الخط آہستہ آہستہ جا رہا ہے اور ہمارے دانشور اور ادیب بڑے بڑے لٹریچر کے لیے چوڑے فمفیانہ تبصرے، تقریظیں، دیباچے، پیش لفظ اور تاریخی مقالے لکھنے میں مصروف ہیں جن میں بالآخر عربی فارسی کے بہت بھاری بھاری اور ثقیل الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں یا خود ساختہ اصطلاحات، عثمان کی جاتی ہیں جن کا زبان کے لغات و محاورات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اور ہمارے میڈیا اور ذرائع مواصلات کے لیے بڑی بڑی کالغریبیاں منعقد کرتے ہیں۔ صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زبان اور رسم الخط ہے کہاں جس کے لیے آواز ہو گا۔ آواز کی صدا ہے۔ کیا اس کی صدا کی طرف توجہ کی گئی ہے؟

### قوم کا مستقبل

یہ ننھے ننھے نئے نئے بچے جو زرین، سکونوں میں پڑھ رہے ہیں، قوم انہیں کا نام ہے۔ ان کی نعام و تربیت، اگر صحیح طریقے سے نہ ہو سکی تو کبھی نہ ہو سکیں گے۔ ایک فارسی شعر کہتا ہے،

خست آدل چون نہیزد، کج  
تاریکیاں اردو دیوار کج

یعنی معمار جب پہلی، ریٹ ٹیبل میں رکھ دے تو تاریکیاں کج دیوار کی جاتی ہے جو عمارت

بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ عمر بھر قائم رہتی ہے۔

ہر نا تو یہ چاہیے تھا کہ ابتدائی تعلیم کے لیے بہترین قابل، تربیت یافتہ، ہندب، بلند کردار افراد چھانٹ کر رکھے جاتے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ میری ایک تجویز ہے۔ اگرچہ یہ جانتا ہوں کہ ہمارے ملک کا آج کل فیشن یہ ہے کہ تجویزیں بہت بنتی رہتی ہیں لیکن وہ کاغذ تک محدود رہتی ہیں۔ میری تجویز کا حشر بھی یہی ہو گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی تجویز پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

”ایں ہم بر سر علم“ وہ یہ کرڈیوں اور پروفیسروں کو زسری اسکولوں میں لگایا جائے اور پرائمری کے جو معلم بد خط، بد لسان، بد سلیقہ ہوں ان کو غالب اکادمی میں خوش خطی سیکھنے کے لیے فلیٹ ٹوئنگی کے سپرد کر دیا جائے۔ اور غلطی ٹوئنگی پر پابندی لگادی جائے کہ وہ صرف نسخ و نستعلیق سکھائیں۔ ڈیزائن سازی، نقش و نگار، خط کوئی، خط رعنا، خط نازنین اور خط ارنگ بڑنگ وغیرہ سکھانے کی ضرورت نہیں۔

تخا ہیں ریڈیوں اور پروفیسروں کی بدستور قائم رکھی جائیں اور پرائمری کے معلموں کو بھی کم از کم تین سال بدستور تخا ہیں دی جائیں تین سال کے بعد خوش نویسی میں اپنی موجودہ تخا ہوں سے بہت زیادہ کمانے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس وقت اردو کے کاتبوں کی بہت کمی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قوم کا مستقبل ہمارے سامنے ہے۔ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں مستقبل ہی ہے۔ اور آگے کا مستقبل اس سے زیادہ عبرتناک دکھائی دیتا ہے۔

بہت کچھ تحریر کیا ہے۔  
صدمہ و تحسین کی صورت رکھ کر

حفظ الرحمن و اصف

۸ جنوری ۱۹۸۴ء

# وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب بدر ہندوی، سٹرا لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی کپتن

طوطی نامہ [رضیاء الدین بخشی۔ صفحات ۲۰۴، کاتب اور سن کتابت کا ذکر نہیں ہے، کتابت نستعلیق، اور قجراٹیم سے محفوظ ہیں۔ بقول مصنف یہ نسخہ کل ہاون حکایات پر مشتمل تھا۔ لیکن پیش نظر نسخہ اول، درمیان اور آخر ناقص ہونے کی وجہ سے حسب ذیل صرف باقی حکایات تک ہے:

”دستان شب اول تا ہشتہ، داستان شب ہیبت و یکم

تا ہیبت و جب م، داستان شب سی و سوم تا چیل و دوم“

یہی داستان ہیں عنوان ”شب اول“ کی قید اور صفحات پر جا بجا ہندسے نہیں جو غالباً کاتب کے سہو قلم کا نتیجہ ہیں۔ نسخہ طوطی نامہ قلمی مسلم یونیورسٹی، لاہریری (سبحان اللہ کلکیشن) علی گڑھ، گجرات و دہلی سبھا احمد آباد، خدائش لاہریری پٹنہ، کتب خانہ آصفیہ سرکار خانی حیدر آباد، گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس، نیشنل لائبریری (پوبار کلکیشن) کلکتہ اور کتب خانہ مدرسہ عامیہ کلکتہ میں پایا جاتا ہے۔

طوطی کے شتر کہانیوں کا ایک مجموعہ بزبان سنسکرت ”شکاسبتتی“ نام کا تھا جس سے

باؤن حکایات کا انتخاب کر کے بخشی نے ببال <sup>۱۳۰ھ</sup> فارسی میں ترجمہ کیا اور اپنے عہد کے  
 خلیفہ حکمران قطب الدین مبارک شاہ (عہد ۲۱-۱۳۱۴ھ) سے معنون کیا۔ یہ فارسی انتخاب  
 بعد کے لوگوں کے لئے اتنا جاذب نظر اور دل فریب ثابت ہوا کہ اس کے متعدد خلاصے اور  
 ترجمے کرنے شروع کر دیئے۔ پھر خلاصوں کے ترجمے اور ترجموں سے ترجمے ہونے لگے جن کا  
 سلسلہ برابر جاری ہے۔ ان کی ایک مختصر تشریح ذیل میں دی جاتی ہے:

خلاصے:

۱۔ ابوالفضل علائی (شہید ۱۱۱۱ھ) نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے آسان فارسی میں  
 منتقل کیا۔

۲۔ محمد قادری نے سولہویں صدی عیسوی میں ۳۵ دہائیوں کا انتخاب تیار کیا۔

ترجمے:

۱۔ بزبان انگریزی، مترجم ایم جیرانس (M. Gerrens) جو لندن سے ۱۷۹۳ء  
 میں طبع ہوا۔

۲۔ بزبان فرانسیسی، مترجم نامعلوم (لاسم)

۳۔ بزبان روسی، مترجم ای برٹلیس (E. Bertles)۔

۴۔ بزبان ترکی، مترجم شیخ عبداللہ صاری۔ جو ۱۲۵۲ھ میں بولاق سے اور  
 ۱۸۳۴ء

۵۔ اس کا ترجمہ بزبان جرمن جارج روزین (George Rosen) نے کیا۔ ۱۸۵۸ء میں لیپزگ  
 (Leipzig) سے شائع ہوا۔ بحوالہ تاریخ زبان اردو: ص ۱۲۵ (مصنف حکیم شمس اللہ قادری رحم)  
 لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) نے اپنے ایک مضمون میں مترجم کا نام ایل۔ روزین  
 (L. Rosen) اور سال اشاعت ۱۸۸۵ء تحریر کیا ہے (ملاحظہ ہو رسالہ برہان دہلی،  
 نومبر ۱۹۵۱ء: ص ۲۸۸)۔



۱۳۱۱ھ میں فسطحیہ سے لمباغت کی شکل اختیار کی۔

۵۔ بڑباز بنگان، مدحہ حم سے منشور

۶۔ دکن منظم، غوثی، بیابان ۱۰۲۹ھ

۷۔ شاطی، ۱۰۶۶ھ

فحصہ قادری مرحوم کے ترجمے :

۱۔ انگریزی ترجمہ از کلیہ ون (Kaleidoscope) مع متن کلمتہ سے سنہ ۱۸۸۱ء اور لندن سے سنہ ۱۸۸۱ء میں طبع ہوا۔

۲۔ جرمن ترجمہ، کیس (Kais) جو سنہ ۱۸۲۲ء میں اسٹٹ گارٹ (Stuttgart) سے شائع ہوا، اس ترجمہ پر کوئے گورٹن (Kosgarten) کا بہترین مقدمہ شائع ہے جس میں موصوف نے بخشی کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف سے متعلق مفید معلومات درج کی ہیں۔

۳۔ دکنی اردو میں، (ترجمہ نامعلوم)، یہ ترجمہ ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔

۴۔ شمالی اردو میں، ترجمہ حیدر بخش سیدی، یہ ترجمہ جان گلکسٹ (John Gluckst) کے حکم سے ۱۲۱۵ھ میں کیا گیا اور ڈاکٹر فاربس (Forbes) کے اہتمام سے بمقام لندن سنہ ۱۸۲۵ء میں طبع کی گئی۔

۵۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۶۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۷۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۸۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۹۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۱۰۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۱۱۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۱۲۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

۱۳۔ "توتا کہانی" رکھا گیا اور اس کے متعدد اڈیشن ہندوستان سے شائع ہوئے۔

کے نام سے بمقام رانچور (دکن) ۱۹۰۲ء میں کیا جو اسی سال و حیدری پریس کلکتہ سے طبع ہوا۔  
یہ ترجمہ یہاں دشوا بھارتی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۔ کلیات و جزئیات : اس میں انسانی اعضاء و جہات سے متعلق بطرز تصوف تشریحات ہیں۔

۳۔ لذات النساء : یہ ایک سنسکرت کتاب کوک شاستر کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ گلریز : اس میں معصوم شاہ اور نوشاہ کی عشقیہ داستان بیان کی گئی ہے۔  
یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۵۔ عشرہ مبشرہ۔ (موضوع تام سے ظاہر ہے)

۶۔ شرح دعای شریانی : حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ اہامی کتاب ”زبور“ کی ایک سورۃ کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عربی میں منظوم ترجمہ کیا تھا جسے فارسی نثر میں بخشی نے ۱۳۲۴ھ میں منتقل کیا۔

۷۔ شرح قصیدہ ”فاطلمنی تھانی“ : اس قصیدہ شرحیہ کا ذکر مولانا حکیم مسید عبدالحی مرحوم (متوفی ۱۳۴۱ھ) نے اپنی کتاب ”نزہۃ الخواطر“ جلد دوم صفحہ ۶۳ پر کیا ہے۔ لیکن اسوس کہ مولانا مرحوم نے اس قصیدہ کے خالق یا کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا۔

بخشی کے تصنیفی کارناموں اور ان کے متعلقات کے سلسلے میں جن کتب کے پیش نظر مذکورہ فہرست تیار کی گئی ہے، شبہ میں ان کے حوالوں کا ذکر کرنا تکرار سے خالی نہ ہوتا اس لئے ذیل میں دیے جاتے ہیں :

کننگ برٹش میوزیم جلد دوم، کننگ انڈیا آفس لائبریری، کننگ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، کننگ فضا بخش لائبریری جلد ۸، فہرست کتب خانہ آصفیہ سرفار عالی، فہرست نسخہ ملی

سبحان اللہ کلکیشن، لغت نامہ دبئی، ترجمہ الخواطر جلد دوم، کلکرسٹ اور اس کا عہد،  
مصنف پروفیسر عتیق مدنی مرحوم، فورٹ ولیم کالج اور کرم علی، مصنفہ فادیم سیتا پوری  
تاریخ زبان اردو، مصنفہ حکیم نسیم اللہ قادری مرحوم اور رسالہ برہان دہلی نومبر ۱۹۵۱ء  
ان حوالہ عات کی بنیاد پر جو مذکورہ فہرست پیش کی گئی ہے اس میں خامیوں کا  
امکان ہے کیونکہ خود یہ آفادات ہی ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ محقر نے ممکن حد تک  
صحیح ترتیب کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اگر کوئی غلط نظر آئے تو اسباب تحقیق درگزر  
فرماتے ہوئے اصلاح کی کوشش کریں۔

ذیات نخبیہ۔ زاد نیا۔ ابن، مختصر نیا۔ نخبیہ وطنی نسبت۔ نخبہ ماوراء النہر  
کا ایک شہر تھا جسے ابن حبیب نے کہنے سے کہیں اب موجودہ دور میں اسے قرشی کہا جاتا ہے  
نخبہ شہر کے سلسلے میں ایک عجیب و غریب تاریخ ہے۔

آٹھویں صدی مسوی میں اس شہر سے مشہور و معروف شخص ابن المقفع (حکیم ابن عطار)  
ایک ساحر اور سمند باز کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس نے اپنی کیمیائی حکمت کے ذریعہ  
ایک مصنوعی پاند کی تخلیق کی جو ندریا دس میں تک کے علاقوں کو روشن کر دیا کرتا تھا۔  
یہ چاند روزانہ شام کو نخبہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع کوہ سیام کے ایک کنویں  
سے برآمد ہوتا اور پھر بوقت صبح اسی کنویں میں غروب ہو جاتا۔ لیکن تین ماہ بعد

۱۰۔ نہ دہریں صدی مسوی میں اعلیٰوں کے حملوں کے بعد شہر نخبہ سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلے پر کیک خاں  
ہم۔ اس سے بننے والے نخل و باغات ایک بڑے بڑے محل کو قرشی کہا جاتا تھا اس لئے محل کے  
اس پاس جو ماں فلم ہوئی اسے بھی قرشی ہی سے موسوم کر دیا گیا اور اسی وقت سے شہر نسفا  
یا نخب کا نام محسوس کیا گیا۔ لہذا تاریخ کی کتاب "جغرافیہ خلافت مشرقی" (اردو) مترجم  
پروفیسر جمیل الرحمن پروفیسر عثمانیہ بنیہ علی حیدر آباد ص ۱۲۸۔

نظام چاند میں کوئی خرابی رونما ہو جانے کی بنا پر روشنی بالکل ختم ہو گئی اور اس طرح ابن المقفع کا یہ شعبہ ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گیا۔ لیکن تاریخ میں شہرت دوام حاصل کر لیا۔ یہ مصنوعی چاند ”ماہ نخشب، ماہ سیام، چاہ نخشب اور چاہ قنق“ کے نام سے متعارف ہے۔ مرزا غالب نے انہی میں سے ایک نام کو بطور تلخیص استعمال کیا ہے :

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دستِ قنق نے

خورشید منور اس کے برابر نہ ہوا تھا

ابن المقفع اور اس کے مصنوعی چاند کے سلسلے ”لغت نامہ دہخدا“ کی تشریح قابل ملاحظہ ہے :

”ماہی کہ حکیم بن عطاء بہ سحر و شعبہ از سیام و دیگر اشیا بہ

ساختہ بود و آن ماہ تا مدت دو ماہ ہر شب از چاہی کہ در پائین

کوہ سیام بود بر می آمد و تا چہار فرسنگ نورش می رسید

و نخشب نام شہری است در ملک ماوراء النہر۔ از نخشب تا

تا سمرقند ستر روزہ راہ است و ازاں چاہ تا نخشب دو

فرسنگ است۔“

اس مصنوعی چاند کے موجد نے اپنے شعبہ دوں کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اپنا پیروکار بنالیا تھا جنہوں نے اپنی باغیانہ اور کج فہمیوں کے تحت خلیفہ مہدی عباسی کی فوجوں کو ایک طویل عرصے تک پریشان کر رکھا تھا۔

الغرض ضیاء نخشبی اپنے اسی تاریخی وطن سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ لیکن کب اور کن حالات کے تحت ہمارے اس ملک میں تشریف لائے ؟ اس کی صراحت یا ان کے دیگر حالاتِ زندگی سے متعلق کسی فارسی کی تاریخی یا تذکرہ کی کتاب میں





سال مذکور گزشتہ شد۔ و تعلق شاہ بادشاہ دہلی گردید۔

یہی وہ پیر آشوب اور فتنہ کا دور تھا جب ضیاء بخشی نے ہندوستان کے شہر بدایوں میں گوشہ تنہائی اختیار کی اور آخریات تک ذکر خداوندی اور اپنی تصنیفی کاوشات میں مشغول رہے، عوام اور دربار شاہی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ غالباً اسی کے باعث ان کی شہرت عوامی نہ ہو پائی اور موصوف کے قریب انہیں مؤرخین و تذکرہ نگاروں کی نظروں میں لائق اعتناء نہیں بن سکے۔ کئی صدی بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۱۶۴ھ) نے اپنی دیدہ ریزیوں سے بخشی کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ اپنی کتاب "آخبار الایار" میں کھینچا ہے چنانچہ بعد کے لوگ اسی کتاب کی بدولت بخشی سے کچھ متعارف ہوئے۔ موصوف کی مزید دینی حمیت اور علمی صلاحیتوں کو جاننے کے لئے حوالہ باب فکر اور نیک بندے ضرورت محسوس کریں وہ ان کی تصنیف شدہ پائی جانے والی کتب کی طرف رجوع کریں۔

ضیاء بخشی مختلف زبانوں اور علوم و فنون پر ماہرانہ عبور رکھتے تھے جیسا کہ مختلف النوع تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ اور بزرگی کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی شبہ ہے اور نہ کسی کلام کی گنجائش۔ لیکن جب کوک شاستر جیسی کتاب کے مترجم کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسے پاکباز اور نیک صفت انسان کی فطرت نے کیسے یہ گوارا کیا کہ ایک فحش اور بدنام زمانہ کتاب کا ترجمہ کر کے اپنے پاک قلم کو آلودہ کریں اور تقویٰ دینی و تعلیمات اسلامی کی وہ کونسی شق تھی جس نے اس جرأت پر آمادہ کیا؟ چونکہ عام طور پر موصوف کو ایک صوفی کی صورت میں جانا بچا جاتا ہے اس لئے فرقہ تصوف کے مومنین و معتقدین موصوف کی ہر فکر اور قلم سے نکلے ہوئے

نہ کہ عجیب و غریب توجیہات کر س گے۔ بخشی کی بعض اور کتابیں بھی محلِ نظر ہیں، لیکن علامات اور مواقع کے پیشِ نظر و میں قلم کو سہینا پڑ رہا ہے۔ ”سلک السنوک“ کا جو اردو ترجمہ ”موتوں کی لڑی“ سامنے ہے اس میں تصوف کے کیسے کیسے گل کھلے ہوئے ہیں، دل چاہتا ہے کہ اُن کی بوناظرین برہان تک بھی پہنچے اور سنجیدگی کے ساتھ اس بو پر غور کریں :

(۱) ”غوث کی دعا کسی حال میں رد نہیں ہوتی جب وہ (غوث) کسی بات پر اڑ جاتے ہیں اور ضد کر بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا کرتے ہیں“ (ص ۱۳۹)۔

(۲) حضرت سفیان ثوری کے سلسلے میں ”آپ فرماتے تھے کہ ”ہل حرام سے اگر صدقہ کیا جائے گویا ناپاک کپڑا خون یا پیشاب سے طاہر کیا گیا“ (ص : ۱۳۵)

(۳) ”رابعہ بصری جب پہلے چہرے کو چاہیں کعبہ الہی کے استقبال کے لئے دوڑا۔ ایک صاحبِ نظر بزرگ نے جب کعبہ کو اپنی جگہ نہ دیکھا، حیران ہوئے کہ اس کو کون اٹھالے گیا ؟ ناگہاں غیب سے آواز آئی : ایک ضعیفہ دور سے کعبہ کی طرف آرہی ہے اور کبھی راہِ حق میں ہے، ہم نے کعبہ کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا“ (ص : ۱۴۰)۔

(۴) ”خواجہ ابوالحسن خرقانی، کہا کرتے تھے : خدا یا دو ضدیں میری پوری دنیا۔ ایک یہ کہ نہیں روئے کے سے میرے پاس ملک الموت نہ سمجھا، تاجِ محمد سے بگڑا ہو پڑے گا کیونکہ میں نے اُس سے جان نہیں پائی کہ اس کو پھیر دوں۔ تو نے ہی ہے تو ہی مانگ اور کچھ

کہ میں کسی ہنسی خوشی سے واپس دیتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ قبر میں  
 بیکر میں تشریف نہ لائیں، نہ سوال و جواب کی تکلیف گوارا فرمائیں۔  
 میں ایک بار جواب دے چکا ہوں جب کہ ”الست بریکہ قالوا  
 بلع“ کا الٹی ادا کیا تھا وہی جواب میرا اب بھی ہے۔ ۵۹  
 (۵) ایک درویش دریا کے کنارے صومعہ میں رہتا تھا۔ اُس نے  
 اپنی بیوی سے کہا، یہ کھانا لے جا اور دریا پار اس فقیر کو دے آ  
 جو وہاں بیٹھا ہے۔ عورت نے کہا دریا طغیانی ہے، میں کیسے  
 جاؤں؟ درویش نے فرمایا کہ دریا سے کچرینا، تجھ کو واسطہ دلاقی  
 ہوں اس بات کا کہ میرے شوہر نے کبھی مجھ سے جماعت نہیں  
 کی، تو مجھے راہ دیدے۔ عورت نے ایسا ہی کیا، دریا کا پانی پھٹ  
 گیا اور عورت اس پار پہنچ گئی، فقیر کو کھانا کھلایا اور کہا میرے  
 شوہر نے آتے وقت اس ترکیب سے مجھے اتارا تھا، اب میں کیونکر  
 اُس پار جاؤں؟ فقیر نے کھانا پازا، یہ کہہ کر حرمت اس فقیر کے  
 جس نے تیس برس سے کھانا نہیں کھایا ہے رستہ دیدے۔  
 عورت نے یہی کہا اور بدستور پانی پھٹ گیا۔ وہ اپنے شوہر کے  
 پاس آئی اور کہا برسوں سے تو میرے ساتھ صحبت کرتا ہے اور  
 اُس فقیر نے میرے سامنے کھانا کھایا۔ پس تم دونوں جھوٹے ہو  
 اور دونوں کا پیام دریا کے نام غلط تھا مگر باں ہمہ دریا نے  
 راہ دیدی۔ درویش نے کہا ہم دونوں سچے ہیں۔ میں نے کبھی  
 تیرے ساتھ ذوق شہوت سے صحبت نہیں کی بلکہ صرف تیرے  
 ادا کے لئے۔ پس طرح اُس فقیر نے تیس برس سے



تبعاً ضای نفس کھانا سہی، کھایا، گرفت طاعت، نے بیٹے۔

حصہ : ۵۲-۱۵۱

ان مذکورہ اقتباسات کے پہلو پہلو کتاب "سنگ اسود" میں، سوم دیکھیں اور  
 سبھی ہوتی ہدایات اور آنکھوں کے بے لاگ فرمودات پر جب نظر پڑتی ہے تو دونوں  
 میں تضاد ہی تضاد پایا جاتا ہے۔ چند باتیں جو تنقید کی شکل میں زیرِ بحث آئیں مگر  
 کیا یقین ہے کچھ بزرگوں کے ناگوار گذریں گی۔ تو ایسے مشفقانہ سے عرض ہے کہ تصوف  
 ایک نہایت ہی مقدس نظریہ دیت ہے جس پر ہر بلِ علم کو اپنی اپنی فکر کے مطابق نیاں  
 ظاہر کرنے کا حق ہے۔ اس سے زیادہ معذرت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں  
 ہوتی۔ لیکن اس اظہار کے بغیر جارہ نہیں کہ بجا عقیدت میں عہدِ ذہری اور نہونے  
 اقوال و افادات دورِ جاہلیت کے لئے میرواں تو ضرور ہو سکتے ہیں لیکن اب موجود  
 صدی میں جبکہ ہر قصبہ اور شہر میں علم و فن کی شمع روشن ہے اور جس کی باوجود  
 سمجھنے اور جبر کو پرکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں ان عبرِ فطری کرامات پر یقین کرنے

(باقی آئندہ)

چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق شاعر

## ابوالطیب المتنبی

از مسعود النورعلوی

..... سوار سے رنج موتا ہے کہ ..... کہ اس کی شادی نہ ہوئی تھی۔  
 شہرہ میں جب سلف الدور بنے بھائی، عراق و لہاؤں، کک کے واسطے جا رہا تھا  
 تو اس نے جہنم تھا کہ متنبی اس کی صحبت پر سے ہوا۔ اس نے نہ رکنے سے ہو  
 کہا تھا:

ان نذر خفت خفی ضاع ..... وہ ما لفر السیه خیالہ  
 واد مسکت نکادہ ..... وکلہ واد  
 بینک وہاں دخیال جس کو ہر ..... ہر جا میں گئے اس رنج و  
 میں کچھ کچھ امتیاز نہ ..... ال نہ مواتے تو آپ کی صحبت میں جس  
 گھاٹ پر اترتا وہی بیٹے کی جگہ ..... پر سیرا کرتا وہی اپنے لئے  
 ہوتا۔

ان اشعار سے یہ چلتا ہے کہ شہرہ میں اس کی شادی ہو چکی تھی کہ .....  
 بارے میں میں معلوم ہوا قوت قوت ..... میں لکھا ہے کہ .....

مذاق دیر دوسرا۔ یہ اپنے شخص سے جب ناراض ہوا تو لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا:

مُحَسِّنِ خَلْقٍ بَعِيدٍ وَأَخْرَجَ

مُحَمَّدٌ أَسْمًا كَالْبَقَرَةِ وَأَوَّلَ كَلْبَةٍ

یہ کہی مژدہ سے لکھا ہے کہ وہ شیراز سے واپسی پر باپ کے ہمراہ مراکیب۔

شواہد مستند میں کافور کی ایک فصیدہ میں مدح سرائی کرتے ہوئے

کہہ رہا ہے:

بِحَاثِثٍ فِيهِ أَعْيَادُ كَاجِبِيَّةٍ حَرَاتِي وَأَبْلَى مِنْ أَحِبِّ وَدَرِيَّةٍ

أَحْوَى لِي أَهْوَى وَأَهْوَى لِقَاءِ هَمٍّ وَأَيُّ مَوْلَى مَوْلَى خَلْقٍ مَعْرِفَةٍ

اس عید کے موقع پر شہسوار میرے دو برو اپنے دوست سے عسری مذاق

کرتا ہے اور میں ذہن کی اور کئے۔ کثرت خوب برگو یہ و زاری کر رہا

میں اپنے اپنے منہ سے کہتا ہوں کہ شوق ہوں مگر کیا کیجے

کہاں آئے ہیں خواب اور کہنا کہ ہفت دور چلے والا (یعنی رسول کی

صورت نہیں)

۲۲۲۔ میرے سلف اور نام کے بیٹے کے دنیہ میں کہا:

وَقَدْ دَقْتُ حُلَاوًا أَبْنَى عَلَى الصَّبِّ فَلَا تَحْسِبْنِي قَلْبِي مَدْقَتُهُ عَنِ حَمَلِ

میں نے جو الٹی میں ادا کا مزہ چکھا یا ہے آپ بہ نہ بھیں کہ جو بھ میں نے

کیا ہے نا، کھی کی بنا پر کیا ہے۔

۱۔ معجم الادباء ج ۶ ص ۱۲

۲۔ الصبح لمیں بابہ الفصل۔

اس کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے۔ بہر حال یہ بات مسلمہ ہے وہ فارسی  
مذہب و شیعہ نہ تھا بلکہ دیگر شعراء کی طرح ایک آزاد خیال شاعر تھا۔ اس کا مدح  
 وہی تھا جو عام طور پر جمہور مسلمانوں کا ہے، اب یہ بات کہ وہ کسی شیعہ سردار کی شان میں مدحیہ  
 قصیدہ میں کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے ان کے عقیدہ کی توثیق ہو تو کوئی خاص بات  
 نہیں کیوں کہ شعراء اکثر بے جا مدح سرائی بھی کرتے ہیں اور خوشامدانہ اشعار بھی نظم کرتے  
 ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ لوگ اس کے شیعہ ہونے کی تائید میں وہ قصیدہ پیش کرتے  
 ہیں جو طاہر بن الحسن العلوی کی مدح میں کہا ہے اور جس میں شیعہ عقیدہ کی تائید کی  
 ہے کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ ہیں:

هو ابن رسول الله وابن وصيه      وشبههما شہدت بعد التجارب  
 مدوت رسولؐ اور ان کے وصی حضرت علیؑ کے بیٹے ہیں اور دونوں کے  
 مشابہ ہیں اور میں نے یہ بات تجربہ کے بعد کہی ہے۔

اس کے اکثر اشعار پڑھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے بعض جگہ  
 بر ملا اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔ مثلاً بسیدنا الدولہ کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا  
 ہے:

ونصفی الذی یکنی اباً الحسن النہدی  
 ونرفعی للذی لیس فی اللہ ولا یکنی  
 ہم اس شخص سے جس کی کنیت ابوالحسن ہے سچا محبت کرتے ہیں اور اس  
 ذات کو خوش رکھتے ہیں جس کا نام اللہ ہے اور جس کی کوئی کنیت ہی  
 نہیں ہے۔

بدر بن عمار کی شان میں کہتا ہے:  
 وکان علیک بالانہ مقسم  
 فی الناس ما بعث الا رسولاً



ادکان لاہور فیہم ما اتلنا من سورۃ الفرقان والاعجاز  
اگر آپ کی حد سنا میں لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی سول  
کو دیا میں نہ بھیجے اور اگر آپ کے کلام گوہر میں موجود ہیں تو خدا تعالیٰ  
قرآن اور انجیل نہ نازل فرماتا۔

یہ زلفی میں فیہم ما اتلنا من سورۃ الفرقان والاعجاز  
وہ خوب باتیں ہیں جو اب دہریہ بار بار اس طرح جو سنی ہیں گویا وہ طاوت  
توحید سے زائد شیریں ہے۔

ہاں البتہ اگر وہ یوں پڑھا جائے تو تشبیہ کی وجہ سے مبالغہ بھی کم ہو جائے  
گا اور درست ہو جائے گا۔

بہر شفق میں فیہم ما اتلنا من سورۃ الفرقان والاعجاز  
صاحب تسمیل اشیاء لکھتے ہیں کہ توحید کے معنی ایک قسم کے انجیر ہے جس سے اس طرح  
شہ باطل براف ہو گیا۔

اس نماز کے کلام کو پڑھتے ہوئے بار بار ہر سوں ذہن کے گوشہ سے ہر  
دعویٰ نبوت | اس کا نام جو انجیل احمدیہ میں خدا نوا فرکیوں  
جو کہ مشنی کہا جاتا ہے۔ اس باب میں اس قدر کہ اس سے اختلاف رائے ہے کہ بیان  
کراؤ گزیر ہے کہ یہ بظہور کا خلاف ہے وہ کہ ہے کہ اس نے دعویٰ نبوت  
کیا کہ جس کی تائید میرے حصے نے اس کے لئے کیا تھا میرا داپے دعویٰ کی دلیل ہیں  
اس کے کچھ اشارہ ہیں کہ اس نے دوسرے بظہور ہے کہ اس نے ہر طرف  
راہ کیا تھا جس کی بنا پر اس کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس  
کے کہ یہ بظہور ہے کہ اس نے دوسرے بظہور ہے کہ اس نے ہر طرف  
اس بظہور ہے کہ اس نے دوسرے بظہور ہے کہ اس نے ہر طرف

کرتے ہیں۔

علامہ ثعالبی کی طرف رجوع کریں تو اس قسم کی عبارت ملے گی :  
 وحکی ابو الفتح عثمان بن جنی قال سمعت ابا الطیب  
 يقول انما لقيت بالمتنبی بقولي :-

ما مقامی باماض نخلۃ الا کقام المسیح بین الیہود  
 انا فی امتہ نذرا رکھا للہ غریب کصالح فی شہود  
 عثمان بن جنی نے کہا میں نے ابو الطیب کو یہ کہتے سنا کہ میں اپنے اس کہنے  
 کی وجہ سے متنبی کے لقب سے مشہور ہوا۔ سرزمین نخلہ میں میرا قیام ولیبا  
 ہی ہے جیسا حضرت عیسیٰ کا قوم یہود میں۔ میں ایسی امت میں ہوں کہ  
 خدا اس کی اصلاح کرے جو میری حیثیت سے ناواقف ہے جس طرح  
 حضرت صالح قوم ثمود میں اجنبی تھے اس طرح میں اجنبی ہوں۔

صاحب معجم الادباء نے بھی اس کی تائید میں ایک روایت پیش کی ہے جو متنبی کے  
 ہم عصر مشہور ابو حسین الفاشی سے منقول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۲ سال کی عمر تک وہ  
 اس لقب سے مشہور نہ ہوا تھا بلکہ ۳۲۵ھ کے بعد ہوا۔ چنانچہ کہتا ہے کہ میں ۳۲۵ھ  
 میں کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں کو متنبی کے اشعار ادا کر رہا تھا متنبی بھی ہاں  
 موجود تھا اور وہ اس وقت تک متنبی کے لقب سے منسوب نہ ہوا تھا۔

صاحب ابی الطیب متنبی لکھتے ہیں کہ "وہ خود کو متنبی کہلانا پسند نہ کرتا تھا

۱۔ تاریخ الادب العربی - العصر العباسیہ صف ۴۵۸۔

۲۔ یقیمۃ الدہریج ۱ صف ۱۱۰۔

۳۔ ابو الطیب المتنبی صف ۷۱۔

جب میں سے پوچھا جاتا کہ متنبی کے کیا معنی ہیں تو وہ کہا کرتا کہ یہ لفظ نبوت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں المرتفع من الابرار یعنی بلند شیلہ۔ یہی وجہ ہے کہ سیف الدولہ کے دربار میں ابن خالویہ کے طنز کے جواب میں اس نے کہا تھا جو لوگ مجھ سے جلتے ہیں انھوں نے میرا نام متنبی رکھ چھوڑا ہے میں ان کو ایسا کرنے سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ متنبی جب سیف الدولہ کے دربار میں پہنچا تو ابو علی بن حامد راوی بھی موجود تھا اس نے متنبی سے ان آیات النجم السیار، والفلک الدہار واللیل والنہار ان انکار فی اخطار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ آیات اس پر وحی کے طور پر نازل ہوئیں جس پر اس نے سختی سے انکار کیا۔

ثالثی نے لکھا ہے کہ متنبی بڑا خود دار اور بلند حوصلہ شخص تھا اس نے نوعری میں ہی لوگوں کو اپنی جادو بیانی سے مسحور کر لیا تھا اور ان کو اپنی بیعت کی دعوت دی، جب اس کی دعوت عام ہونے لگی تو اس کی خبر حاکم وقت کو ہو گئی اس نے گرفتار کرا کر اسے جیل میں ڈلوادیا لکھا ہے: ویحکی انہ تنباء فی صباہ وفتن شرمذمة لقوة ادبہ وحسن کلامہ یعنی کہا جاتا ہے (مصدقہ نہیں ہے) کہ اس نے نوجوانی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنی ادبی طاقت اور حسن کلام سے لوگوں کو گمراہ کیا تھا۔

اصبہانی نے ایضاً مشکل میں لکھا ہے کہ اس کے ایک بغود عوی کی وجہ سے امیر حمص نے اس کو قید کر دیا تھا۔ اپنی برأت میں وہ ایک قصیدہ میں کہہ رہا ہے:

۱۔ ابوالطیب المتنبی صفحہ ۷۲-۷۱

۳۔ تنبہا لہ فی ۱ ص ۷۲

فما لك تقبل نادر الكلام وقد ساء الشهادة قدر الشهود

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جسوٹے بہتان کی باتیں مانتے ہو حالانکہ گواہی اسی مرتبہ کی سمجھی جاتی ہے جس مرتبہ کے اس کے گواہ ہوتے ہیں۔

غرض کہ یہ بڑا مختلف فیہ مسئلہ ہے یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نے ارادہ کیا ہو اور لوگوں سے اس پر بیعت لینی چاہی ہو اور اس ارادہ کا پتہ بادشاہ وقت کو چل گیا ہو اور اس نے حفظ المقدم کے طور پر اس کو تید کر دیا ہو اور یہ مشہور ہو گیا ہو کہ اس نے دعوی نبوت کیا تھا چنانچہ امیر حمص سے مخاطب ہو کر کہتا ہے :

فلا تسمعن من الكاشحين ولا تعبان بمحاث اليهود

وكن فارقا بين دعوى اهادت ودعوى فعلت بشاء بعيد

اے امیر کینہ پروروں کی بات مت سنیے اور یہود جو مجھے پھنسا نا چاہتے ہیں۔  
کی بات کی پرواہ نہ کیجئے۔

اس بات کے درمیان کہ میں نے دعوی نبوت کیا اور میں نے ارادہ کیا بہت فرق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اقرار اور بہتان ہے۔ اگر یہ امر صریح ہوتا تو وہ ہرگز انکار نہیں کر سکتا تھا۔

ابن اثیر نے دعوی اہان نبوت کی ایک طویل فہرست دی ہے لیکن کہیں بھی متنبی کا نام نہیں ہے۔ خود ابوالطیب کے معاصرین اس کی امیر حمص کی قید کو امامت و بادشاہت کی وجہ سے خارج کرنے سے تعبیر کرتے ہیں نہ کہ نبوت سے۔ نجد جماعة من معاصري ابی الطیب وملائميه ودارسيه يذكرون سجنه لدعوة الامامة والخروج على السلطان ولكنهم لا يعرضون لنبوته۔ اس دور کے مشہور عظیم ادیب و نقاد ڈاکٹر الملہ حسین جو متنبی کو



اشعر الشعراء کہتے ہیں اسی خیال کے مدد پر کہ دعوی نبوت محض افتراء و بہتان ہے۔

ہمارے پاس کوئی بین دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر یہ سمجھا جائے کہ نلاح سنہ ۳۱۶ء میں شام گیا۔ خلیفہ بغدادی جرجی نے بیان اور ابوالعلاء معری کی روایتوں

**سفر شام**

سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۳۱۶ء میں پہلے عازم بغداد ہوا پھر ۳۱۷ء میں بعمر ۱۹ سال شام آیا دیکھئے صاحب ابی الطیب المتنبی بھی یہی لکھتے ہیں:

ولیتدل من شعری ان خروجه من الکوفة کان بعد غزوة انقراہ طنة  
سنة سادس واحد ثلاث مئة وانه انتقل الی بغداد فاقام بها  
قلیلا ثم انصرف عنها الخ

اس کے اشعار اس بات کی دلاتے ہیں کہ کوفہ سے اس کا نکلنا ۳۱۶ء میں جنگ  
قراہ طنة کے بعد ہوا پھر وہ بغداد گیا وہاں کچھ روز قیام کر کے روانہ ہو گیا۔

وہ ۳۱۷ء تک یعنی تقریباً ۱۵ سال ملک شام میں مختلف مقامات پر گھومتا رہا  
اس نے ۳۲ قصائد میں مختلف امراء شام کی مدح سرایاں کیں۔ اس نے اس تمام مزاح  
میں کل ۴۲ قصائد لکھے۔ ملک شام کے دوران قیام اس کے چند ممدوحین حسب ذیل ہیں:  
بدر بن عمار، حسن بن طغی، علی بن احمد الطائی، ابوالفقر شجاع المازدی، محمد بن زریق،  
ابوالعشائر وغیرہ۔

تمام ممدوحین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل شام کی مدت سرائی میں اسے بہت کم انعامات  
ملے۔ اکثر و بیشتر نے تو اسے چند درتھوں پر ہی ترخا دیا۔

۱۔ ابوالطیب المتنبی جوزف ابہاشم صفحہ ۱۹۔

۲۔ تفسیر لے لے مع المعنی (فی جزعین) لفظ نماز میں جس میں موصوفہ نے بڑی دقت نظر سے  
رہنمائی کی، لہذا اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے صفحہ ۱۳

محمد بن زریق طرسوسی نے اسے اس قصیدہ پر صرف دس درہم دیئے مگر بعد میں لوگوں کے کہنے پر دو گنے کر دیئے:

هَذِي بَرَزْتُ لَنَا فَهَجْتُ هَمِيئًا ثُمَّ انْتَنَيْتُ وَمَا شَفِيَتْ نَسِيئًا

تو نے میرے سامنے آ کر میری دلی محبت کو بھڑکایا اور پھر عاشق کی رہی سہی جان کو شفا دیئے بغیر چلی گئی۔

لیکن بعض ممدوحین نے اس کو بہت سراہا اور اسے انعام و اکرام سے خوب نوازا جیسے حسین بن علی الہمدانی وغیرہ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

مَدَحْتُ أَبَاكَ قَبْلَهُ فَشَقِيَّ يَدِي

مِنَ الْعَدَمِ مَن تَشْفِي بِهِ الْاَغْيَنَ الرَّمْلُ

حبابی با ثمان السوابق دونہا

مخافة سیری انہا یلنوی جند

میں نے اس سے پیشتر اس کے باپ کی تعریف کی تھی جس کے دیدار سے لوگوں کی بیمار آنکھوں کو شفا بخشی جاتی ہے اس نے میرے ہاتھوں کو افلاس کی بیماری سے شفادی یعنی فقر و فاقہ و تنگدستی کو دور کر دیا۔ اس نے بجائے تیز رفتار گھوڑوں کے ان کی قیمتیں مجھ کو بخشیں اس خوف سے کہ کہیں میں ان پر سوار ہو کر چلا نہ جاؤں بیشک گھوڑے فوج کی طرح جدائی کے محاورے کہتے ہیں۔

شمالی شام کے علاقوں سے گھومنا پھرنا وہ طرابلس پہنچا اور عبید اللہ بن خلکان کی

تعریف میں بڑا زور دار مدحیہ قصیدہ کہا: غرض کہ طرابلس سے ہوتا ہوا وہ الانوقیہ پہنچا۔

وہاں محمد بن اسحق المتوفی اور حسین کی خوب مدح سرائیاں کیں اب اس کی شاعری پورے طور پر پر جواں ہو چکی تھی، آرتوڈوں اور تمناؤں میں پھل چھلکی تھی، دل کی باتیں نوک زبان و قلم

سے نکلنی شروع ہو گئی تھیں۔ علی بن ابراہیم استوخوی کی شان میں ملاحظہ ہو:

يَذُوْمُكَ يَا عَلِيُّ بِغَيْرِ ذَنْبٍ لَّا نَكَ قَدْ سَاوَيْتَ عَلَى الْعِبَادِ  
وَأَنْتَ لَا تَجُودُ عَلَى الْجَوَادِ هَبَا نَكَ أَنْ يَيْقُبَ بِالْجَوَادِ  
اے علی! ہم کو بغیر تمہارے کسی گناہ کے ملا مت کرتے ہی کیونکہ تم نے  
تمام لوگوں پر عیب لگا دیا یعنی تمہارے سامنے تمام لوگوں کے اخلاق حمید  
اور افعال حسنہ بے وقعت ہو گئے ہیں۔

اور اس وجہ سے ملا مت کرتے ہیں کہ تمہاری بخششیں کسی سخی کو سخی کو لقب  
نہیں ملنے دیتیں۔ یعنی تمہارے بیانات اور بخششیں بکثرت ہیں جس کا مقابلہ  
بڑے سے بڑا سخی بھی نہیں کر پاتا۔

یہیں رد ذبیہ میں اس پر زوت کا دعویٰ لگ جس کی بنا پر امیر مہم نے اس کو قید بامشقت  
میں ڈال دیا۔ صاحب السبع المعین نے لکھا ہے کہ اس نے قرآن کے الفاظ پر کچھ سورتیں  
پیش کرنا چاہیں۔

اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا جس پر اس نے کہا: آپ ہی نے  
میرے نبی ہونے کی بشارت باہیں افادہ دی تھی لہٰذا نبی بعدی۔ لانا ہی میرے بعد  
ہوگا اور آسمانوں پر میرا نام لا ہے۔ اخیر بیوتی حیث قال: انا لانا نبی بعدی،  
انا اسمی فی السماء الا۔ بہر حال اس قسم کی بیشتر روایات ہیں لیکن ابو العلاء الموری  
نے رسالہ الغفران میں لکھا ہے جس سے متنبی کی برأت کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ اجمع المہتمیٰ من حیثیۃ المتنبی ص ۵۳۔ النبی الکتور ذی علی المہتمیٰ ص ۲۸۔

۲۔ السبع المہتمیٰ عن: ذی المتنبی ص ۵۸۔

۳۔ المتنبی الکتور ذی علی المہتمیٰ ص ۲۸۔

لَا يَنْطِقُ اللِّسَانُ لَا يَنْبِي عَنْهُ عِتْقَادُ الْإِنْسَانِ  
 زبانِ قال سے حال کا پتہ نہیں چلتا ہے، ممکن ہے اس نے جب جاہ  
 کی وجہ سے کبھی ایسا کرنا چاہا ہو۔  
 علامہ بدیع لکھتے ہیں :

ولما اشتهر امره وشاع ذكره ، وخرج باه من سلیمة من عمل حمص  
 فی بنی عدی قبض علیہ ابن علی الهاشمی فی قریة یقال لها کونکین  
 وامر النخاربان یجعل فیہا جلیہ وعنقه قومتین من خشب  
 الصفصاف - الخ

جب اس کے دعویٰ نبوت کے چرچے ہونے لگے تو علی بن ہاشمی نے موضع کونکین  
 کی سرزمین سلیمہ میں اس کو گرفتار کر لیا اور پیروں میں بیڑیاں اور گردن  
 میں طوق (اخروٹ کی لکڑی کا بنا ہوا) ڈلوادیا۔  
 جس پر متنبی کہتا ہے :

نعم المقیم بکونکتین بانه من آل هاشم بن عبد مناف  
 فاجبت له صوت من ابنائهم صارت قیودهم من الصفصاف  
 مقام کونکتین کے مقیم نے یہ سوچا کہ وہ ہاشم بن عبد مناف کی اولاد میں سے  
 ہے میں نے اس کو جواب دیا کہ جب سے تم ان کی اولاد میں ہو گئے ہو ان  
 کی بیڑیاں اخروٹ کی لکڑی کی ہو گئی ہیں۔

(باقی آئندہ)



ندوة المصنفین کی نئی اور شاندار پیش کش

# عثمان ذو النورینؓ

(از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

یہ دینی کتاب ہے جس کا ارباب ذوق کو تصدیق آئبر کے بعد سے شدید انتظار تھا۔ اب زیور کتابت و طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ شروع میں ایک ہویل مقدمہ ہے جس میں عربوں کی تاریخ نویسی کی تاریخ اور دین پر محققانہ نقد و تبصرہ ہے۔ پھر سیدنا حضرت عثمانؓ سے ہم فلسفہ راشد کے ذاتی حالات و سوانح، اخلاق و مکارم فضائل و مکارم اور اوصاف و کمالات، عہد نبوی اور عہد شیعین میں نہایت عظیم الشان دینی خدمات، خود اپنی خلافت کے عہد میں نہایت اہم اور مختلف النوع کارنامے اور پھر جو فتنہ پیدا ہوا اس کے اسباب و وجوہ فتنہ کے زمانے کے حوادث و واقعات اور شہادت، ان سب مباحث پر اس قدر جامع اور محققانہ کلام کیا گیا ہے کہ اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اس موضوع پر ایسی کتاب اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی۔

قیمت : غیر محلہ بنالیں، روپے ۱۰، محلہ پچاس روپے

ملنے کا پتہ : ندوة المصنفین، اردو بازار، دہلی

[illegible]



جون ۱۹۸۴ء

# مؤرخہ اسلامیہ عالمی دینی کتب خانہ

UNIVERSITY

HABAD

Recd.

Class

Language

Author

۷۳

RECEIVED FROM

RECEIVED FROM

RECEIVED FROM

DATE

SIGNATURE

# برکات

قیمت سالانہ: چالیس روپے

مؤلف  
سعید احمد بک آبادی



# مِظْبَرِ عَائِدَةِ الْمُصَنِّفِينَ

۱۹۳۹ء اسلام میں خدائی کی حقیقت، اسلام کا تقدس اور نظام، قانون مشرکوں کے خلاف،

تغییرات اسلام، دیکھ کر، قوم کو سوشلزم کی راہوں کی حقیقت

۱۹۳۳ء میں سرور میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۳۱ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۸ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۶ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۳ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۲ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۱ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۸ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۶ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۵ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

۱۹۱۴ء میں مسلمانوں کے لیے، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی، ان کی حق پرستی،

# برہان

سالانہ چندہ  
چالیس روپے

قیمت فی پرچہ  
تین روپے پچاس پیسے

جلد ۵۲ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ مطابق جون ۱۹۸۳ء شمارہ ۶

- ۱۔ نظرات مولانا سعید احمد اکبر آبادی و  
محمد اظہر صدیقی ۲
- ۲۔ آراضی ہند کی شرعی حیثیت جناب ظفر الاسلام شعبہ تاریخ  
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ ۷
- ۳۔ شریف التواریخ پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ  
پنجاب یونیورسٹی لاہور ۹
- ۴۔ چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق شاعر ابوالطیب المتنبی جناب مسعود انور غلوی  
علی گڑھ ۲۷
- ۵۔ فرعون — تاریخ و تحقیق کی روشنی میں مولانا ابوالکلام قاسمی استاذ مدرسہ  
اسلامیہ شمس الہدیٰ — پٹنہ ۴۹
- ۶۔ تبصرے ایلم صلیب خاں ۶۰

عید الفطر عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا

## نظرات

”سفر افریقہ و تہذیب کی چند تبدیلیاں“ کی ابھی تین قسطیں ہی نکلی تھیں کہ پاکستان کا سفر ایک کانفرنس میں شرکت کی تعریف سے پیش آ گیا یہ سفر مارچ کو طیارہ کے ذریعہ شروع ہوا تھا اور ۲۷ اپریل کو ختم ہوا اس مدت میں اگرچہ طویل قیام کراچی اور لاہور رہا لیکن اسلام آباد میں بھی تین دن گزرے اور ایک ایک دن کے لئے گجرات والا اور سکھر بھی جا رہا۔ سرطریقہ، درہرجماعت کے لوگوں سے گفتگو میں ہوئیں، بے شمار دعوتیں استقبالیے اور تقریریں ہوئیں۔ ہر ایک کی سنی و دہاپنی سنائی، ایک حقیقت جس سے انکار نہیں کیا جاتا یہ ہے کہ چہنے پاکستان کا چہرہ اسلامی نہیں تھا۔ مشرقی ہونے کے باوجود تہذیبیہ فرقہ کا غارہ آلود تھا۔ مگر موجودہ حکومت نے یہ غارہ دھو ڈالا ہے اور اب یہ چہرہ صاف صاف صوفی پر مشرقی اور مدنی نظر آنے لگا ہے اور حکومت کا اعانہ ہے کہ وہ صرف چہرہ نہیں، بلکہ جسم، ارادہ و روح کے اعتبار سے بھی وہ اس ملک کی خداداد کو اسلامی بنانے کا عزم بالجمہ رکھتی ہے، پھر جہاں تک جنرل ضیا الحق کی ذاتی اور نفسی حیثیت کا تعلق ہے دوست دشمن، مداخلت اور مخالف سب کو اس بات کا بڑا اتفاق ہے کہ جب سے پاکستان بنا ہے ان جیسے شریف النفس، نیک اور اسلامی راہنما و حکام کا پابند کوئی سربراہ مملکت نہیں آیا، لیکن اس کے باوجود متعدد باتیں جو اس وقت اناؤنا ممنوعہ ہیں آپس میں گٹھ جوڑ کر کے جنرل ضیا الحق کی بڑی شدت سے مخالفت کر رہی ہیں اور پیپلز پارٹی کے سر سے سڑا کر ایک ہی نے میں

سکھانے لگی ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ علمائے اسلام کا ایک بڑا طبقہ بھی انہیں کی ہم نوائی کر رہا ہے، میں نے ان تمام چیزوں پر کافی غور و خوض کیا اور بہت کچھ پڑھنے، دیکھنے اور سننے کے بعد موجودہ صورت حال کے اسباب و مصلل کا سراغ لگانے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ داخلی انتشار، جماعتی اختلافات اور ملک میں عام کرپشن کے باعث پاکستان اس وقت اپنی زندگی کے نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے، اس کا علاج سیر دست اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ باہوریت کو بحال کرنے کی غرض سے الکشن کرایا جائے، جزل ضیاء الحق نے اس کا وعدہ کیا ہے، وہ بار بار اس وعدہ کا اعادہ کر رہے ہیں اور الکشن کے انتظامات بھی شروع ہو گئے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ الکشن سچ سچ الکشن ہو، یعنی عوام کسی کی طرف سے زیر دستی اور دھاندلی اور کسی قسم کی حرص اور طمع و لالچ کے بغیر آزادی کے ساتھ اپنے ووٹ کا استعمال کریں، اگرچہ میرے اندازہ کے مطابق اس بات کا خطرہ ہے کہ کوئی ایک پارٹی بھی واضح اکثریت میں نہ ہونے کے باعث گورنمنٹ بنانے کی پوزیشن میں نہ ہو، اور اگر ایسا ہوا تو پھر وہی دھما چوکڑی مچے گی اور پاکستان کو استیقام نصیب نہ ہوگا۔ بہر حال اس وقت الکشن کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، یہ ملک کا تمام مطالبہ اور حالات کا تقاضہ بھی ہے، اسے تو بنام خدا ہونا ہی چاہیے۔

ت  
قارئین برہان کہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ ڈاکٹر محمد الیاس مظہر مدنی ریڈر شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جن کے محققانہ مقالات برہان نے پریغیر کے علمی حقوق میں رسوم مچا رکھی ہے، پاکستان گورنمنٹ نے ان کو بیس ہزار روپیہ کا ایک انعام، موصوف کے اس گراں قدر مقالہ پر دینا منظور کیا ہے جو نقوش لاہور کے سیرت نمبر کی جلد پنجم میں ”عہد نبوی میں نظم و نسق مملکت“ کے زیر عنوان شائع ہوا ہے، یہ مقالہ جو درحقیقت



مقالہ نگاری کی زیر اشاعت ایک انگریزی کتاب کے چند ابواب کا اردو ترجمہ ہے دراصل ہے بھی اسی درجہ بلند اور محققانہ کہ پاکستان کی جج کمیٹی اسے نفرا انداز نہیں کر سکتی تھی برہان ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اور ساتھ ہی پاکستان گورنمنٹ کا شکریہ ریزی ہے کہ اس نے ایک انڈین اسکالر کی قدر دانائی کر کے اپنے صاحب نظر و وسیع القلب ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

حسن اتفاقاً دیکھتے ۲۹ مارچ کو شام کے وقت جب لاہور کے قدیم اور مشہور "ایڈیٹرز میں جناب محمد نعیم صاحب اڈیٹر و مالک نقوش کی جانب سے نقوش کے میگزین کی نہایت شاندار تقریب منعقد ہوئی تو اس تقریب کے صدر جناب ڈاکٹر محمد افسانہ صاحبہ وزیر تعلیم حکومت پاکستان تھے اور راقم الحروف یہاں خصوصی کی حیثیت سے شریک بزم تھا، اور اسی موقع پر سیرت نمبر کے انعام پانے والے مقالہ نگاروں کے ناموں اور انعامات کی رقوم کا اعلان کیا گیا، اکابر علم و ادب نے سیرت نمبر اور اس کے فاضل مرتبہ کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار بلاغت و طلاقت لسانی سے کیا، اس کے بعد راقم الحروف اور آخر میں جناب صدر کی تقریر ہوئی، مزید حسن اتفاق یہ ہوا کہ افاضی و اکابر لاہور کے اس اجتماع میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر محمد اقبال انصاری بھی موجود تھے۔

من کراچی میں مقیم تھا، اپریل کے پہلے ہفتہ میں جناب مولانا معراج الحق صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند وہاں چہو پچھے تو فرمایا: میں نے لاہور میں ریڈیو

پر یہ خبر سنی ہے کہ مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے آپ کو دس ہزار روپیہ کا ایک انعام دیا ہے، پھر فرمایا: ”مبارک ہو“ میں نے خیال کیا:

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام

مولانا کو نام میں دھوکہ ہوا ہوگا۔ اس لئے سن کر چپ ہو گیا اور کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن چند روز بعد علی گڑھ کے خطوط سے اس کی تصدیق ہو گئی، پھر ۲۸ اپریل کو کراچی سے علی گڑھ واپس پہونچا تو ڈاک کے انبار میں اردو اکاڈمی مغربی بنگال کا عنایت نامہ ملا جس میں تحریر تھا:

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ دس ہزار روپیہ کے پرویز شاہری ایوارڈ ۱۹۸۳ء کے لئے آپ کا انتخاب ہوا ہے، یہ انتخاب کل ہند شاہیر اردو کی کثرت آمار سے عمل میں آیا ہے (مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۸۳ء)

راقم الحروف گورنمنٹ آف انڈیا اور دلی اڈمنسٹریشن کی طرف سے دو ادارہ پہلے بھی حاصل کر چکا ہے لیکن یہ دونوں ادارہ عربی سے تعلق کی تقریب سے تھے حالیہ ادارہ ”اردو کے ادیب“ کی حیثیت سے ہے، اس لئے میں اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

میں قلم چلانے کا گنہگار ضرور ہوں، اسی طرح ایک زمانہ میں میں نے اشعار بھی کثرت سے لکھے ہیں۔ اور طبیعت موع پر ہوتی ہے تو اب بھی دو چار شعر موزوں ہو جاتے ہیں لیکن با اس ہمہ ادیب اور شاعر کا جو بلند تصور میرے ذہن میں ہے اس کی وجہ سے یقین جانے اپنے متعلق کبھی ادیب یا شاعر ہونے کی غلط فہمی میں

مبتلا نہیں ہوا، پروفیسر خاجہ احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) اور پروفیسر گوپی چند نارنگ (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) دونوں اردو زبان و ادب کے نامور محقق، ادیب، اور نقاد ہیں، مجھ سے دیرینہ اخلاص اور محبت رکھتے ہیں، دونوں نے سما اوقات میرے اسلوب اور خصوصاً برہان کے نظرات کی زبان کی اس درجہ تعریف کی ہے کہ میں شرمندہ ہو ہو گیا ہوں، لیکن میں نے ان دونوں دوستوں کی رائے اور دفتر برہان میں آئے دن اس طرح کے جو خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں، ان سب کو چشم کرم و عنایت کی کمرشہ سازی پر محمول کیا، لیکن میں ہندو شاہیر اردو کی کثرت آراء جس پر یہ اوارڈ مبنی ہے اس نے اب یہ احساس پیدا کیا کہ زبان و بیان کے نقطہ نظر سے اکابر علم و ادب کی نگاہ میں خاکسار کی تحریروں کو درجہ اعتبار حاصل ہے تو بے یہ فرض کرنا بے محل اور بے موقع نہ ہوگا کہ اگرچہ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اردو زبان کے تمام ادیبوں اور شاعروں کو پڑھا، اور مضامین مرزا فرحت شہید، امراؤ جانانا، خسانہ آزاد اور لال قلعہ کی جھلکیاں، سی پارہ دلی، نذر کے انسا نے اور نیزنگ خیاب جیسی چیزیں تو بار بار پڑھی ہیں تاہم میرا اسلوب بنیادی طور پر سب سے زیادہ منت کش، حاشا شبلی اور داغ کا ہے جنہیں میں نے بڑی افراط سے پڑھا اور ان سے سرور ذہنی حاصل کیا ہے۔

کلکتہ نے مجھے کیا نہیں دیا، محبت دی، عزت دی اور دل کا سکون دیا، اور یہ اوارڈ بھی درحقیقت اسی محبت کا ایک شاخسانہ ہے جس کے لئے میں اکاڈمی کا مصمم قلب سے شکر گزار ہوں، میرے ساتھ اکاڈمی کا



یہی ادارہ جو مغربی بنگال کے لئے مخصوص ہے ہمارے فاضل دوست جناب سالک لکھنوی کو ملا ہے جو اردو زبان کے مشہور شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کی خدمت میں مبارکباد پیش ہے۔

## حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی رحلت پر ملت اسلامیہ سوگوار

گذشتہ ماہ تارین برہان پڑھ چکے ہیں کہ علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کا جو آفتاب عالمیت آج سے ۸۴ سال پہلے دیوبند کے افق پر طلوع ہوا تھا وہ اپنی نورانی کرنوں، روحانی و اخلاقی ضیاء پاشیوں، ملی و ملکی خدمتوں اور انسانی ہمدردی و غمگساری کے جو ہر دکھا کر، تقریر و خطابت اور تصنیف و تالیف کے میدانوں میں گراں قیمت ضوفشاں چراغ روشن کر کے اور تحمل و بردباری، اخلاق و شائستگی، بے نفسی اور عفو و درگزر کے تابندہ نقوش ثبت کر کے ۱۲ مئی ۱۹۸۳ء کو غروب ہو گیا۔ اس طرح ایک زریں عہد، ایک شاندار تاریخ، اور ایک ایسے تابندہ و روشن دور کا خاتمہ ہو گیا جس کے ہر موڑ ہر رخ اور ہر پہلو میں شرافت و وضعاری، انسانیت دوستی اور سیر چشمی و نرم گفتاری کے ساتھ ساتھ حقیقت پسندی و حق گوئی کی لافانی نور افشاں اور تابناک شمع روشن تھی۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر دہلی کے اندر اخبارات اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ ملک کے تمام صوبوں بلکہ بیرون ملک بھی بہت سی جگہوں پر ہو گئی اور ہر جگہ دینی، علمی اور ملی حلقوں کو ٹپا گئی۔ آپ کا وصال ۳ بجکر بیس منٹ پر ہوا اور نہج حاجی کو امت اللہ نے مکہ مکرمہ میں بذریعہ فون عالم اسلام کی معروف و برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو یہ اطلاع دی۔ آپ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہوئی اور اسی وقت سینکڑوں لوگوں نے حضرت مفتی صاحب



کے ایصالِ ثواب کے لئے ملو اف کیا۔ اسی وقت حضرت مولانا

علی میاں مدظلہ نے سعودی ریڈیو سے ایک تقریر فرمائی جس میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے علمی کارناموں، ملی خدمتوں، اخلاقی و انسانی اوصاف اور ان کی منفرد و ممتاز صلاحیتوں اور عظمتوں کا تذکرہ فرمایا۔ ان کی وفات کو ملتِ اسلامیہ کا ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔ مدینہ منورہ میں بھی کافی حضرات نے ختمِ کلام اللہ در ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ حق تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ دہلی، میرٹھ، غازی آباد، دارالعلوم دیوبند، لکھنؤ، بریلی، کلکتہ، حیدرآباد، بہار، مدراس اور گجرات کے کئی شہروں اور مدارس اسلامیہ میں حضرت کے لئے ایصالِ ثواب اور جلسہ ہائے تعزیت کئے گئے۔ اخبارات نے بھی آپ کے سلسلہ میں تعزیتی مضامین اور ادارہ وغیرہ شائع کئے۔ افریقہ، لندن اور دوسرے ملکوں سے بھی اس قسم کی اطلاعات ملی ہیں جن کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

۱۲ مئی سے اس وقت تک یہ بات ہر حساس و باشعور قلب و روح کو محسوس ہوئی ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے وصال سے ملی و قومی، اسلامی اور دینی اداروں کے سر سے ایک ایسا شجر سایہ زد کا سایہ اٹھ گیا ہے جو بڑے بڑے طوفانوں، تیز و تند آندھلیوں اور بادیِ سہوم کے جھکڑوں سے ان سب کی حفاظت کا باعث تھا۔ اب زندگی کی تپتی ہوئی دوپہر میں کوئی سایہ نظر نہیں آتا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمتوں کے سایہ سے ہم سب کو، پوری ملت کو اور خاص طور پر ان کے خونِ دل و جگر سے پینچے ہوئے گلشنِ علم و ادب — ندوۃ المصنفین — کو محروم نہ فرمائے، ہر شہر اور نقصان سے اس کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو حضرت مفتی صاحب کے روشن و سنور نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

# آراضی ہند کی شرعی حیثیت عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں

(۲)

جناب ظفر الاسلام صاحب شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

اس مضمون کی پہلی قسط میں آراضی ہند کی شرعی حیثیت سے متعلق شیخ جلال الدین تھانی سرگرمی کے خیالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پیش نظر قسط میں اسی موضوع پر قاضی محمد اعلیٰ قفاری کے افکار کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ یہ بیانزدہ ادوار کے رسالہ احکام الآراضی کے ایک تجزیاتی مطالعہ پر مبنی ہے۔ شیخ جلال الدین کے برعکس قاضی محمد اعلیٰ کے حالات زندگی پر تاریخی کتب اور تذکرہ ہیں کوئی مواد نہیں ملتا حتیٰ کہ معاصرانہ ذمے اس کی تاریخ پیدائش و وفات بھی معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ محمد اعلیٰ کی ایک دوسری تصنیف ”کشاف المسائل الفتنیہ“ میں اس کی تکمیل کا سن ۱۰۸۹ھ (۱۶۷۷ء) درج ہے۔

۱۔ ملاحظہ کیجئے ”یرہان“ مارچ ۱۹۸۲ء

۲۔ احکام الآراضی کے دو قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) میں یونیورسٹی کلائش، عربیہ (۲) نمبر ۱۰۶۲ اور عبدالسلام کلائش تاریخ لغوی (۳) ۳۱۱ کے تحت موجود ہیں۔ انڈیا آفس لا بیری ریفرنس دستاویز کی غلط فہمیاں تھیں۔ یہ ریفرنس ۱۹۷۳ء اور اوزنیل پبلک لائبریری پٹنہ ریفرنس دستاویزات ہند ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۷ء کے تحت رجسٹرڈ محفوظ ہیں۔ اس مضمون میں رسالہ کے تمام حوالے علیگڑھ کے اول انٹر نیشنل کے مطابق دیے گئے ہیں

۳۔ یہ فتاویٰ علوم و فنون سے متعلق اسطلاحات کی ایک یا میں لغت ہے اس کا ایک منظر مولانا آزاد (ربانی اعلیٰ صفحہ ۱۰)

درج - ۱۶ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸ ویں صدی عیسوی کے نصف اول میں باجیت تھے اور تالیفی و تصنیفی کاموں میں مصروف تھے لیکن اس سے ان کے زمانہ وفات کی بابت کوئی ثبوت نہیں فراہم نہیں ہوتا۔ نور الحسن راشد کاندھلوی نے اپنے ایک مضمون میں ”بیاض قلم مصطفیٰ الہی بخش کاندھلوی“ کے حوالہ سے محمد علی تھانوی کا سن وفات ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ء) ذکر کیا ہے لیکن اس کی توثیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو پائی ہے۔ صاحب نزہۃ افراط مولانا سید عبدالحی (۱۸۶۱-۱۹۲۳) نے مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳-۱۹۴۳) کے حوالہ سے بصراحت یہ لکھا ہے کہ محمد علی تھانوی اردنگ زریب کے عہد میں قصبہ تھانہ کے قاضی تھے اور یہ کہ وفات کے بعد وہ اسی مقام پر مدفون ہوئے۔ اگرچہ اس کا ثبوت کسی اور ماخذ سے نہیں ملتا لیکن ان کے نام کے ساتھ قاضی کے انتساب سے اس عہدہ سے ان کا منسلک ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ احکام الاراضی مضامین کے اعتبار سے تین ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں دارالغروب و دارالاسلام کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے میں بیت المال اور اس کے ذرائع آمدنی سے متعلق امور زیر بحث آئے ہیں اور آخری باب میں فقہ اسلامی کی روشنی میں آراضی چند کی نوعیت واضح کی گئی ہے۔ اس باب (جس کے مباحث پر مضمون مبنی ہے) کا بیشتر حصہ فارسی میں ہے جب کہ پہلے (حاشیہ بقیہ ص ۱۰) لاہوری ریویژن پر روشنی کا مکمل عنوان عربی ہے، میں دستیاب ہے۔ اس کی اشاعت سب سے پہلے کلکتہ سے ۱۲۹۲ھ میں ہوئی تھی بعد میں قاہرہ اور تہران سے اس کے متعدد ریڈیشن نکل چکے ہیں پطرس بستانی (ماترۃ المعارف، بیروت، ۱۳۸۱ھ) الجزء السادس ص ۲۴۲ نے اس لغت کے مؤلف کا نام ”محمد علی“ ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۱۵ دیکھئے نور الحسن راشد کاندھلوی ”آراضی ہند کی شرعی حیثیت (چند قدیم تحریریں)“ مبعوضہ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۱۱۵، شمارہ نمبر ۴ (اپریل ۱۹۷۷ء) ص ۲۷۷ (ذیلی تشریحات) ص ۲۵۸۔ نزہۃ افراط، پیدرآباد، ۱۹۵۳ء، الجزء السادس، ص ۲۵۸



دونوں باب خالصہ عربی میں ہیں۔ غالباً یہ حصہ تحریر کرتے وقت مصنف کے پیش نظر اس وقت کے ہندوستان میں فارسی زبان کی سرکاری حیثیت اور علمی حلقوں میں اس کی مقبولیت رہی ہوگی۔ جہاں تک محمد اعلیٰ کے مآخذ کا تعلق ہے انھوں نے متعدد قدیم فقہی تالیفات مثلاً فتاویٰ قاضی خاں، ہدایہ، فتح القدیر، تبیین المحققین وغیرہ استعمال کرنے کے علاوہ مغل کے فقہ کے مجموعوں میں خاص طور سے خزانہ الروایات اور فتاویٰ عالمگیری سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ مزید برآں انھوں نے شیخ جلال الدین کے رسالہ درمیع آراضی سے کافی استفادہ کیا ہے اگرچہ شیخ جلال کے خیالات سے وہ پوری طرح متفق نہیں ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا، محمد اعلیٰ کے مآخذ کے ضمن میں بھی قابل ذکر ہے کہ مصنف نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں اس دور میں رائج زرعی نظام سے بھی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں ان سے عہد مغلیہ میں آراضی پر حکومت، زمیندار و کسان کے حقوق اور شعبہ محاصل کے بعض اہم پہلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے فقہی و تاریخی دونوں اعتبار سے رسالہ احکام الاراضی کا آخری باب خاص اہمیت کا حامل ہے۔

آراضی ہند کی نوعیت پر محمد اعلیٰ کی مفصل بحث کا مرکزی موضوع ہے۔ یہ فقہی نقطہ نظر سے اسے نہ تو عشری یا خراجی کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، نہ زمیندار یا کسان کو اس کا مالک قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ بیت المال کی املاک کا ایک حصہ ہے اور اس کے لیے فیسی بیت المال کی اصطلاح استعمال کرنا سب سے زیادہ موزوں ہوگا۔

۵۱ خزانہ الروایات ۱۶ ویں صدی عیسوی کے ایک تجارتی عالم قاضی جلیان الحق (متوفی ۱۵۵۷ء) کی تالیف ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری (پرنسپل کلاشن، عربیہ مذہب (۲) نمبر ۶۶) میں محفوظ ہے۔

۵۲ فیسی کی اصطلاح بنیادی طور پر ان اموال کے لیے مخصوص ہے جو دشمن سے بغیر جنگ یا فوج کشی کے حاصل ہو لیکن یہ اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام اموال (منقولہ وغیرہ منقولہ) کے لیے مستعمل ہے جو دشمن (بانی صبر)



محمد اعلیٰ نے آراضی ہند کے لیے فیسی بیت المال کے تصور کو پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہے اس ضمن میں وہ شیخ جلال کی اس دلیل سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ گرجہ یہ محقق ہے کہ ہندوستان ہندو یا بغلیہ فتح ہوا لیکن ~~اس کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں اور نہ روایت یہ منقول ہے کہ یہاں کی مفتوحہ آراضی غنائین~~ میں تقسیم کی گئی۔ ممکن ہے اس کی کچھ مثالیں مل جائیں لیکن ان کی حیثیت شاذ و نادر کی ہوگی جس کی بنیاد پر کوئی عام رائے نہیں ظاہر کی جاسکتی۔ محمد اعلیٰ آراضی ہند کی عدم عشریت کے ثبوت میں بعض واقعاتی شواہد بھی پیش کرتے ہیں مثال کے طور پر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کی بیشتر آراضی غیر مسلمین کے قبضہ میں ہے۔ مسلمان نہ تو انہیں بے دخل کرتے ہیں اور نہ ان آراضی کی ملکیت (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے خواہ جنگ کے نتیجے میں یا مصالحت و معاہدہ کے ماحول میں۔ محمد اعلیٰ نے یہاں اس کے ملوکہ بیت المال مراد لیا ہے اور اس کا اطلاق مفتوحہ علاقوں کی زمینوں پر کیا ہے جو غنائین میں تقسیم کے بدلے یا سابق مالکین کے حق میں بحال کیے جانے کے بجائے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے وقف قرار دی جائیں۔ اسلام کے زرعی قانون کی رو سے ای زمینوں کا اصل مالک بیت المال ہوتا ہے اور امام یا سلطان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان کی کاشت کا اہتمام کرائے۔ وہ اس کا مختار ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق موجودہ قابضین کے ذریعہ یا دوسروں کی دسالت سے ان کی آباد کاری کرائے اور مزارعت و اجارت وغیرہ میں سے جس طریقہ کو چاہے ترجیح دے۔ اس موضوع پر فقہاء کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے ابو عبیدہ القاسم بن سلام، کتاب الاموال، القاہرہ، ۱۳۵۳ھ، ص ۸۷-۹۳۔ ابو یوسف کتاب الخراج، ص ۸۹-۹۰، ۹۶-۱۰۶، یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، القاہرہ، ۱۳۲۶ھ، ۱ اور دی الاحکام السلطانیہ، ص ۷۱-۷۲۔ بیت المال کی ملوکہ آراضی کی آباد کاری کے مسائل پر محققانہ بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے، بہر فیسر محمد نجات اشرف صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۳۶۶-۳۷۱۔ ۱۵ احکام الآراضی، منظوم مولانا آزاد لائبریری، یونیورسٹی کلکشن، لاہور (۲) نمبر ۶۲ ورق ۵۲ الف۔

کا دعویٰ کرتے ہیں، مزید برآں حکومت ان کی پیداوار پر جو محصول عاید کرتی ہے وہ کسی بھی صورت میں اس کا دسواں حصہ (عشر) نہیں ہوتا جو شریعت میں عشری زمین کے لیے مقرر ہے بلکہ اس سے کہیں زائد ہوتا ہے۔ محمد اعلیٰ کے خیال میں ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ زمینیں عشری نہیں ہیں اور نہ مسلم حکمران اس حیثیت سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ محمد اعلیٰ نے یہاں ان آراضی کی نوعیت پر خاموشی اختیار کی ہے جو بادشاہ کی جانب سے علماء یا دیگر مسلم مستحقین کو عطا ہوتی تھیں شیخ جلال نے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس طرح کی آراضی کو عشری اور معطیٰ بہ کی ملک قرار دیا ہے۔ آراضی ہند کے خراجی نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے بھی محمد اعلیٰ شیخ جلال کے طرناستدلال کے مطابق پہلے یہ یاد کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نہ تو روایت کے طور پر یہ خبر منقول ہے اور نہ گزشتہ بادشاہوں کے سرکاری دستاویزات میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ مسلم فاتحین اور حکمرانوں نے مفتوحہ آراضی پر سابق مالکین کی ملکیت برقرار رکھی اور انھیں خراج کی حیثیت عطا کی۔ محمد اعلیٰ اس بحث میں شیخ جلال کے ان تمام دلائل سے متفق نظر آتے ہیں جو مفتوحہ لوگوں کو زمین کی واپسی اور ان کی ملکیت کی بحالی کی تردید میں انھوں نے پیش کیے ہیں اس کے علاوہ مسلمانوں کی آمد سے قبل قدیم ہندوستان میں زمین کی ملکیت کی بابت جو تصور رائج تھا محمد اعلیٰ اس سے بھی زمینوں کے خراجی اور سابق مالکین کی ملک ہونے کے خلاف ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہاں کی آراضی اسی صورت میں خراجی ہو سکتی ہے جب کہ

۱۔ احکام الآراضی، ۵۲ ب

۲۔ رسالہ در بیع آراضی، حوالہ بالا، ۲ ب، ۱۰ ب۔

۳۔ احکام الآراضی، ۵۲ ب

۴۔ احکام الآراضی، ۵۲ ب، ۵۳ الف، رسالہ در بیع آراضی، ۲ الف، ۲ ب

۵۔ احکام الآراضی، ۵۲ ب، ۵۳ الف۔ محمد اعلیٰ نے اس خیال کو محض روایت سے منسوب

کیا ہے اس کے لیے ان کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

فتح کے بعد زمینیں ان لوگوں کے حق میں بحال کی گئی ہوتیں جو فتح سے قبل حقیقتہً ان کے مالک تھے مصنف کے اپنے بیان کے مطابق قدیم ہندوستان میں صورت حال یہ تھی کہ راجہ اور ان کی اولاد کو راجہ پرست کہے جانے لگے تھے تو زمینوں کا مالک تصور کیا جاتا تھا اور اس تصور کے عام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ حکمران طبقہ کے لوگ تھے، سیاسی قوت و طاقت کے مالک ہونے کے علاوہ انھیں سماجی و مذہبی برتری بھی حاصل تھی، حتیٰ کہ بعض راجہ کو خدا کے اوتار کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ مزید برآں کسانوں پر سکیس فائدہ کرنے کا اختیار بھی انھیں کو حاصل تھا۔ محمد اعلیٰ کی رائے میں راجہ یا اس کے اہل خاندان سے زمین کی ملکیت منسوب کرنا معنی برہمنیت نہ تھا اور اگر اسے صحیح تسلیم کریں جائے تب بھی انھیں جملہ راضی کا مالک نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ہر ملک میں خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام کچھ آراضی غیر ملکہ ہوتی ہیں مثلاً وہ زمینیں جو آبادی سے ملحق چرگاہ وغیرہ کے کام آتی ہیں یا جو آبادی سے دور افتادہ و بنجر ہوتی ہیں اور موات کہلاتی ہیں۔ اس حالت کی آراضی ریختہ ملکہ و مباحہ کسی جی صورت میں حکمران کی ملک نہیں ہو سکتیں بلکہ ان حقائق کی روشنی میں محمد اسلی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فتح سے پہلے کے زمانہ میں جن لوگوں کو زمین کا مالک تصور کیا جاتا تھا وہ اصلاً ان کے مالک نہ تھے تو پھر فتح کے بعد ان کی ملکیت کی توثیق کرنے اور زمین کو خراج قرار دینے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ادا بین فتوحات کے زمانہ سے قطعاً نظر محمد اعلیٰ بعد میں کسی سلطنت کے اندر میں کبھی اسے خارج از امکان قرار دیتے ہیں کہ سابق حکمران طبقہ کے لوگوں کو خراج کے عوض زمین کی ملکیت عطا کی گئی ہوگی اس لیے کہ یہ مصلحت کے مطابق نہ ہوتا۔ غیر مسلم راجہ کو زمین کا مالک بنانا ان کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب اور انھیں جنگ و جدال کے غماص پیدا کرنے کا موجب ہوتا جو مسلم سلطنت کے ثبات و استحکام کے لیے

۱۔ احکام الاراضی، ۵۴ الف۔ ۵۴ پ

۲۔ احکام الاراضی، ۵۵ پ۔ ۵۶ الف



خطرہ بھی بن سکتا تھا، محمد اعلیٰ کی رائے میں قرین قیاس یہی ہے کہ سلاطین یا بادشاہوں نے مصلحت کے خلاف یہ اقدام نہ کیا گیا ہوگا بلکہ خود ان کے عمل سے مذکورہ صورت کا عدم وقوع ثابت ہوتا ہے۔ مصنف یہاں اس نکتہ پر خاص زور دیتے ہیں کہ اگر ادا لیں فتوحات کے بعد یا بعد کے زمانہ میں شاہی خاندان یا حکمران طبقہ کے لوگوں کو سابق مالکین آراضی تسلیم کر کے ان کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہوتا اور زمین کو خراجی حیثیت دی گئی ہوتی تو سلاطین و ملوک یقیناً اسی کے مطابق عمل کرتے لیکن صورت حال اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ معاصر بادشاہ کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد اعلیٰ لکھتے ہیں کہ وہ سابق رؤسا کو جنہیں اب زمیندار کہا جاتا ہے مالک زمین تسلیم نہیں کرتے وہ انہیں محض حکومت کی انتظامی مشینری کا ایک جز سمجھتے ہیں اور کسانوں سے ٹیکس کی تحصیل اور زراعت کی تعمیر و ترقی کے لیے ان کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ ان کے دور میں زمینداری محض ایک سرکاری خدمت تھی محمد اعلیٰ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس خدمت سے تعلق یا علیحدگی بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہوئی ہے۔ مزید برآں وہ اس کے موروثی ہونے کے تصور کو جب عام طور سے مشہور ہے جہل و نادانی پر محمول کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں حکومت کی جانب سے زمیندار کو مالک نہ تسلیم

۱۵ احکام الاراضی، ۵۶ الف۔

۱۶ احکام الاراضی، ۵۳ ب۔ ۵۵ الف، ۵۶ الف۔

۱۷ احکام الاراضی، ۵۵ الف، مصنف نے زمینداری کے موروثی ہونے کے تصور کو غلط قرار دیا ہے۔ اس رائے کے برخلاف مثل دور کی تاریخی کتابوں اور قرائین و ریکارڈ کے مجموعوں میں زمینداری کی

بابت بہت سے ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے ان کا موروثی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے واقعہ امیر

رفیق از مخطوطہ آصفیہ لاہور، حیدرآباد ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی نقیہ نمبر ۱۸۵

۲۲۶-۲۲۷، دارالعلوم، اوٹوگراف مخطوطہ بوڈلین لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی نقیہ نمبر ۱۸۵

۲۳ الف ۳۳ الف ۵۲ ب۔ ۵۳ الف۔ زمینداری سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، پروفیسر ذوق

حبیب اگریرین سسٹم آف منڈل انڈیا (اردو ترجمہ) جہاں محمد صدیقی بعنوان مفلوں کا طریتی زراعت، نیویارک

۱۵۵-۱۵۶



فتح کے بعد زمینیں ان لوگوں کے حق میں بحال کی گئی ہوتیں جو فتح سے قبل حقیقتہً ان کے مالک تھے مصنف کے اپنے بیان کے مطابق قدیم ہندوستان میں صورت حال یہ تھی کہ راجہ اور ان کی اولاد کو جو راجپوت کہے جانے لگے تھے تمام زمینوں کا مالک تصور کیا جاتا تھا اور اس تصور کے عام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ حکمران طبقہ کے لوگ تھے، سیاسی قوت و طاقت کے مالک ہونے کے علاوہ انھیں سماجی و مذہبی برتری بھی حاصل تھی، حتیٰ کہ بعض راجہ کو خدا کے اوتار کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ مزید برآں کسانوں پر ٹیکس عاید کرنے کا اختیار بھی انھیں کو حاصل تھا۔ محمد اعلیٰ کی رائے میں راجہ یا اس کے اہل خاندان سے زمین کی ملکیت منسوب کرنا مبنیٰ برحقیقت نہ تھا اور اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی انھیں جمہور اراضی کا مالک نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ہر ملک میں خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام کچھ اراضی غیر ملوکہ ہوتی ہیں مثلاً وہ زمینیں جو آبادی سے ملحق چرگاہ وغیرہ کے کام آتی ہیں یا جو آبادی سے دور افتادہ و بنجر ہوتی ہیں اور مویشی کھلاتی ہیں۔ اس طرح کی اراضی غیر ملوکہ و مباحہ کسی بھی صورت میں حکمران کی ملک نہیں ہو سکتیں بلکہ ان حقائق کی روشنی میں محمد اعلیٰ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فتح سے پہلے کے زمانہ میں جن لوگوں کو زمین کا مالک تصور کیا جاتا تھا وہ اصلاً ان کے مالک نہ تھے تو پھر فتح کے بعد ان کی ملکیت کی توثیق کرنے اور زمین کو خراج قرار دینے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اولین فتوحات کے زمانہ سے قطع نظر محمد اعلیٰ بعد میں کسی سلطان کے عہد میں کبھی اسے خارج از امکان قرار دیتے ہیں کہ سابق حکمران طبقہ کے لوگوں کو خراج کے عوض زمین کی ملکیت عطا کی گئی ہوگی اس لیے کہ یہ مصلحت کے مطابق نہ ہوتا۔ غیر مسلم رہنماؤں کو زمین کا مالک بنانا ان کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب اور انھیں جنگ و جدال کے عناصر پیدا کرنے کا موجب ہوتا جو مسلم سلطنت کے ثبات و استحکام کے لیے

۱۴ احکام الاراضی، ۵۴ الف۔ ۵۴ ب

۱۵ احکام الاراضی، ۵۵ ب۔ ۵۶ الف

خطرہ بھی بن سکتا تھا، محمد اعلیٰ کی رائے میں قرین قیاس یہی ہے کہ سلاطین یا بادشاہوں نے مصلحت کے خلاف یہ اقدام نہ کیا گیا ہوگا بلکہ خود ان کے عمل سے مذکورہ صورت کا عدم وقوع ثابت ہوتا ہے۔ مصنف یہاں اس نکتہ پر خاص زور دیتے ہیں کہ اگر اولین فتوحات کے بعد یا بعد کے زمانہ میں شاہی خاندان یا حکمران طبقہ کے لوگوں کو سابق مالکین آراضی تسلیم کر کے ان کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہوتا اور زمین کو خراجی حیثیت دی گئی ہوتی تو سلاطین و ملوک یقیناً اسی کے مطابق عمل کرتے لیکن صورت حال اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ معاصر بادشاہ کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد اعلیٰ لکھتے ہیں کہ وہ سابق رؤساء کو جنہیں اب زمیندار کہا جاتا ہے مالک زمین تسلیم نہیں کرتے۔ در انہیں محض حکومت کی انتظامی مشنری کا ایک جز سمجھتے ہیں اور کسانوں سے ٹیکس کی تحصیل اور زراعت کی ترقی کے لیے ان کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ ان کے دور میں زمیندار محض ایک سرکاری خدمت تھی محمد اعلیٰ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس خدمت سے تعلق یا علیحدگی بادشاہ کی مرضی پر موقوف تھی۔ مزید برآں وہ اس کے موروثی ہونے کے تصور کو بھی رد کرتے ہیں۔ عام طور سے مشتبہ ہے جہل و نادانی پر محمول کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں حکومت کی جانب سے زمیندار کو مالک تسلیم

۱۵ احکام الاراضی، ۵۶ الف۔

۱۶ احکام الاراضی، ۵۲ ب۔ ۵۵ الف۔ ۵۶ الف۔

۱۷ احکام الاراضی، ۵۵ الف۔ مصنف نے زمین داری کے موروثی ہونے سے قطعاً تردید کرتے ہوئے اس رائے کے برخلاف مغل دور کی تاریخی کتابوں اور فرامین و ریکارڈز کے مجموعوں میں زمین داری کی بابت بہت سے ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے ان کا موروثی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے واقعہ انجیر و نقل از منظر آصفیہ لائبریری، حیدرآباد، ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، نقلی نمبر، ص ۲۲۶-۲۲۷، دارالعلوم، لاہور کی فہرست خطوط، لائبریری، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۳۳ الف۔ ۲۳۴ الف۔ ۵۲ ب۔ ۵۳ الف۔ زمین داری سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، پروفیسر خان حبیب، اگریرین سسٹم آف مغل انڈیا (اردو ترجمہ) جمال محمد صدیقی، لکھنؤ، مغلوں کا طریق زراعت، نوبل پبلشرز، لاہور، ص ۱۵۴-۱۵۵۔

کرنے کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ زرعی ٹیکس ان کے ذمہ واجب الادا نہیں ہوتا ہے بلکہ کسانوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی علاقہ میں کسان محصول کی ادائیگی سے قبل اپنی زمین چھوڑ کر کہیں فرار ہو جاتے ہیں تو وہاں کے زمیندار سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

ان تمام تفصیلات سے محمد اعلیٰ کا مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ قدیم ہندوستان میں حکمران طبقہ اصلاً زمین کا مالک نہ تھا اس لیے فتح کے بعد ان کی ملکیت بحال کرنے اور ان کی آراضی کو خراج تسلیم کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ زمینداروں (جو درحقیقت سابق رؤسا ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں) کا دعویٰ ملکیت قانوناً ناقابل تسلیم ہے۔

رؤسا و زمینداران نے علاوہ آراضی سے تعلق دو سہ طبقہ کسانوں کا تھا۔ محمد اعلیٰ انھیں بھی حقیقی مالک تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے لیے بھی وہ قدیم ہندوستان کے حالات کی روشنی میں ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس دور میں کسان بھی زمین کے اصل مالک نہ تھے، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو محض کاشتکار سمجھتے تھے اور مقبوضہ زمین کی ملکیت کے دعوے دار نہ تھے۔ اس لیے فتح کے بعد ان کے ساتھ مالک زمین کی حیثیت سے برتاؤ نہ کیا اور ان کی آراضی کو فرجی زمین کے ضوابط کے تحت لانا کیسے صحیح ہو سکتا تھا؟ محمد اعلیٰ اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں واقعی شواہد پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسانوں کی مذکورہ حیثیت کی برقراری اس سے بھی واضح ہے کہ اس دور میں کسان زمین کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی کو بے دخل کر کے اس کی زمین دوسرے کو برائے کاشت دی جاتی ہے تو وہ اس پر کوئی ٹیکس نہیں ظاہر کرتا۔ مزید برآں محمد اعلیٰ زمینوں میں

۱۵ احکام الاراضی، ۵۹ الف۔ ۵۶ ب

۱۶ احکام الاراضی، ۵۹ ب۔

۱۷ احکام الاراضی، ۵۵ ب۔ ۵۹ الف۔ ۵۵ احکام الاراضی، ۵۵ الف۔ ۵۶ ب

۱۸ احکام الاراضی، ۵۵ الف۔ ۵۵ ب۔ ۶۱ الف۔ ۶۱ ب اس دلیل میں کچھ زیادہ وزن نہیں (باقی صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)



حکومت کے انتظامی تصرفات اور آباد کاری و کاشت کے بہتر اہتمام کی غرض سے ایک سے باریابی اور دوسرے کو حوالگی کے اختیار سے بھی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ کسان مالک زمین تسلیم نہیں کیے جاتے۔ وہ اپنے مشاہدہ کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں کہ کاشت میں بے توجہی اور سرکاری مطالبہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی صورت میں حکومت ایک کے قبضہ سے زمین بحال کہ دوسرے کو برائے کاشت دینا نہ صرف اپنا حق تصور کرتی ہے بلکہ اسے استعمال کرتی رہتی ہے۔ اپنے دور کے کسان کی ملکیت اراضی کے خلاف ان کا دلائل سے محمد اعلیٰ کا مقصود اولین فتوحات کے بعد کسانوں کے حق میں آرائش کی ملکیت کی بحالی اور ان کی خراج حقیقت کی تردید ہے جیسا کہ اس سے قبل سابق روس اور سوویت یونین میں ہندوستان کے حالات میں اس طرح کی صورت کے وقوع کو خارج از امکان قرار دے رہے ہیں۔

محمد اعلیٰ اراضی ہند کے خراج کو بننے کے تصور اس وقت کے زیر غور ہے۔ بعض دیگر پٹریوں کی بنیاد پر بھی غلط ثابت کرتے ہیں یہاں کے طور پر وہ لکھتے ہیں کہ حکومت کے تحت عام طور سے یہ دستور رائج ہے کہ اگر کوئی کسان اپنی زمین زیر کاشت کرنے سے عاجز رہتا ہے یا اسے غیر زراعت چھوڑ کر کہیں بھاگ جاتا ہے اور اس کی زمین کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دی جاتی ہے۔ تو اس کے حصول سے اصل کسان کے لیے کچھ محفوظ نہیں رکھا جاتا، محمد اعلیٰ فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے اس عمل کو خراجی زمین کے منابط سے منساق قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس عمل کا نظم حاصل بھی محمد اعلیٰ کی رائے (بقیہ فیہ ص ۱۰۸) معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کی ملکیت تسلیم کرنے کے بعد بھی حکومت کو اجرائی مفاد کے تحت یا زمین کی کاشت کے بہتر اہتمام کی غرض سے ملکیت کے انتقال یا فیسخ کا اختیار حاصل رہتا ہے۔ اس اختیار کے استعمال کی صورت میں کسانوں کی خاموشی ملکیت کے خلاف واضح ثبوت نہیں بن سکتی

۱۔ احکام الاراضی ۶۰، ب ۶۱، الف ۶۱، ب۔

۲۔ احکام الاراضی ۶۰، الف ۶۰۔ فتاویٰ عالمگیری کی محولہ عبارت کا مضمون یہ ہے کہ اگر ہزارہ زمین میں سے کوئی اپنی زمین چھوڑ کر فرار ہو جائے تو اس کی زمین دوسرے کو کاشت کے لیے دی جائے گی۔ حکومت کو نئے کاشتکار سے ہجرت کے مطابق جو کچھ حاصل ہوگا اس میں سے خراج کی مقدار مقرر ہوگی۔ باقی حصہ



میں اگر ارضی کے خراج ہونے کے خدشہ بہارت دیتا ہے، ان کے اپنے مشاہدہ کے مطابق حکومت کی جانب سے کسانوں سے جو زرعی ٹیکس سببوں دیگر حاصل وصول کیا جاتا ہے ان کی مجموعی مقدار پیداوار کے نصف حصہ سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ شریعت کی رو سے خراجی زمین پر محصول کی انتہائی حد پیداوار کا نصف حصہ ہے، مصنف کے خیال میں اس کی دو توجہ یہ ہو سکتی ہے یا تو مسلم حکمرانوں سے اسلام کے قانون ہی حاصل کی خدشہ درزی منسوب کی جائے یا یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ ان زمینوں کو خراجی نہیں سمجھتے، نیز محمد اعلیٰ دوسری صورت کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے مسلم بادشاہوں کو شریعت کی غلامیہ خلاف ورزی کا مرتکب گرد نہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ فاعلم اس صورت میں جب کہ ان کے عمل کی شرعی بنیاد موجود ہے درود یہ کہ وہ ان زمینوں کے ساتھ خراجی کا معاملہ نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے وصول کیے جانے والے محصول کو خراج کی صنف سے شمار کرتے ہیں بلکہ محمد اعلیٰ غالباً (بقیہ ماہیت) کسان کے بے غمخیز کرنا چاہئے گا اور اس کی واپسی پر اسے حوالہ کیا جائے گا دقتاوی عالمگیر، مطبع مجیدی، کانبور، شمسہ اولیٰ، جلد ثانی، صفحہ ۲۵۰

۱۔ یہ امر قابل غور ہے کہ خود زراعتی سے یہ صراحت کی ہے کہ زمین کی پیداوار سے نصف حصہ سے زائد جو وصول کیا جاتا تھا اس میں زرعی ٹیکس کے علاوہ دیگر حاصل بھی شامل تھے اور اس کا تناسب یہ تھا کہ نصف حصہ بطور زرعی ٹیکس اور نصف حصہ دیگر حاصل پر جاتے تھے، اس طرح دونوں ملک نصف سے متجاوز کر جاتے تھے، اس بیان کے مطابق خود زرعی ٹیکس کی شرح نصف پیداوار سے زیادہ ہوتی تھی اس لیے اگر زمین کو خراجی مان بھی لیا جائے تو مذکورہ صورت میں خراج کی شرح تحصیل میں شریعت کی خلاف ورزی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ البتہ حکومت کو اس وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ اس کے تساہل کی وجہ سے کسانوں سے زرعی ٹیکس کے علاوہ دیگر حاصل وصول کیے جاتے تھے جس کے نتیجہ میں ان کی پیداوار کا بیشتر حصہ حاصل کی نہ ہو جاتا تھا، اور یہ یقیناً شرعی اصول کے منافی تھا۔

۲۔ احکام اراضی ۵۹۰ الف، ۵۹۱ ب۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ زرعی ٹیکس کی درمیان نصف پیداوار کی مدد کی خراج کی صورت میں ہے اگر محصول  
کو خراج سے رد تعبیر کیا جائے تو نصف پیداوار سے زائد کی مر نعت اس پر لاگو نہ ہوگی۔

آماضی بند کو غیر خراجی ثابت کرنے کے لیے آخری دلیل کے طور پر محمد اعلیٰ شیخ جلال کے  
اس خیال سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اہمہ کی فتح کے بعد سابق رد ساء یا  
رعایہ رکاشتکار کو اصل مالک تصور کر کے حقیقی ملک کے مطابق زمینیں ۱۰۰ فی صد کی گنتی میں اور  
ان پر خراج عاید کیا گیا ہو اس بات کا فوری امکان موجود ہے کہ بعد کے ساء طین نے امام غفاری کی  
راے پر عمل کرتے ہوئے اجتماعی معاہدہ میں ان زمینوں کی خراج حیثیت ختم کر کے انھیں بین الممال کی ملک  
میں داخل کر دیا ہوگا۔

محمد اعلیٰ عہدہ نشینی میں بندہ ستان کے زرعی نظام کو اسلام کے زرعی نظام سے تطبیق دیتے  
ہوئے حکومت کے زمینداروں درکسافوں سے تعلقات آفاقیہ پر ان کے حقوق اور آماضی کی  
شرعی حیثیت کی توضیح اس انداز میں پیش کرتے ہیں ان کے خیال کے مطابق اومین فتوحات یا مسلم  
حکومت کے قیام کے بعد نئے علاقوں کی فتح کے وقت جس طرح بدستور سابق رد ساء کا مقامی اثر و  
رسوخ قائم رہا اور ان کے ذریعہ کسافوں سے ٹیکس کی تحصیل ہوتی رہی، اسی طرح مفتوحین میں جو

۱۔ احکام الاماھی، ۵۹ ب۔ یہ بات ہمہ دلائل کی باطنی ہے کہ امام ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ٹیکس انہی  
کے نزدیک ان علاقوں کی زرعی جو بزرگ یا چھوٹی کیسے جائیں سب ان کے لیے کوئی نیا بندہ نہیں ہے۔  
ان کے خیال میں آماضی بھی غائب نہیں کا حق ہیں اور انھیں تقسیم کی جائیں گی الا آمدہ بطیب خاطر اس کے  
برابر ظاہر کر لیں اس صورت میں وہ زمینیں تمام مسلمانوں پر وقف سمجھے جائیں گی اگر ان کی آباد کاری  
سابق مالکین کے ذریعہ کرائی جائے تو ان کی حیثیت خراج یا ٹیکس کی ہوگی تفصیل کے لیے ملاحظہ

کیجیے محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، مطبع امیر، مصر ۱۳۳۵ھ، ج ۱، ص ۱۳۵

ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۵

کسان یا کاشتکار تھے اُن کی سابق حیثیت بقرا رہی۔ وہ پیداوار میں اضافہ کے لیے کوشاں رہے اور مقررہ محصول کی ادائیگی کرتے رہے جیسا کہ اُن سے مطلوب تھا لیکن وہ زمانہ ماقبل فتح کے مثل انکا نہ حقوق سے عاری ہے بلکہ

محمد اعلیٰ حکومت و کسانوں کے باہمی معاہدہ کو مزارت کا نام دیتے ہیں اور اس کی تائید میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ حکومت و کسانوں کے مابین اس طرح کے معاملہ کے باقاعدہ طے ہونے کا کوئی دستہ و نیز ثبوت نہیں ملتا ساکن اس کی چنداں حاجت نہیں اس لیے کہ یہ عمل عیناً قدیم سے بدستور رہا ہے اور اس کی حیثیت "حرف" کی ہو گئی ہے۔ وہ فقہاء نے اس طرح کے مسئلہ میں بغیر کسی رنج و کجھوتہ کے مزارت کا معاملہ جائز قرار دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری ص ۵۸۵ میں ہے۔  
 احکام الراضی، ص ۵۵ ب، ۵۵ الف، ۵۸ الف

۴۸ مزارت صاحب زمین اور کاشتکار کے مابین ایک قسم کے معاہدہ کا نام ہے جس کی مدد سے ادلیٰ ذکر دوسرے کو زمین کی کاشت کی اجازت دیتا ہے اور دونوں ایک متعین تناسب کے تحت اس کی پیداوار میں شریک ہوتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک اس کی بعض شکلیں جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ اصولی طور پر وہ شکلیں ناجائز ہیں جن میں ایک شریک کے خسار کا امکان ہو یا یا بھی نزاع کا اندیشہ ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ الدین، بدیع کاشانی، برائع الصنائع، مطبع جمالیہ، ص ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲



جہاں تک کسانوں سے وصول کیے جانے والے محصول کا تعلق ہے محمد علی اسے خراج کے بجائے اجرت  
 دکرایہ یا (مزارعت کے تحت) صاحب زمین کے حصہ سے تعبیر کرتے ہیں بنفس آراضی کی بابت ان کی  
 بحث کا ما حاصل یہ ہے کہ اس پر نہ تو عشری کی اصطلاح صادق آتی ہے اور نہ خراج کی لہٰذا فقہی نقطہ  
 نظر سے آراضی ہند کی وہی نوعیت ہے جو احناف کے علاوہ دیگر فقہاء (شافعی، مالکی و حنبلی) کے  
 نزدیک سواد عراق کی ہے اور حنفی فقہاء کے مطابق سرزمین مصر کی ہے۔ اس لحاظ سے اس پر فنی بیت المال  
 ملے یہ خیال اور نگ زیب کے اس مشہور زمان سے متناقض معلوم ہوتا ہے جو نظم حاصل سے متعلق مسئلہ  
 میں جاری کیا گیا تھا اس میں عشری و خراجی دونوں نوع کی زمینوں کا تذکرہ ہے اور آراضی کی اس تقسیم  
 کے اعتبار سے محصول کے قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ہیں اس زمان کے لیے دیکھیے علی محمد خاں مرآۃ  
 الحمی، بمبئی، ۱۸۹۹ء حصہ اول، ص ۲۸۳-۲۸۸، احمد فتاویٰ عالمگیری کے باب عشر و خراج کی روشنی میں  
 اس زمان کے بجز یہ کہ لے دیکھیے خاکسار کا مضمون "زمان آف اورنگ زیب آف ٹکسیشن" مطبوعہ  
 اسلامک کلچر، حیدرآباد، جلد ۵۲، شمارہ نمبر ۳، اپریل ۱۹۷۷ء، ص ۱۱-۱۲  
 ۱۵ احناف کی رد سے عراق کی فتح و فتح کشی کے بعد حاصل ہوئی تھی اور مقتصدہ آراضی حضرت عمرؓ کے  
 حکم سے غائبین میں تقسیم کرنے کے بجائے وہاں کے اصل باشندوں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تھیں، احناف کے  
 خیال میں یہ زمینیں خراجی تھیں اور ان کے قابضین کو مالکانہ حقوق حاصل تھے، اس کے برخلاف امام شافعی  
 و دیگر فقہاء نزدیک آراضی عراق کی حیثیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان علاقوں کی فتح کے بعد فوجیوں کو سرفہ  
 آراضی کے حق سے مستبردار ہونے پر راضی کر لیا تھا اور اسے اجتماعی مفاد کے تحت تمام مسلمانوں پر  
 قرار دیا تھا، اصل باشندوں کے پاس انھیں دینے دیا گیا تھا لیکن ان کی حیثیت محض کاشتکار کی تھی۔  
 مع درہن اور ملکیت کے دیگر حقوق انھیں حاصل نہ تھے، بعینہ ہی نقطہ نظر حنفی فقہاء نے مصر کی  
 آراضی کے سلسلہ میں پیش کیا ہے۔ یعنی انھیں غائبین میں تقسیم کرنے کے بجائے تمام مسلمانوں کی ملک قرار دیا  
 گیا تھا۔ ملاحظہ کیجیے محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الام، محول بالا، ص ۶۵، ۱۰۳، الماوردی، الاحكام  
 السلطانیہ، ص ۱۵۷-۱۵۸، ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۶-۳۵، ۳۶-۳۷، شاہ ولی اللہ دہلوی، ازادۃ  
 اغفاء، ص ۱۲۹۔



کی اصطلاح منطبق کرتا زیادہ صحیح ہوگا۔ فقہ کی تدوین سے آراضی ہند کی یہ نوعیت متعین کرتے ہوئے محمد اعلیٰ آخر میں زمیندار و کسان دونوں کے لیے اس کی ملکیت کے دعویٰ کو باطل قرار دیتے ہیں اور اس کے خرید و فروخت کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔

آراضی ہند کی شرعی حیثیت پر محمد اعلیٰ اور شیخ جلال کے خیالات میں نتائج کے لحاظ سے ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ محمد اعلیٰ آراضی ہند کی عدم عشریت و خراجیت کو ثابت کر کے اور اسے فیئ بیت المال قرار دے کر اپنی بحث کو موقوف کر دیتے ہیں۔ جب کہ شیخ جلال اس سے آگے بڑھ کر اس نکتہ پر بھی زور دیتے ہیں کہ اگر سلطان یا بادشاہ ان آراضی کا کوئی حصہ کسی مستحق مسلمان کو عطا کرے اور معطلی بہ اس کی کاشت کا ہتہام کرے تو وہ قطعہ زمین عشری شمار ہوگا اور اس کی ملک قرار پائے گا۔ شیخ جلال کی جانب سے اس وضاحت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے رسالہ کے ذریعہ ان مسلمانوں کے خیالات کی تردید کرنا چاہتے تھے جن کے نزدیک آراضی مدو معاش کے مستحقین، لگانہ حقوق سے محروم تھے اور زمین کی فروخت یا کسی اور ذریعہ سے انتقال ملکیت کے مجاز نہ تھے۔ قاضی محمد اعلیٰ کا اس مسئلہ میں یہ موقف تھا کہ اس کی وضاحت نہیں ملتی۔

گرچہ مفتی الہی بخش (متوفی ۱۸۲۵ء) کی قلمی بیاض سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمد اعلیٰ تھانوی نے آراضی مدو معاش کے شرعی حکم پر کوئی فتویٰ تحریر کیا تھا اور اسے مفتی صاحب نے قاضی ثار اللہ پانی پتی کے پاس اظہار خیال کے لیے ارسال کیا تھا لیکن اس فتویٰ کے مضمون کے بارے میں کوئی

۱۔ اسلام کے زری نظام کی اصطلاح میں یہ زمینیں جو دولت ہو کر بیت المال کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں یا بخلہ مفتوح ہونے کے بعد مسلہ لوز پر وقف قرار دی جاتی ہیں اور مقررہ اجرت پر کاشت کے لیے دوسروں کے حوالہ کی جاتی ہیں ارض المملکت یا ارض الخیر کہلاتی ہیں۔ دیکھیے ابی عابدین الشامی، رد المحتار مصر، مشلاہ، الجزء الثالث، ص ۳۵۳، کتاب الخراج، ص ۳۵۴۔

۲۔ احکام الآراضی، ۶۱ ب۔ ۶۲ الفہ

۳۔ رسالہ در بیع آراضی، ۲ ب، ۸ ب، ۱۰ ب

## اطلاع فراہم نہ ہو سکی۔

آراضی ہند کی شرعی حیثیت پر محمد اعلیٰ نے اپنی رائے بظاہر عمومی انداز میں پیش کی ہے لیکن ان کے طرز بیان اور ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں کی ملکیت رد کرنے پر خاص زور سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر خاص طور سے وہ زمینیں تھیں جو غیر مسابہین کی مقبوضہ تھیں لیکن ان کی ملکیت کے لیے کوئی قانونی بنیاد یا قرائنی ثبوت موجود نہ تھا۔ محمد اعلیٰ ان زمینوں پر بادشاہ یا حاکم کے حق تصرف کو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کے بھی قائل نظر آتے ہیں۔ بادشاہ کو اپنی صوابدید کے مطابق اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی کاشت و آباد کاری کے اہتمام کا اختیار حاصل ہے، لیکن وہ کسی کو اس آراضی کا بعض حصہ بطور ملکیت دے سکتا ہے کہ نہیں محمد اعلیٰ کی تفصیلات سے اس فروعی مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں، اگر مصنف کے نتائج بحث کو عمومی انداز میں قبول کیا جائے یا الفاظ دیگر اسے جملہ آراضی ہند پر منطبق کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمان کسی جگہ عملاً زمین پر قابض نہ تھے اور نہ ہی ان میں کوئی کاشتکار تھا لیکن اس بات کا تاریخی حقائق کی کسوٹی پر پورا اترنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے نقطہ نظر کو جملہ آراضی پر چسپاں کرنا موزوں نہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آراضی مختلف النوع ہیں اور ان تمام کی شرعی حیثیت کی بابت مجموعی طور پر کوئی ایک رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ ہر نوع کی وضاحت کے ساتھ شریعت کی روشنی میں اس کی قانونی حیثیت متعین کرنا زیر بحث مسئلہ پر اظہار خیال کا معقول و معتدل طریقہ ہوگا۔ قاضی محمد اعلیٰ کے پیشرو شیخ جلال الدین تھانی سری نے بھی اپنے رسالہ میں ایک جگہ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اگرچہ ان کی بحث مذکورہ معاش کی آراضی پر مرکوز ہے۔ یہاں خاتمہ بحث کے طور پر

۱۔ مذکورہ بیانات میں محمد اعلیٰ تھانوی کے فتویٰ کے حوالے اور قاضی تھانوی کے فتویٰ کے اس پر اظہار خیال کے لیے دیکھیے نور الحسن راشد کا مضمون ”آراضی ہند کی شرعی حیثیت“ مضمون

معارف، محولہ بالا، ص ۲۹۱-۲۹۲

ان کے رسالہ سے متعلق پیرا گراف کا خلاصہ پیش کرنا افادیت درجہ چہی سے خالی نہ ہوگا۔

شیخ جلال نے قبضہ و ملکیت کی نوعیت میں اختلاف کے اعتبار سے آراضی ہند کی آٹھ قسموں کی وضاحت کی ہے اور ہر ایک کا حکم جداگانہ بیان کیا ہے۔

(۱) پہلی وہ جس کے قابض اول یا اصل کاشتکار (حارث) اس حالت میں انتقال کر گئے کہ ان کوئی وارث نہ تھا یا وہ اپنے آبائی موضع کو چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو گئے پھر اس پر دوسرا شخص وغیرہ قانونی طور پر قابض ہو گیا اور یہ قابض ثانی بھی کچھ عرصہ بعد مر گیا اور وہ زمین اس کے ورثہ یا خاندان والوں میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ تین چار پشت اس طرح گزر گئی اب اگر موجودہ قابضین جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں اس زمین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ پیش کرتے ہیں تو یہ کسی طرح قابل قبول نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے آباء و اجداد غلط طور پر اس پر قابض ہو گئے تھے۔

(۲) دوسری وہ جو کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے اور یہ انہیں اپنے آباء و اجداد سے دراشتہ ملی ہے، لیکن اس زمین پر ان کے اجداد کا قبضہ قائم ہونے کی نوعیت یہ تھی کہ انہوں نے اصل کاشتکار یا مالک زمین کو زبردستی بے دخل کر کے اسے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ اس لیے اس نوع کی آراضی پر بھی موجودہ قابضین کا دعویٰ ملکیت بے بنیاد ہے۔

(۳) تیسری قسم ان زمینوں کی ہے جنہیں ابتدائی فتح کے وقت امام یا سلطان نے غائبانہ میں سے بعض کو یا کسی مستحق مسلمان (خواہ وہ عالم مہر یا غیر عالم) کو عطا کیا تھا اور اس سلطان کی اجازت سے اس کی کاشت کی یا امام کے ساتھ دارالحرب میں داخل ہونے والوں میں سے بعض نے کسی شہر کو فتح کیا اور امام نے اسے اس پر بخش دیا اور اس نے اس کی زراعت کا اہتمام کیا تو یہ زمینیں بلاشبہ عشری قرار پائیں گی امدان لوگوں کی ملک میں داخل ہوں گی جنہیں عطا ہوئی تھیں۔



(۳) چونکہ قسم آراضی افتادہ دیگر مزدور کی ہے پس اگر اس کا سابق قابض معروف ہے تو یہ اس کی ملک تصور کی جائے گی اور اگر غیر معروف ہے تو امام اعظم کے مسلک کے مطابق امام یا سلطان کی اجازت کے بغیر اس پر کسی کی ملک قائم نہیں ہو سکتی اس لیے موجودہ قابض اگر اس اجازت سے محروم ہیں تو وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔

(۵) پانچویں وہ آراضی جو اصل متربک و غیر متربک کے اصل مالک کا بھی کچھ نہ نہیں ہیں اگر امام اس زمین سے کسی مستحق کو کچھ حصہ بطور ملکیت نہ کر دے اور اس کا غرض بھی اس کے لیے مباح قرار دے پس اگر اس شخص نے امام کی اجازت سے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ زمین اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی و اس کا خراج بھی اس کے لیے حلال ہوگا۔

(۶) چھٹی قسم اس آراضی کی ہے جس میں اصل بدستور کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کا اصل مالک نامعلوم ہے پس اگر امام اسے کسی مستحق کو بطور ملکیت نہ کر دے اور اس کا مالک بن جائے گا لیکن اگر کسی کو صرف اس کے خراج سے یہ مالک بن جائے تو یہ زمین معطل کی ملک نہیں ہو سکتی۔

(۷) ساتویں وہ زمین جو مزدور یا غیر مزدور ہے جس کا اصل مالک معروف ہے اگر امام نے کسی کو اس میں کاشت کرنے کی اجازت دی تو اس کا مالک نہیں بن سکتا بلکہ اگر کسی نے اس میں کاشت کر دی تو وہ مالک بن جائے گا۔

(۸) آٹھویں وہ افتادہ و متروکہ زمین جس کے مالک کا کچھ نہ ہے لیکن اس نے اس کی کاشت سے اس کی کاشت کی تو اس کی ملکیت اس پر قائم ہو جائے گی لیکن عدم اجازت کی صورت میں امام اعظم کے قول کے مطابق یہ مالک نہیں ہوگا جبکہ رعایا جس کے مسلک کی رو سے وہ اس کا مالک تسلیم کیا جائے گا۔

۱۔ رسالہ در بیان آراضی و رقبہ و احوال و کتب و غیرہ پانچویں قسم میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔



آراضی ہند کی مختلف انواع میں اس تقسیم سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ ہندوستان میں جملہ آراضی کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ بلکہ قبضہ کی نوعیت اور ملکیت کے ثبوت کے اعتبار سے مختلف مقامات کی آراضی میں فرق پایا جاتا ہے اس لیے اس کی شرعی حیثیت پر رائے زنی کرتے وقت یہ ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ آراضی اس نوع کے تحت آتی ہے، اختلاف انواع سے قطع نظر کر کے جملہ آراضی کی ایکساں رائے قائم کرنا اس مسئلہ کے ساتھ انصاف نہ ہو گا۔

بہر حال شیخ جلال اور قاضی محمد اسلمی دونوں کے بیان کے مطابق ہندوستان کی آراضی کا بیشتر حصہ غیر ملوکہ آراضی کی نوع سے ہے جس کے اصل مالک یا تو غیر کوئی دارت چھوڑے وفات پاگئے یا بعض نامساعد حالات کے تحت وہ اپنی زمین و چاہ بند دینا گدے کر کہیں اور منتقل ہو گئے اور اس ملا دارت یا متروکہ آراضی پر دوسرے کو غیر قانونی طور پر قابض ہو گئے اور پھر یہ آراضی قابض ثانی سے اس کے ورثہ میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی۔ اس طرح یہ آراضی اصلاً غیر ملوکہ یا ناجائز طور پر مقبوضہ کی حیثیت میں باقی رہیں اور شریعت کی رو سے بیت المال ان تمام اموال (منقولہ و غیر منقولہ) کا مالک ہوتا ہے جن کا کوئی دارت یا مالک نہیں ہوتا اس لیے آراضی ہند بھی اسی زمرہ میں داخل ہو کر ملک بیت المال کا حصہ بن گئیں۔ البتہ امام وقت کو بیت المال کے امین ہونے کی حیثیت سے یہ اختیار حاصل ہے کہ اجتماعی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے موجودہ قابضین کے ذریعہ اس کی کاشت کرائے اور ان سے بطور محصول کچھ وصول کرے یا مسلم معاشرہ کے مستحق و ضرورت مند افراد اس میں سے بطور مدد معاش عطا کرے۔

۱۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی مشہور تصنیف ”اسلام کا نظام آراضی“ میں آراضی ہند کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے اس پہلو کو نمایاں کیا ہے اور شیخ جلال کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے کہ اگرچہ وہ ہندوستان کی آراضی کے معتد بہ حصہ کو ملا دارت و غیر ملوکہ کی قبیل سے شمار کر کے اسے بیت المال کی ملک قرار دیتے ہیں لیکن وہ جملہ آراضی کو اس زمرہ میں شامل نہیں کرتے تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، ”اسلام کا نظام آراضی“ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۶۷ھ ص ۱۰۲۔

# شرف التواریخ

پروفیسر احمد بنی ب بنوری لاہور۔

شرف التواریخ، مصنفہ ہر سرف احمد المعروف بہ شرافت نوشاہی  
جلد دوم، ضخامت ۲۰۲۸ صفحے قیمت دو سو روپے  
مطبوعہ ۵۸۲، ماہین پال، ضلع گجرات، پنجاب، پاکستان

شرف التواریخ، ہندوستان پر مشتمل مانت و برہنہ دہلی میں پانچویں قسطوں  
میں طبع ہوا، جسے دینی اور علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ اب اس کتاب کی دوسری  
جلد چھپ کر مارکیٹ میں آئی ہے۔ اس میں بھی بے سرو پا حکایات کی بھرمار ہے۔  
اس لئے اس پر قلم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے

تہ امت صاحب کے ایک مداح نے اقبال مجددی نے پیر صاحب کی تحریک و کوشش  
اور آواز کی تحریروں پر تنقید دی ہے۔ اس کا جواب سید صباح الدین عبد الرحمن  
صاحب نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں دیا تھا۔ جلد دوم کے مطالعہ کے دوران میں  
مجھے اس تصنیف میں بولیں (کھلیان) بک، کھنڈ، محو ہستی (گھٹی)، کنبل،  
چھپڑی (جوڑ)، ٹاہلی (شیشم)، وٹہ (باٹ)، کلا (کھوٹا)، گوڈی (نلائی)

نسان (شہ)، پھگن، روہ (رس)، آیر (ریوٹ)، کپاہ (کپاس)، بالوہ (ایندھن)،  
 اٹھیس (اڑتیس)، ستاسٹھ (سٹریٹ)، اٹھاسٹھ (اٹھاسٹھ)، کھی (کھیلاؤڑا)،  
 عاتسا (عصا)، چھتر (مینڈھا)، بنی (مینڈھ)، کاکھری (پکائی)، بھڑلہ،  
 باریاں (کھڑکیاں)، کوڑم (سمدھ)، اندھیری (آندھی)، پتا سے، کتک، لنگھیا،  
 ویٹا، سرگی (سحر)، شرنیہ (سرس)، بوٹر، کھونڈا (چھڑی) اور رڑکنا (بلونا)  
 جیسے ٹھیکہ پنجابی الفاظ ملے۔ اس کے باوجود ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو شریف التواریخ  
 کو شعرا عجم اہل آب حیات پر ترجیح دے رہے ہیں۔

شرافت صاحب کی جنرل نالچ (معلومات عامہ) کا یہ عالم ہے کہ موصوف  
 نے ہٹلر کو شاہ جرمن لکھا ہے ص ۹۳۵۔ اس کے باوجود سید خواجہ شہید احمد بخاری  
 بہ افسوس رہا کہ انھیں کسی یونیورسٹی میں ملازمت کیوں نہیں دی گئی ص ۱۹۵۲۔  
 شریف التواریخ کی جلد اول میں بھی شرافت صاحب نے پریوں کے وجود  
 کا اقرار کیا تھا لیکن اس کی کوئی دلیل کتاب و سنت سے پیش نہیں کی۔ دوسری  
 جلد میں موصوف نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شرافت صاحب لکھتے ہیں  
 کہ غلام علی نوشا ہی نامی ایک موصوف کو پریاں اٹھائے گئی تھیں۔ ص ۴۹۲۔

خواجہ فضیل کابل کے ترجمہ میں شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ وہ شیر کی سواری کیا  
 کرتے تھے ص ۱۳۶۸۔ ہمارے ہاں ایسے کلیڈر عام بکتے ہیں جن میں اولیاء کرام کو  
 ہاتھ میں سانپ کا کوڑا سے شیر پر سوار دکھایا گیا ہے۔ ایک ایسا کلیڈر بھی دستیاب  
 ہوئے جس میں حضرت بوعلی قندر کو ایک دیوار پر بیٹھے دکھایا گیا ہے۔ ایک بزرگ شیر پر  
 سوار ہو کر انھیں ملنے آئے۔ بوعلی قندر نے دیوار کو اڑان لائی تو وہ حرکت میں آ گئی  
 یہ نظریہ متصوفین نے ہندوؤں سے لیا ہے۔ ان کے ہاں دیویوں کو شیر پر سوار دکھایا  
 جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اسے بھی ولایت کا خاصہ سمجھ لیا ہے۔



شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ ایک باریاں وڈا سہروردی اور حاجی نوشہ میں کسی بات پر ٹھن گئی۔ حاجی صاحب اپنے دھیان میں بیٹھ ہوئے تھے کہ میاں صاحب اپنی ہیئت بدل کر ساند کی شکل میں ان پر حملہ آور ہوئے۔ حاجی نوشہ نے اپنے دفاع کے لئے فوراً شیر کا روپ دھار لیا اور میاں وڈا ڈر کر بھاگ گئے ص ۱۶۳۔

شرافت صاحب ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ایک بار شاہ ننتھا سلطان سوہرڈی شیر کا روپ دھار کر پیر سچیا کو ڈرانے آیا تھا۔ ص ۱۶۲۔ شرافت صاحب کے ولی بھی عجیب مخلوق ہیں۔ کبھی وہ ساند بن کر اپنے حریف پر حملہ آور ہوتے ہیں اور کبھی شیر بن کر ڈرانے آجاتے ہیں۔ علامہ محمد افضل طور شریف التواریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "آج تک جتنے تذکرے سلاسل فقرار کے لکھے گئے ہیں ان میں سے شریف التواریخ کا پایہ ادبی، تاریخی اور سانی اعتبار سے نہایت ارفع اور اعلیٰ ہے" ص ۱۹۴۔ ادبی پایہ تو ہم لے پنجابی الفاظ کی صورت میں دیکھ لیا ہے۔ تاریخی پایہ کا اندازہ قارئین کرام ان حکایات سے لگائیں گے۔

نوشاہیوں کے ہاں خرق عادات اور بے سرو پا قصوں کو عین ولایت سمجھا جاتا ہے۔ سید فضل الدین بڑجن نالہ کے بارے میں شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی قبر پر ہر جمعرات کو شیر آکر اپنی دم سے جھاڑو لگایا کرتا ہے ص ۶۲۳۔ نوشاہی فقرار زیادہ تر اضلاع گجرات اور گوجرانوالہ میں آباد ہیں۔ پنجاب کے ان اضلاع میں شیر کی موجودگی محتاج ثبوت ہے۔

شریف التواریخ کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ بہت سے نوشاہی فقرار عشق مجازی میں مبتلا تھے۔ فقیر بخش نوشاہی رسول نگری ایک پنڈتانی پندناستق ہو گیا تھا ص ۱۳۴۔ سید جوئے شاہ سید نگری نامی ایک نوشاہی ولی نے ملائقوں جیسی ونع قطع اختیار کر لی تھی۔ وہ ایک طوائف کو دل دے بیٹھا تھا ص ۱۳۳۹۔



صدقی شاہ نامی ایک نوشاہی دلی فضلاں نام کی ایک قصائن پر فرلفیت ہو گیا تھا۔  
 ص ۱۳۴۸۔ اس کا جو مرید اس سے کوئی وظیفہ پڑھنے کی اجازت طلب کرتا، تو شاہ صاحب  
 فرماتے کہ وہ صبح و شام دو تسبیحاں ”یا بی بی فضلاں“ نام کی کیا کرے ص ۱۳۴۹۔ احمد الدین  
 نامی ایک نوشاہی دلی سے لوگوں نے کہا کہ شہر میں دبا پھیل رہی ہے وہ اس کے خاتمہ  
 کے لئے دعا کرے۔ اس نے یہ شرط لگائی کہ پہلے شہر کی دو شیرہ لڑکیاں اُسے نہلائیں  
 پھر وہ دعا کرے گا ص ۱۳۴۹۔ شرافت صاحب کیا ولیوں کے یہی طور طریقے ہوا  
 کرتے ہیں؟

شرافت صاحب احمد الدین صاحب جیسے ایک نوشاہی پیر سید عبداللہ شاہ  
 کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک بار ایک غیر محرم دلہن کو دیکھنے گیا۔ اس نیک نیت  
 نے نامحرم کو منہ دکھانے سے انکار کیا تو پیر صاحب نے اپنی کراچی کے زور سے  
 اس کی شکل مسخ کر کے بندریا جیسی بنادی اور جب اس نے منہ دکھا ~~نہلا~~ وعدہ کیا  
 تو پیر صاحب نے اس کی شکل درست کر دی ص ۱۳۵۰۔ یہ روایت محتاج تبصرہ نہیں ہے۔  
 پیر صاحب نے اس بیچاری نو شریعت پر عمل کرنے کا یہ مزادی کہ اس کی شکل مسخ  
 کر دی۔ پتہ نہیں کہ نوشاہیوں کو شریعت کے ساتھ اتنی گد کیوں ہے۔

شرافت صاحب ایک پیر سید عارف حق نوشاہی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ  
 اس کے پاس کنبڑیاں آکر چوکی بھرا کرتی تھیں ص ۱۳۵۰۔ یہ کیسی ولایت ہے کہ  
 ایک ولی اللہ نامحرم اور فاحشہ عورتوں کا ناچ دیکھے اور پھر اللہ کی دوستی اور  
 رسول خدا کی محبت کا دم بھی بھرے۔

شرافت صاحب عصمت اللہ حمزہ نامی ایک نوشاہی درویش کے بارے  
 میں لکھتے ہیں کہ وہ دریا میں کھڑے ہو کر روزانہ چالیس بار قرآن ختم کیا کرتا تھا  
 ص ۱۳۵۱۔ اس دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کے لیے موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ

باب کعبہ سے چل کر ملتزم تک تہمت کر لیتے تھے اور ایک بزرگ طواف کعبہ کے دو بار ہر قدم پر قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک حضرت صاحب کا معمول روزانہ ہزار بار قرآن ختم کرنے کا تھا۔ شیخ موسیٰ سدرانی نام کے ایک صوفی دن رات میں ستر ہزار بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ علی رضوی نام کے ایک متصوف نے ان سب کا ریکا رڈ توڑ دیا۔ یہ حضرت ایک رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار بار قرآن ختم کر دیا کرتے تھے ص ۵۱۲۔ ایسی ہی ایک روایت ہے میں جلد اول میں تبصرہ کر چکا ہوں اس لئے یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پتہ نہیں کہ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن احمد قلعہ داری نے یہ کیسے لکھ دیا ”مجھے اپنی بے بسی پر بار بار رونا آتا ہے۔ اگر میں مغلیہ دور حکومت کا کوئی نواب ہوتا تو سید صاحب کو کوئی دیہات نہیں پورا ملک انعام کے طور پر (بطور) جاگیر عطا کر دیتا“ ص ۱۳۰۔ شرافت صاحب نوشاہیہ سلسلہ کے بانی نوشہ گنج بخش کے پوتے سید نصرت اللہ محدث کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ”محدث وقت“ پوست کا نشہ کیا کرتے تھے اور ایک وقت میں نو پیسے تانک شاہی وزن گمے برابر پوست پانی میں بھگو کر نوش کیا کرتے تھے ص ۴۹۲۔ اسی طرح سید نور علی نوشاہی نام کے ایک بزرگ گرنٹھ صاحب کی تلاوت بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کیا کرتے تھے ص ۱۲۰۔ موصوف صاحب کرامت بزرگ تھے اور اللہ کے یہ ولی سو بھن نامی ایک کھترانی پر عاشق تھے۔ یہ بزرگ بھنگ گھوٹ کر پیا کرتے تھے۔ شرافت صاحب ان کی بھنگ نوشی کا جواز نکالنے کے لئے لکھتے ہیں کہ امام نوویؒ نے اتنی بھنگ کا استعمال جائز قرار دیا ہے جس کے پینے سے نشہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ انھوں نے بہلول جالندھری نام کے ایک مجذوب کا بھنگ کی حدت پر فتویٰ بھی درج کیا ہے ص ۱۲۲۔ اس کے باوجود شرافت صاحب کی تسلی نہ ہوئی تو انھوں نے بھنگ کی حدت کے جواز میں کسی ”صاحب دل“ (یہ محض)

شرافت صاحب کی ہے) کا یہ شعر نقل کیا ہے :

بگلی زردیم سیر انا الحق شد آشکار

مارا باین گیا ہ صنیف این گمان نمود

اس کے بعد شرافت صاحب فرماتے ہیں ”بہر کیف حالت سُکر میں کسی درویش

سے اس کا ارتکاب ہو جاوے تو اس کو ملعون نہیں کیا جاسکتا ص ۱۲۲۔ یہ

ملعون نہ کرنا بھی خوب رہا۔ حالانکہ شریعت مطہرہ سُکر و صحو کو نہیں دیکھتی۔ کیا

یہی وہ تاریخ ہے جس کے بارے میں نعوذ باللہ حضور نبی کریمؐ نے یہ فرمایا تھا کہ

بڑی بُری بُریا لکھی گئی ہے ہ ص ۳۷۶۔

شرافت صاحب پیر محمد نوشاہی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ کا یہ ولی بھنگ

پینے کا عادی تھا اور وہ بھنگ گھوٹتے وقت سیدنا علیؑ اور حضرت غوث اعظمؒ

کی منقبت میں اشعار بھی پڑھا کرتے تھے ص ۱۲۹۔

اسی طرح ایک اور نوشاہی ولی سید کرم الہی لوگوں میں لدھی کے لقب سے

مشہور تھا۔ وہ وہیم کھانے کا بڑا شوقین تھا ص ۱۲۴۹۔ انہی کی طرح ایک اور

نوشاہی درویش سجاول نیر رسول نگری بھنگ، چرس اور افیون کا نشہ کیا کرتا تھا

ص ۱۳۸۱۔ ایک اور نوشاہی متصوف شیخ موتیا نوالہ بھلوالی شراب کا عادی تھا اور

اس ولی اللہ کو شیر سلام کرنے آیا کرتا تھا ص ۱۴۰۱۔ فضل حسین بھلوالی نام کا

ایک نوشاہی، درویش روزانہ ایک ٹولہ افیون کھایا کرتا تھا اور اپنے مریدوں

کو بھی اپنی گرہ سے افیون خرید کر کھلایا کرتا تھا۔ پہلے یہ بزرگ شراب، بھنگ،

چرس، مدھک اور افیون کا نشہ کیا کرتا تھا لیکن آخر عمر میں اس نے روزانہ

ایک ٹولہ افیون پر اکتفا کر لیا تھا ص ۱۴۰۴۔ شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ صاحبزادہ

مظہر حسین نوشاہی چرس، بھنگ، افیون اور مدھک وغیرہ استعمال کیا کرتا تھا ص ۱۴۱۱۔



اس فقرہ میں ”وغیرہ“ کا بھی جواب نہیں ہے۔ ان اشیاء کے استعمال سے نوشا میوں پر سترانا الحق آشکار ہو جاتا ہے اس لئے شرافت صاحب انھیں مطلعون کرنے سے منع کرتے ہیں۔

شرافت صاحب اپنے ایک بزرگ عصمت اللہ حمزہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک مرغ اور گیارہ روٹیاں کھا یا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دودھ بھی بکثرت استعمال کرتا تھا لیکن اس کے باوجود اسے قضاے حاجت کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی ص ۴۹۵۔ شرافت صاحب! اللہ تعالیٰ نے ابیہار کرام کو بھی بول و بار سے میرا نہیں کیا۔ یہ حمزہ صاحب کیسے فرشتوں کی صف میں شامل ہو گئے؟ ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر احمد حسن احمد قلہاری نے پتہ نہیں یہ کیسے لکھ دیا ہے کہ شرافت صاحب نے ان حالات کو جدید تنقیدے تقاضوں کے مطابق لکھ کر موجودہ عائسی دور کے تقاضے بھی پورے کر دیے ہیں۔ ص ۴۹۵ مجھے پتہ نہیں کہ شرافت صاحب نے کونسا سائنسی تقاضا پورا کیا ہے اور ان کی تاریخ جدید تنقید کے کس اصول پر پوری اترتی ہے؟

عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ صوفیاء کے ہاں قلت کلام، قلت مقام اور قلت طعام پر زور دیا جاتا ہے۔ شرافت صاحب نے ایک نیا انصوار وضع کیا ہے۔ موسوف لکھتے ہیں کہ غلام حسن نوشا ہی نامی ایک پیر ایک وقت میں چاریر گھر پوچھتا تھا۔ وہ جب کسی مرید کے ہاں نہاں ہوتا تو آٹھ سیر سے کم حلوہ یا سویاں نہیں کھاتا تھا۔ اسی طرح وہ آٹھ سوپے (ساع) حجم کے آٹے کی روٹیاں چٹ کر باتا تھا ص ۴۹۵۔ ظاہر ہے کہ پیر صاحب کھانے پینے کا یہ شقا اپنے کسی مرید کے ہاں جا کر کرتے ہوں گے۔ اپنے گھر میں ایسا کرتے تو ان کے اہل خانہ فائدہ کرتے۔



ایسا ہی ایک پیر، محمد شفیع نوشا ہی کہا کرتا تھا کہ نفس کو سیر کر کے مارو اور اس خبیث کو سبھر کے مارو۔ ص ۵۵۔ سبحان اللہ! نفس کشی کا یہ کتنا آسان نسخہ ہے جو نوشا ہی فقہ، استعمال کیا کرتے ہیں۔

شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ میاں سلطان ملک ولی نے اپنے مرشد کے کہنے پر رات کا سونا اور دن کا کھانا ترک کر دیا تھا۔ وہ افطار کے وقت ایک مرغ مسلم اور دو سیر دودھ پر اکتفا کیا کرتا تھا اور اس نے اسی قوت لایموت پر اپنی بقیہ عمر گزار دی ص ۱۶۸۔ اللہ ایسی قوت لایموت ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

شرافت صاحب اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علیؑ سے لے کر امام مہدیؑ تک دوازدہ ائمہ کی زیارت کی ہے ص ۴۲۲۔ یہ بڑے پیچھے کی بات ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے انھوں نے کسی کے ساتھ ملاقات نہیں کی، حالانکہ یہی بزرگ مذہب اہل سنت کا سرچشمہ ہیں۔ ائمہ دوازدہ کے علاوہ بھی بہت سے بزرگوں کے خواب میں ان کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے شرافت صاحب کو روٹی، بوٹی اور پراٹھے کھانے کے لئے دیئے ص ۴۲۳۔ مزے ہیں پیری کے۔ انہیں خواب میں بھی روٹیاں، بوٹیاں اور پراٹھے ہی نظر آتے ہیں۔

ایک موقع پر شرافت صاحب نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ حضورؐ نے کریمؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا ”تو بھی انہما بوں کے پیچھے ان کے ساتھ ہوگا“ ص ۴۲۳۔ اس فقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ”انہما بوں کو استعمال فرمائیے۔“ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بہتان ہے کہ انھوں نے ایک جاہل بدعتی کو دسی بہ کی وصف میں شامل کر دیا۔

شرافت صاحب نے ص ۴۲۴ پر اپنے ”یارانِ ذوق“ یعنی مریدوں کی ایک فہرست دی ہے جس میں مقامی مروجی، اوبار، درزی، بڑھئی، رنگریز، جراح اور

حجام شامل ہیں۔ اس سے یہ متہ شیخ ہوتا ہے کہ وسطی پنجاب کے نہ صرف ان پڑھ پیشہ ور ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں۔

شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے بیٹے سعید النظر کو اس کے دادا غلام مصطفیٰ نے بر بنائے الہام کہا تھا کہ وہ غزالی وقت ہوگا ص ۳۳۳۔ افسوس کہ ان کا یہ بہم مجذوب کی بڑ ثابت ہوا۔ سعید النظر محکمہ بجلی میں معمری سے مشاہرہ پر ملازم ہے۔

شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے والد غلام مصطفیٰ کو حضور نبی کریمؐ نے ۱۳۶۱ھ کو خواب میں بیعت کیا تھا ص ۳۳۴۔ اسی بعد تعالیٰ نے یہ الہام خطاب دیئے تھے :

غوثیت مآب، ظل الرحمن، فضل الرحمن، فضل اللہ، خدا کا خزانہ، اسلام، امین، حضوری، رسول اللہ، عین برکات، مصطفیٰ، پدائتر، ہدیٰ لمتقین، مبشر، شیخ الرئیس، شجرة النبی وغیرہ۔

شرافت صاحب اس شیعہ عقیدہ کے حامل ہیں کہ امام جعفرنا غار سرمن رای میں چھپا ہوا ہے۔ ان کا والد غلام مصطفیٰ اسے ملا تھا ص ۳۳۵۔ شرافت صاحب اس بابت کے بھی مدعی ہیں کہ ان کے والد کا بیک وقت کسی جگہ دو چور ہو جاتا تھا ص ۳۳۶۔ یہ کبھی خالصتاً ہندو نظریہ ہے۔ ان کی دیومالا میں یہ رشتہ بتا رہا ہے کہ کرشن جی نے نارد کو بیک وقت سولہ سو نو جگہ موجود دکھا دیا تھا۔ غلام مصطفیٰ نے دنیا کے معروف عشاق میں سے سیف الملوک، رانجھا، مرزا کھل، بدیع الجبال پری، مہینوال، زلیخا، مجنوں، سوہنی اور صاحبان کی بھی زیارت کی تھی ص ۳۳۷۔

شرافت صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے والد کو ۱۱۴۳ھ ہجرات میں بھوکے پیاسے تھے ص ۳۴۱۔ شرافت صاحب ہمیں بتائیں کہ ہم مدنی الہام پر اس قدر غلام احمد قادیانی کو کس دلیل سے جھٹلائیں؟ اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الہام و وحی کا

دروازہ کھول دیا جائے، تو پھر ختم نبوت کا نظریہ ہی داؤ پر لگ جائے۔ شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار ان کے والد کو یہ الہام ہوا کہ وہ اپنے مرید کن عالم نوری کے گھر میں کھانا کھایا کریں ص ۳۹۱۔ پیر صاحب نے الہام کی آڑ لے کر اپنا پیٹ بھرنے کا انتظام کر لیا اور غریب مرید کا کباڑا کر دیا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ جلد ہی اس کی شادی حوران بہشت سے ہوگی ص ۳۹۲۔ ایک دن اسے یہ الہام ہوا کہ اسے آٹھ مربعے اراضی ملے گی ص ۳۹۶۔ (یہ الہام ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا) ایک رعد سے الہام ہوا کہ اے غوثیت مآب مجھے پاکی ملے گی۔ ایک دن اسے یہ وحی ہوئی کہ اسے پانچ چھٹانک دودھ ملے گا۔ ایک دن اسے الہام ہوا کہ وہ شربت پی لے۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ ایک بار ان کے پیٹ میں ددا اٹھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ مٹھی میں کوئی چیز چھپائے کھڑا ہے۔ انھوں نے مٹھی کھولنے کو کہا۔ جب اس نے مٹھی کھولی تو اس میں سے ایک ٹکیہ نکلی، جس پر مرقوم تھا: ”فاکسار پیر منٹ“ ایسے ہی الہام غلام مصطفیٰ کو ہوا کرتے تھے۔ ایک دن خدا نے اسے کہا کہ اس کے بیٹے کو ریاست مل گئی ہے۔ ایک دن اسے یہ الہام ہوا کہ وجوئے گجرات۔ ایک دن اسے یہ الہام ہوا کہ شریف التواریخ جیسی تاریخ نہ کس نے بنائی ہے اور نہ ہی کوئی بنائے گا ص ۳۹۷۔ یہ تاریخ یثنا بھی خوب رہا۔ اگر پیر صاحب کی شریف التواریخ الہامی ہے تو پھر بقول غوثی ص ۱

سخن فہمی عالم بالا معلوم شد

بقول شرافت صاحب ان کے والد غلام مصطفیٰ کی حضرات جبریل و میکائیل سے ملاقات رمتہ تھی ص ۳۰۰۔ میں مجس تحفظ ختم نبوت والوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ مرزا غلام احمد کے ساتھ غلام مصطفیٰ کی بھی خبر لیں۔ شرافت صاحب لکھتے ہیں کہ



فرشتے ان کے والد کے لئے بہشت سے میوے لایا کرتے تھے ص ۳۸۔ حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ ایک بار دورانِ سفر ان کی ملاقات روٹری کے قریب ایک درویش سے ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اسے نماز معاف ہوگئی ہے اور جبرئیل امین اس کے لئے کھانا لے کر آتا ہے۔ مخدوم صاحب نے اس سے کہا ”یہودہ مت بکو۔ وہ تو شیطان ہے جو تجھے بہر کا نے آتا ہے۔ اب وہ آئے تو لا حول و لا قوۃ پڑھنا“ اگلے روز جب وہ ”فرشتہ“ کھانا لے کر آیا تو درویش نے لا حول پڑھی شیطان فوراً غائب ہو گیا اور وہ کھانا نجاست میں تبدیل ہو گیا۔

شرافت صاحب کا دعویٰ ہے کہ جبرئیل و میکائیل کے علاوہ دوسرے ملائکہ جیسے غلام مصطفیٰ سے مصافحہ کرنے آیا کرتے تھے ص ۳۸۔ نبی کریمؐ نے کئی بار اسے برقی، شیرینی، شراب، طہور، حلوہ اور ٹھنا ہوا گوشت کھانے کو دیا تھا ص ۳۸۔ حضرت خضر بھی اس کے لئے طشتریاں بھر کر چاول لایا کرتے تھے۔ ص ۳۹ عجیب بات ہے کہ صیاب نے درختوں کے پتے کھا کھا کر جہاد کیا اور شعب ابی طالب میں محصورین نے سوکھا چمڑہ اور درختوں کی چھال اباں اباں کر دقت کاٹا لیکن خضر ان کے لئے کچھ نہ لائے اور غلام مصطفیٰ کو طشتریاں بھر بھر کر چاول کھلاتے رہے۔

شرافت صاحب رقمطراز ہیں کہ ایک دن رحمۃ اللہ علیہ نے غلام مصطفیٰ سے کہا کہ آپؐ اس کے دشمنوں کے لئے چھریاں گھسار رہے ہیں ص ۳۹۔ شرافت صاحب آپؐ نے تو کبھی دشمنوں کے لئے بھی بددعا نہیں فرمائی اور ہمیشہ یہی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ



انہیں ہدایت فرمائے۔ آپ نے تو اپنے بدترین دشمنوں کو فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا :

لا تثریب علیکم الیوم

تو آپ غلام مصطفیٰ جیسے مدعی الہام کے دشمنوں کے لئے کس طرح چھریاں تیز کر سکتے ہیں ؟

شرافت صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ حضور نبی کریم نے ان کے والد سے کہا تھا کہ شریف التواریخ بڑی بڑھیا لکھی گئی ہے ص ۳۷۶۔ یہ حضورؐ پر ایک صریح بہتان ہے کہ آپ اس جھوٹ اور شرک کے پلندے کی تعریف فرماتے تھے۔

غوثیت مآب غلام مصطفیٰ کے خلفاء میں موچی، لوہار، بافندے، مصلیٰ، فصائی، تیلی، بڑھئی، کھار، درزی، ماچھی، اور میراثی ہی نظر آتے ہیں۔ ان سے اپنے STATUS کا کوئی عقیفہ نہیں ہے۔ اس پر دعویٰ یہ ہے کہ ان کا سلسلہ انٹرنیشنل ہے۔

شرافت صاحب نے میاں رستم علی نوشا ہی نام کے ایک شاعر کی نعت شریف التواریخ میں بطور تبرک درج کی ہے۔ اس کے دو شعر بطور نمونہ پیش خدمت ہیں :

سب بولتے ہیں آپ کو سجدہ روا نہیں  
پر کیا کروں میں یا نبیؐ دل مانتا نہیں  
سچ ہے اگر یہ احمد بے میم کی حدیث  
گر تم خدا نہیں ہو تو پھر بس خدا نہیں

انما لشدوا لہ ما لہم

اس طرح کے گمراہ لوگ، جو اصحاب معرفت ہونے کے مدعی ہیں، ہمیں بد عقیدہ

اور گستاخ سمجھتے ہیں۔ اس طرح کے قابل اعتراض اشعار کو وہ اظہارِ عشق ہی اور  
 تہنہ آخرت سمجھے بیٹھے ہیں۔ شرافت صاحب کے ایک مباح ڈاکٹر احمد حسین احمد قلعہ دار  
 لکھتے ہیں کہ شرافت صاحب نے تحقیق و تجسس سے نئی صورتیں دکھائی ہیں ص ۱۴۱۔  
 اس میں کیا شک ہے کہ انھوں نے عجیب و غریب صورتیں یہیں دکھائی ہیں۔  
 پنجاب کے مشہور رومانی قصے ”مرزا صاحبان“ کے ہیرو مرزا صاحبان کو  
 شرافت صاحب نے سلسلہ نوشاہیہ کے مؤسس حاجی نوشہ کا خلیفہ بتایا ہے  
 ص ۱۱۵۔ یہ خلیفہ صاحب، صاحبان کو اغوا کر کے لے گئے تھے اور پھر تعاقب کرنے  
 والوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ کیا ولیوں کے خسفار اس قماش کے لوگ  
 ہوا کرتے ہیں ؟

میاں غلام حیدر نامی ایک نوشاہی لدھیانہ میں ایک موچی کے ہاں مقیم تھا۔  
 اتفاق سے موچی کے ہاں ایک لڑکی تولد ہوئی۔ میاں صاحب نے اپنی کرامت  
 سے اس کی جنس تبدیل کر دی ص ۱۱۵۔

نوشاہیوں کے ہاں بہت سے ایسے ورد و وظائف مروج ہیں جن کی اصل  
 کتاب و سنت یا آثارِ صہابہ میں نہیں ملتی۔ ان کے ہاں دعائے سریانی اور نادر علی  
 کا ورد کیا جاتا ہے ص ۸۳۔ کاش شرافت صاحب اس کی اس اور تاثیر  
 بھی بتا دیتے

شرافت صاحب نواب عالم نوشاہی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ وہ گالیاں بہت دیا  
 کرتا تھا۔ اس لئے وہ عوام میں گالیوں والے پیر صاحب کے نام سے مشہور تھا  
 ص ۱۵۹۔ غالب پیر صاحب نے قرآن حکیم یا موعود نہیں کیا تھا ورنہ وہ قولوا  
 للناس حسنا پر ضرور عمل کرتے۔ بارے بزرگ تو عوام کو اخلاق کا درس دیا  
 کرتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے، ”میں کوئی پیر

یا ولی اللہ نہیں ہوں۔ میں تو لوگوں کے اخلاق درست کرتا ہوں۔ نوشاہیوں کے ہاں لوگوں کو ماں بہن کی گالی دینا ہی شانِ ولایت سمجھا جاتا ہے۔

شرافت صاحب بدوٹ شاہ نوشاہی اور جلال الدین نوشاہی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو بددعائیں دیا کرتے تھے۔ ان کی بددعا سے لوگوں کے جسم اور دُہریں کیڑے پڑ جاتے تھے اور وہ بھونک بھونک کر مرتے تھے ص ۷۷ یہ باتیں بھی شرافت صاحب کے ہاں ادیبِ اللہ کے مناقب میں شمار ہوتی ہیں۔

شریف التواریخ کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہر نوشاہی پیر بے اولادوں کو اولاد دیا کرتا تھا اور ان کا ہر ولی بددعائیں ضرور دیا کرتا تھا۔ ان کی بددعاؤں کا ہدف عموماً وہ لوگ ہوا کرتے تھے جو انہیں کھانے پینے کو نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص انہیں کھانے کو نہ دیتا تو وہ اس کا فیض بھی سلب کر لیتے تھے۔ ص ۱۹۸۔

(باقی آئندہ)

چو تھی صدی بحری کا شہرہ آفاق شاعر

## ابوالطیب التتبی

(از سعد انور علوی)

(۳)

۳۲۲ء سے ۳۲۷ء تک وہ امیر حمص کی قید میں مصائب و آلام  
قید امیر حمص جھیتا رہا اور امیر کو حالت زار پر متوجہ کرتا اور رحم کی اپیل کرتا رہا۔  
 دیکھئے وہ کہتا ہے:

وفی جود کفیاک ماجدات (۱) بنفسی ولو کنت اشقی شہود  
 تیری بخششوں میں میری ذات کو عطا کرنا اور آزاد کرنا ہے اگرچہ میں قوم ثور کا  
 بد بخت ترین انسان ہی کیوں نہ ہوں۔

امیر حمص کو اس کی حالت زار پر رحم آگیا اور غلامدین سلطنت کے مشورہ کے بعد  
 اس کو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد وہ حلب روانہ ہو گیا۔ جیل میں قید و بند کی تکالیف نے  
 اس کی کمر توڑ دی تھی۔ اب وہ ایک ناامیدی و مایوسی کے عالم ہیں سرگرداں و پریشان تھا  
 نہ دماغ میں کوئی ترنگ نہ دل میں کوئی انگ۔

بہ اندازہ موصیٰ قنبرین سے گذرتے ہوئے شیعہ

کہے ہوئے شعر سے لگائے:

اجارک یا اشد الف باس کیم فتک نفس ام مہمان فسم



وَدَلَّی وَقَدْ اَمَّی عَدَاۃَ کَثِیْرَةٍ اَحَادِرُ مِنْ یَعْنِ وَمِنْ مَعْنِیْہُمْ  
 اے مقام فراریس کے شیرو! کیا تمہارا پروسی عزت دار ہے تاکہ میرا دل مطمئن  
 ہو جائے یا وہ ذلیل اور دشمنوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ میرے آگے اور  
 پیچھے بہت سارے دشمن ہیں، مجھے چھ روں کا ڈر، تیرا ڈر اور دشمنوں  
 کا خوف ہے۔

ایک دوسرے شعر میں نفسی کوائف کا بیان ہے :

اَظْهَرَنِ الدَّیْنِیَا فَمَا جَسْتَهَا مَسْتَقِیًّا مَطَرَتْ عَلٰی مَصَابِیْہَا

دنیا نے مجھ کو پیاسا کر دیا۔ جب میں اس کے پاس پیاس بجھانے آیا

تو اس نے مجھ پر مصائب و آلام کی بارش کر دی

متنبی گھومتا پھر تا طلب پہنچا مگر طلب ان دنوں دو ماؤں کے پیچھے مرغی حرام کے  
 مسداق بنا ہوا تھا۔ یعنی حکومت علی سید و اخشییدیہ کے درمیان مابہ النزاع تھا  
 چنانچہ وہ وہاں سے ہوتا ہوا نکلا کیہ پہنچا اور امرار و دزار کی مدح سر لائی کر کے  
 روزی کمانے لگا۔ اس کے مدد و حین میں ابو عبد اللہ بن عبد الغنی، ابو الفضل احمد  
 بن عبد اللہ، سفیث بن علی۔

سفیث بن علی کی شان میں زوردار قصیدہ کہا :

ذَمُّعُ جَرِّی فَتَقْنٰی فِی الْبَعِ مَا وَجَا لَاہِبٌ وَشَقِیُّ الْاِیِّ وَلَا کَرِیَا

فسرت غوث لا الوی علی احد اَحْتُرُّ اَحْلٰی الْفَقْرِ وَالْاَدْبَا

میرے آنسو میرے محبوب کو دیکھ کر بہے اور انھوں نے اس کا حق ادا کر دیا

اسے حاصل ہوئی حالانکہ جدائی تجویز ہے۔

پس اے مدد و حین میں بھاری جانب روانہ نہ کیجئے۔ اس طرح کہ...

کسی شخص کی جانب متوجہ نہ ہوتا تھا اور میں فقر و ادب کی سوانحی پر سوار  
تھی یعنی میں تنگ دست و صاحبِ کمال تھا۔

متنبی نے اپنی عمر کا تقریباً نصف حصہ اسی طرح صحرا نوردی اور بے نوائی میں  
گزارا وہ شاعری کو کسبِ معاش کی بھینٹ چڑھاتا رہا۔ اسی وجہ سے ۲۵ سال کی عمر تک  
وہ اپنی شاعری میں کوئی قابل ذکر انقلاب نہ لاسکا۔ وہ تمام عرصہ میں ابوتام و بھٹی کی  
کچھ حد تک تقلید کرتا رہا، اس کا نام زور بیان تمام تراہل زمانہ کی شکایات و مذمتوں  
پر صرف ہوتا رہا، وہ یا تو معائب کا تذکرہ ورنہ امرار و اغیار کی بے جا تعریفیں  
کرتا رہا۔ اسے اپنی طبیعت کے خداتِ تکلف و تصنع سے کام لینا پڑا۔ اسی وجہ سے  
اس دور کی شاعری میں بعض جگہ غیر مانوس الفاظ، بے جا تکرار و خشک تراکیب و غیر  
جیسے قابل، غمراہ، عیوب پیدا ہو گئے۔

اسی وجہ سے امیر حمص کی قید سے رہائی سے لے کر انطاکیہ کے قیام تک وہ  
اپنی شاعری میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہ لاسکا جسے شاعری اور ادبی بصیرت کا عمدہ  
شامکار کہا جاسکتا۔

ابو علی ہارون کی معیت میں | آخر کار قدرت کو اس پر رحم آگیا اور اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ  
یُسْرًا کے مصداق وہ جنوبی تمام جاتے ہوئے  
ابو علی ہارون سے ملا جس نے بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ متنبی نے دن کھول کر اس کی  
تعریف کی۔ ایک طویل قسیدہ جو ۵۴ اشعار پر مبنی اور ہر طرح کے سنائیہ معنویہ و  
لفظیہ سے مزین اور حسنِ ادا، حسنِ تخیل اور خوبیِ معانی سے آراستہ و پیراستہ  
تھا، اس کی شان میں کہا جس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب اس کی شاعرانہ  
کارنگ بدل گیا کلام میں پھر وہ زور بیان پیدا ہو گیا جو تیرے دہائیہ و  
آلام کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔

أَمِنْ أَمَّا دِيَارُكَ فِي الدَّجَى الرُّقْبَةِ      اذْ حَيْثُ كُنْتُ مِنْ انْظِلَامِ ضِيَاءِ  
قَلَقِ الْمَلِيحَةِ وَهِيَ مَسْكٌ هَتَكِبَا      وَمَسِيرَهَا فِي اللَّيْلِ وَهِيَ ذُكَا

انا صغرة الوادی انا ما نا وحت      واذا بطقت فنانی الجونا اء  
واذا خفيت على الغبی فعاذنا      ان لا ترانی مُقلتہ عیباء  
تیرے رقیب اے محبوبہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ تو مجھ سے  
تاریکی شب میں ملاقات کرے، اس لئے کہ تو جہاں کہیں ہوگی تیرے حسن و جمال  
کی وجہ سے روشفا ہو جائے گی۔ محبوبہ کی حرکت (چلنا) اس حال میں کہ وہ مشک  
ہے اس کا پردہ فاش کرتی ہے اور رات میں اس کا چلنا اس حال میں کہ وہ سورج  
ہے اس کا راز فاش کرتا ہے۔

اے مدوح! میں وادی کا سخت تنہا ہوں جب اس سے مزاحمت کی جائے  
اور جب میں گفتگو کروں تو جو زار رہے۔      نہ قدر و منزلت میں عظیم الشان  
ہوں۔ جب میری قدر و منزلت کندہ ذہن جاں پر پوشیدہ رہے تو میں معذور  
سمجھتا ہوں کہ نابینا مجھے نہ دیکھے۔

بدین عمار کی تہرا ہی میں      واپس عرصہ ابعلی ہارون کے پاس رہا اور بعد میں  
۳۲۱ھ میں بدین عمار کے دربار میں جا پہنچا۔  
وہیں اس کو زندگی کا صحیح معنوں میں چین نصیب ہوا، اور اس کی امیدوں کی  
کلیاں کھیں۔ مقبلی اس آرام و آسائش کو پا کر پھول نہ سما یا۔ بدین عمار کی  
تعریف و اہمانہ انداز میں کر رہا ہے جو تہذیب و تشبیب سے عاری ہے۔

أَحْلَا نَزَى أَمْ نَمَا نَا جَدِيًّا      اَمْ التَّخْلُقُ فِي شَخْصٍ خِيَّ أَعْبَدَا  
ہا اینا ببدی و ابنا شہر      لبدي و لودا و بیدا و لیلدا

کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں یا زمانہ ہی نیا آگیا ہے کہ تمام مخلوق کی خوبیاں ایک زندہ شخص (بدر بن عمار) میں جمع کر دی گئی ہیں۔ ہم بدر بن عمار اور اس کے آبا و اجداد کی وجہ سے ایسے چاند دیکھتے ہیں جو والد بھی ہے اور مولود بھی یعنی ایسے چاند دیکھتے ہیں جو چاند پیدا کرتے ہیں۔

متنبی نے مختلف تصانیف میں بدر بن عمار کی جی کھول کر تعریف کی ہے بلکہ بعض جگہ تو بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ ممدوح جن صفات حسنہ کا حامل ہے ان کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا ہے بلکہ بعض جگہ تو مدح میں اتنا غلو ہے کہ جس کا سہارا لیکر ایک طبقہ نے اس پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا۔

لو کان علمک بالانوارِ مَقْسَمًا      فی الناس ما بعث الا لہم رسولاً  
لو کان لفظک فیہم ما انزل      الفرقان والتوراة والانجیل  
اگر تیری خدا شناسی لوگوں میں تقسیم ہو جاتی تو خدا کسی رسول کو نہ بھیجتا  
اور اگر تیرا کلام لوگوں میں پایا جاتا تو معاذ اللہ خدا تعالیٰ قرآن،  
توریت اور انجیل کو نہ نازل فرماتا۔

اس کی اس ذہانت اور شعری صدا حیت نے اس کے ممدوح کو اس کا گرویدہ کر دیا۔ مصاحبین و حاشیہ نشین بھلا اس کو کب گوارا کر سکتے تھے، انہوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ جب اسے پتہ چلا تو بہت دکھ ہوا اور سمجھ گیا کہ اب وہ مزید وہاں نہ ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ دلی رنج و الم کا اظہار ایک قصیدہ میں کرتا ہے :

كَانَ الْعَزَنُ مَشْفُوفٌ بِقَلْبِي      فَسَاعَةً هَجَرَهَا يَجِدُ الْوَسَالَ  
علی قلع کان مشغوف بقلبی      اوجھٹھا جنوباً او شمالاً



گویا حزن و ملال میرے دل پر عاشق ہے محبوبہ کی جدائی کے وقت اس کا  
دل سے وصال ہوتا ہے یعنی محبوبہ کے فراق میں میرا دل ہمیشہ رنجیدہ  
و غم زدہ رہتا ہے۔

میں اضطراب و بے چینی میں کہیں نہیں ٹھہرتا ہوں گویا میں ہوا کی پیٹھ  
پر سوار ہوں کہ کبھی اسے شمال کی طرف اور کبھی جنوب کی طرف چلاتا  
رہتا ہوں

لیکن مزید برآں بدر بن عمار شام کے کچھ مقتوحہ ساحلی علاقوں پر تسلط جانے لگا۔  
تو متنبی کسی وجہ سے نہ جا سکا جس پر حاسدین نے بادشاہ کے کان بھرے تروغ  
کئے۔ متنبی نے اس قصیدہ کے ذریعہ معذرت خواہی کی۔

فَضْلُ الْفَوَادِ لَمَّا انْتَبَتِ مِنَ النَّوَى      وَلَمَّا تَرَكْتَ حَنَانَهُ انْ تَفْطِنَا  
میرا دل اس غلطی کو جو آپ سے سفر میں الگ رہ کر کی ہے خوب سمجھ گیا ہے اور  
ساتھ نہ جا کر جس خدمت کو چھوڑ دیا ہے اس ڈر سے کہ آپ سمجھ جائیں گے اس  
سے بھی غافل نہیں ہوں۔

عذر خواہی سے بدر کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے مگر وائے قسمت ایک  
دن برسر دربار مغل نے نوشی منعقد تھی۔ وہاں شراب سے طبعاً نفرت کرتا تھا مگر  
جب بہت اصرار ہوا اور بادشاہ نے بھی کہا تو حکمِ عالم مرگِ مفاجات کے معذرت  
پی لی لیکن جب دوسرے دن پھر وہی ہوا تو اس نے سختی سے انکار کر دیا اور  
آداب شاہی اور ایوانِ مملکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا:

وَجَدْتُ اَمْلَامَةً غَلَابَةً      تَتَّبِعُ لِلْقَلْبِ اَشْوَابَةً  
تَسْبِيءٌ مِنَ الْمَرْعَاتِ دَابِيَةٍ      وَلَكِنْ يَحْسُنُ اخْلَاقَهُ  
وَالنَّفْسُ مَا لَفَتِي نُبَّةً      وَذَوَالِذِ يَكْرَهُ الْفَاقَةَ

وقد مُتَّ أَمْسِي بِمَا مَوْنَةٌ وَلَا يَشْتَهِي الْمَوْتَ مِنْ ذَاقَةٍ

میر نے شراب کو عقل پر غالب ہونے والی چیز پایا وہ دل کے شوقوں کے لئے ہیجان پیدا کرتی ہے یعنی شہوات نفسانی کو ابھارتی ہے وہ انسان کی تہذیب کو بگاڑتی ہے لیکن سخاوت و شجاعت جیسے اخلاق کو بہتر بنادیتی ہے۔ فوجوان کی تمام چیزوں میں نفیس ترین چیز اس کی عقل ہے۔ عقلمند اس کو ضائع کرنا دکھو دینا برا سمجھتا ہے۔ میں کل اس کی وجہ سے مرچکا ہوں اور جو شخص موت کا مزہ چکھ لے وہ پھر اس کا خواہشمند نہیں ہوتا۔

بدر بن عمار اس کی گستاخی و جسارت پر سخت برہم ہوا، چنانچہ متنبی چند روز بعد ۳۲۸ھ میں شام کے علاقوں کی طرف نکل پڑا۔ آل اسحق التوفی، شجاع الطائی اور دیگر تقریباً ۲۵ لڑکوں کی تعریفیں کیں۔ اسی دوران سیف الدولہ نے حملہ کر کے اس کے سابق ممدوح بدر بن عمار کو قتل کر دیا اور تقریباً پورے ملک شام پر تسلط قائم کر لیا، اس کے معا بعد ہی اس کے والد کا فوراً لاخشییدی کے درمیان خون ریز عمار بے شروع ہو گئے۔ ادھر متنبی رملہ، طرابلس اور دمشق وغیرہ کے اراکے یہاں قسمت آزمائی کرتا رہا نیز سیاسی حالات کا دیدہ ریزی سے جائزہ لیتا رہا جب اس کو یقین ہو گیا کہ ابوالعشائر (سیف الدولہ کے چچا زاد بھائی) کے قدم انطاکیہ میں جم چکے ہیں تو وہ ابوالعشائر کے پاس جا پہنچا اور

ابوالعشائر کے دربار میں | پہلا قصیدہ

اتراھا لکثرة العشائر  
تحمب الد مع خنقة فی المآقی

سنو کیا محبوبہ کو تم اس حال میں دیکھتے ہو کہ وہ اپنے عشاق کی کثرت کی وجہ سے یہ خیال کرتی ہے کہ آنسو گوشہ ہائے آنکھ کی مخلوق ہیں۔

اس نے ابوالعشار کی شان میں کئی قصائد لکھے۔ چند کے نمونے درج ہیں۔ ان قصائد کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی وہی جذبہ کار فرما ہے وہی جوش و خروش اور ولولہ موجود ہے جو بدر بن عمار و ابراہیم التوفی کی شان میں مدحیہ قصائد میں ہے :

مالی لا امدح الحسین ولا

ابذل مثل الود الذی بذله

مجھے کیا ہو گیا ہے کہ ابوالحسن العشار کی تعریف نہیں کرتا اور نہ اس سے ویسی محبت کا برتاؤ کرتا ہوں جیسی اس نے مجھ سے کی۔ ایک جگہ کہتا ہے :

لا م اناس ابا العشار فی

جو دیدار یہ بامین والو ساق

لوگوں نے ابوالعشار کو اس بات پر ملامت کی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے سونا چاندی کیے۔

باقی آئندہ

# فرعون۔ تاریخ و تحقیق کی روشنی میں

مولانا ابوالکلام قاسمی شمس، استاذ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

لفظ فرعون کی لغوی تحقیق | فرعون۔ اصل میں یہ لفظ فارا + ادہ تھا۔ مصری زبان میں فارا کے معنی محل اور ادہ کے معنی اونچا بڑا تھا۔ فارا ادہ محل کبیر عالی۔ اس سے مراد شاہ مصر کی ذات ہوتی تھی۔ جیسے خلافت عثمانی کے زمانہ میں باب عالی سے مراد خلیفہ کی ذات ہوتی تھی۔

لفظ فرعون کی اصل کے بارے میں ایک تصور یہ ہے کہ شاہی محل اور اس کے انتظامات کے لئے مصر قدیم کی ایک اصطلاح فرعو (FR-0) بھی ہے جس کے معنی ہیں بڑا گھر اور اس لفظ نے بعد میں خود اس بڑے گھر اور اس محل کے مکین یعنی بادشاہ کے لئے PHARAOH کے لقب کی شکل اختیار کر لی۔ اس قسم کی ایک مثال ترکی لفظ باب عالی (SUBLIME PORTE) میں ملتی ہے جو پہلے صرف خلیفہ وقت کے محل اور اس کے انتظام و انصرام کے لئے استعمال ہوتا تھا، اور بعد ازاں

۱۔ لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۷۔



خود خلیفہ اور بارگاہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔

بعض لوگوں کے نزدیک فرعون کا لفظ فرو + اون سے مرکب ہے۔ قدیم مصری زبان میں آن یا اون کے لفظ کے معنی ہیں روشنی، سورج دیوتا کی پوجا کے لئے مرکز ہیلوپولس (Heliopolis) کو بھی اون کہتے ہیں۔ اس شہر کی نسبت سے بادشاہ حک اون (حکمران اون) کہلاتا تھا۔ اسی پنج پر فرو اون یعنی فرعون بنا۔

فرعون کے لغوی معنی سورج کی اولاد ہیں۔

قدیم اہل مصر سورج کو جوان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، رع کہتے تھے۔ اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حیثیت کے لئے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ رع کا جہان منظر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو۔ اسی لئے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا تھا اور ہر فرمان روا جو تخت نشین ہوتا فرعون کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب یا مہادیو میں ہوں۔

ابن سیدہ کا خیال ہے کہ فرعون لفظ انجی ہے اور اسم علم اور عجبہ ہونے کے باعث غیر منصرف ہے۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیہ مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ۷۹۳ دی چیوش انسائیکلو پیڈیا ۹ : ۶۶

منقول از ادارہ علوم اسلامیہ جلد ۱۵۔

۲۔ دی چیوش انسائیکلو پیڈیا ۹ : ۶۶ منقول ادارہ علوم اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۷۳

۳۔ تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۴۔

۴۔ تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۴۔

۵۔ لسان العرب جلد ۱۷-۱۸ صفحہ ۲۔

قبلی زبان میں لفظ فرعون بمعنی مگرچہ استعمال ہوتا ہے۔<sup>۱</sup>  
 فرعون تفرعن سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے تفرعن الرجال ادا تجبرو  
 عتائے

ابن منظور نے لسان العرب میں اور الجوهری نے الصحاح میں بذل مادہ  
 فرعن لفظ فرعون درج کیا ہے۔<sup>۲</sup>

فرعون لقب تھا فرعون زمانہ قدیم میں ملوک مصر بالخصوص عمالقہ کے بادشاہوں  
 کا لقب، جس طرح ترکوں کے بادشاہوں کا لقب خاقان تھا  
 اور یمن کے بادشاہ تبع، حبشہ کے بادشاہ نجاشی، روم کے بادشاہ قیصر اور ایران کے  
 بادشاہ کسری کہلاتے تھے اسی طرح مصر کے بادشاہ فرعون تھے۔<sup>۳</sup>

فرعون یہ کس متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں۔ قدیم شاہان مصر کا عام لقب  
 تھا جیسے ہمارے زمانے میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار  
 کو زار اور ترکی کے فرماں روا کو سلطان کہتے تھے یا آج کل بھی والی مصر کو خدیو  
 اور والی دکن کو نظام کہتے ہیں۔<sup>۴</sup>

فرعون عمالقہ کے بادشاہ کا لقب تھا جیسا کہ نارس اور روم کے بادشاہوں  
 کا کسری اور قیصر لقب تھا۔<sup>۵</sup>

۱۔ لسان العرب جلد ۱۷-۱۸ بذل مادہ فرعن صفت ۲ و اقرب الموار و صف ۹۱۹

۲۔ روح المعانی صف ۲۵۳۔

۳۔ ادارہ علوم اسلامیہ جلد ۱۵ صف ۲۷۳

۴۔ انکشاف ج ۱ صف ۱۳۷ تفسیر المرائی صف ۱۰۹

۵۔ تفسیر ماعدی صف ۳۱ ۱۷ تفسیر بیضاوی صف ۷۹

جو مصر کے بادشاہ ہوتے تھے انہیں فرعون کہتے تھے۔

فرعون عالقہ کے بادشاہوں کا لقب — جس طرح فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ اور روم کے بادشاہ کا لقب قیصر اور ترکوں کے بادشاہ کا لقب خاقان، یمن کے بادشاہ کا تبع اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاش تھا۔

فرعون کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ بادشاہ مصر کا نام تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ عالقہ مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا (علیق بن دغنه بن ادم بن سام بن نوح کی اولاد کو عالقہ کہا جاتا ہے)۔

فرعون مصر کے تمام بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔

فرعون ولید بن مصعب ملک مصر کا لقب تھا۔

جن مستشرقین یورپ کی نظر وسیع ہے انہوں نے بھی (Pharaoh)

(۵-۴۵۲) کو مصری بادشاہوں کے لقب کی عبرانی شکل قرار دیا ہے۔

لفظ فرعون کا استعمال | سب سے پہلی دفعہ مصر قدیم کے چوتھے خاندان کے یہاں فرعون کا لفظ محل شاہی کے لئے نظر آتا ہے اور بارہویں خاندان تک اس کا استعمال اسی معنی میں ہوتا رہا۔ سوہویں خاندان

۱۔ تفسیر خازن

۲۔ روح المعانی صفحہ ۲۵۳

۳۔ تفسیر فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ الشوکانی فی فتح القدر جلد ۱ صفحہ ۶۸۰۔

۴۔ اقرب الموارد صفحہ ۹۱۹۔

۵۔ لسان العرب جلد ۱۷-۱۸ صفحہ ۲۰۰۔

۶۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیہ جلد ۲۱ صفحہ ۷۰۷۔







فراعنہ مصر کے اس سلسلے میں ایک فرعون امیسس دوم تھا جس کا عہد حکومت ۵۷۰ تا ۵۲۵ ق م ہے۔ اپنے چوالیس سالہ دور حکومت کے آغاز میں اس نے شاہ ایران نورس (= کرش) کے دشمنوں سے ساز باز شروع کر دی تھی اور بنو کہ لفر سے رشتہ دوستی استوار کیا اور آخر یہی ساز باز فراعنہ مصر کے سلسلہ میں ہمیشہ کے لئے بربادی کا باعث بن گئی۔ اس فرعون کی وفات کے چند ہی ماہ بعد ۵۲۵ ق م میں تیکباد کی قیادت میں ایرانیوں نے امیسس (Amasis) کے بیٹے Psammaticus کو تخت سے اتار کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ داریوش (۵۲۱-۴۸۶ ق م) بھی گیا تھا۔ اس ایرانی عہد کے زیادہ کچھ نہیں ملتے۔ تاہم ۴۰۵ ق م میں ایک سنبھالے کی طرح فراعنہ مصر بھر ملک پر قابض ہو گئے، اور فرعون امیسس نے داریوش دوم کے خلاف لڑ کر ایرانیوں کو مصر سے نکال دیا اور انتیسویں خاندان کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس خاندان کا دور بہت ہی مختصر تھا۔ اس کے بعد فراعنہ مصر کا تیسواں اور آخری فرعون نخشب (Nekhtaneb) تھا جسے یونانیوں نے شکست دی، یہ فرعون وہاں سے بھاگ کر مصر واپس آیا اور وہاں سے تقریباً ۲۴۱ ق م میں حبشہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر فراعنہ مصر کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوتا ہے۔

**بائبل میں لفظ فرعون کا استعمال** | بائبل میں مصر قدیم کے گیارہ بادشاہوں کا ذکر ہے۔ فرعون ابراہیم، فرعون یوسف، فرعون موسیٰ وغیرہ (مثلاً دیکھئے پیدائش ۱۲: ۱۳ تا ۲، ۳۹، خرچ باب اول دوم وغیرہ ملوک ۱۳: ۹) اور سب کے لئے فرعون ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔









کے محل میں حضرت موسیٰ نے پرورش پائی وہ رمسیس ثانی تھا اور جس فرعون کا حضرت موسیٰ سے مقابلہ ہوا وہ منفتاح ہے۔<sup>۱۵</sup>

بقول اہل کتاب حضرت موسیٰ کے عہد کے فرعون کا نام قابوس تھا مگر بقول وہب اس کا نام الولید بن مصعب بن الیمان تھا، اس نے چار سو برس کی زندگی پائی اور حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس برس۔<sup>۱۶</sup>

فرعون موسیٰ کا نام الولید بن مصعب تھا۔<sup>۱۷</sup>

لقب ولید بن مصعب کا جس نے مصر کی بادشاہت کے دماغ میں دعویٰ خدائی کیا۔<sup>۱۸</sup>

فرعون ولید بن مصعب ملک مصر کا لقب تھا۔<sup>۱۹</sup>

حضرت یوسف کے زمانہ میں فرعون کا نام اپوفس تھا، حضرت موسیٰ کو جس فرعون نے پرورش کیا تھا اس کا نام رمسیس دوم یا رمسیس تھا۔ یونانی اس کو سوتریس کہتے تھے اور عبرانی فرعون التسخیر، رمسیس کے بیٹے منفتاح کے زمانہ میں حضرت موسیٰ کی بعثت ہوئی، اسی سے مقابلہ ہوا اور یہی ۲۹۱ سال قبل مسیح میں غرق ہوا۔<sup>۲۰</sup>

<sup>۱۵</sup> ڈی جیوش انسائیکلو پیڈیا ۵ : ۱۵۷ ، ۲۹۵ خروج ۲ : ۲۳ ، ۵ : ۱۰ انسائیکلو پیڈیا بریش

<sup>۱۶</sup> ۹۶۵ ہذیل Ramses (۱) انسائیکلو پیڈیا امریکن ۲۲ : ۷۰۷۔

<sup>۱۷</sup> تفسیر فتح ابیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ فتح القدر الشوکالی جلد ۱ صفحہ ۶۸۔

<sup>۱۸</sup> الصحاح للجوهری۔

<sup>۱۹</sup> جامع اللغات ج ۲ صفحہ ۲۲۸۔

<sup>۲۰</sup> لسان العرب جلد ۱۷-۱۸ صفحہ ۴۲۔

<sup>۲۱</sup> لغات القرآن جلد ۵ صفحہ ۴۷۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف کے عہد سے پہلے فرعون کے نام میں اختلاف ہے  
ایک روایت یہ ہے کہ اس کا نام اریان تھا اور دوسرے فرعون کا نام قابوس  
(Apophus) دوم تھا اور ان کا تعلق اسی خاندان کے ساتھ تھا۔  
فرعون موسیٰ مصعب بن اریان تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا بیٹا  
ولید تھا جو عاد کی اولاد میں سے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کا نام مصعب بن اریان تھا اور ابن اسحاق نے کہا کہ اس  
کا نام ولید بن مصعب تھا۔  
موجودہ زمانے کے محققین جنہوں نے بائبل اور مصری تاریخ کا تقابلی کیا  
ہے عام رائے یہ رکھتے ہیں کہ چرواہے بادشاہوں میں سے جس فرمانروا کا  
نام مصری تاریخ میں اپوفس (APOPHIS) ہے وہی حضرت یوسف کا  
ہم عصر تھا۔

(بانی: محمد)

۱۔ دی انسائیکلو پیڈیا امریکن ۲۲: ۷۰۷۔

۲۔ تفسیر بیضاوی صف ۳۶۔

۳۔ تفسیر الجواب الہامی للثعالی صف ۷۔

۴۔ تفسیر القرآن جلد ۲ صف ۳۸۲۔

# تبصرہ

## غالب کے خطوط

تبصرہ نگار : ایم حبیب خاں ناشر : غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

اشاعت : ۱۹۸۳ء قیمت : ۷۵ روپے

خط لکھنا ایک فن ہے، یہ بھی زندگی کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ مکتوب نگار بہت سی ایسی باتیں خطوں میں لکھ جاتا ہے جو اس کی شخصیت اور اس کی زندگی کا رخ موڑنے میں معاون ہوتے ہیں۔ مرزا غالب بڑے خوش قسمت ہیں کہ ان کے خطوط کے مختلف مجموعے مختلف اہل قلم نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے مرتب کر کے پیش کئے۔ مرزا محمد عسکری نے ادبی خطوط غالب ۱۹۲۹ء میں مرتب کر کے نظامی پریس لکھنؤ سے شائع کیا۔ مولانا امتیاز الحق نے غشی نے ریاست رام پور سے متعلق ایک مجموعہ مرتب کیا جو مطبع قیام بمبئی سے ۱۹۳۷ء میں چھپا۔ مرحوم نے بڑی عرق ریزی اور دل سوزی سے یہ مجموعہ نہایت سائنٹفک انداز میں مرتب کر کے غالب پرستوں کو نئی راہ دکھائی۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ غالب کے خطوط پہلی بار تاریخ وار ترتیب دئے گئے لیکن یہ مجموعہ صرف رام پور کے خطوط تک محدود ہے۔ مولوی مہیش پرشاد نے پہلی بار غالب کے کچھ خطوط (جلد اول) جو عود ہندی اور اردو سے متعلق ہیں چھپے تھے ان کو تاریخ وار مرتب کر کے ۱۹۴۱ء میں ہندوستانی اکادمی، آباد شائع کیا۔ آفاق حسین آفاق میرن صاحب کے نواسے ہیں اور میرن صاحب غالب کے دوست اور قدر شناس

تھے، غالب بھی ان کو بڑا عزیز رکھتے تھے۔ آفاق صاحب کو غالب کے لکھے ہوئے کچھ خطوں کا ایک پلندہ مل گیا۔ یہ سب خطوط منشی بنی بخش حقیر کے نام ہیں۔ غالب حقیر کی سخن نہیں اور سخن سنجی کے بہت قائل تھے اور ان سے ذاتی طور پر جو تعلق خاطر تھا وہ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تمام خطوط آفاق صاحب نے "نادرات غالب" کے نام سے مرتب کر کے ۱۹۴۹ء میں کراچی سے شائع کر دئے۔ یہ مجموعہ کئی اعتبار سے اہم ہے اور غالب کے کئی نئے موڑ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان مجموعوں کے بعد غلام رسول قہر نے دو جلدوں میں غالب کے خطوط مرتب کئے جو ۱۹۵۱ء میں لاہور سے شائع ہوئے۔ ان کے سامنے مرزا عسکری، مولانا عرشی، مولوی مہیش پرشاد اور آفاق کے مجموعے نمونے کے لیے پہلے سے موجود تھے لیکن اس مجموعے میں وہ بات پیدا نہ ہوئی جس کے ہر صاحب حقدار تھے۔ مآخذ کے حوالے نہ ہونے سے اور متنی تنقید کے اصول کی پابندی نہ ہونے کے علاوہ غلطیوں کی طرف جو بے توجہی برتی گئی اس نے اس مجموعے کی قدر و قیمت کم کر دی۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کے مشورے سے انجمن ترقی اردو ہند نے مولوی مہیش پرشاد کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب کا کام مالک رام صاحب کے سپرد کیا۔ مالک رام صاحب نے اس ایڈیشن میں منشی بنی بخش حقیر اور ان کے لڑکے عبداللطیف کے نام جو خطوط تھے ان کا اضافہ کر کے یہ مجموعہ ترتیب دیا جو ان کے یورپ جانے کے بعد انجمن سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

اب ان تمام مجموعوں کے بعد عرصے سے ایک ایسے مجموعے کی ضرورت تھی جو غالب کے شایان شان ہو اور متنی تنقید کے طریقہ کار کے تحت مرتب کیا جائے۔ یہ کمی ڈاکٹر خلیق انجم نے پوری کر دی اور چار جلدوں میں غالب کے



خطوط مرتب کئے ہیں جن میں زیر تبصرہ پہلی جلد ابھی شائع ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ متنی تنقید کا طریقہ کار غالب کے خطوط میں تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ انجم صاحب نے بھی بار غالب کی اردو املا کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ان کی املا کا تفصیل۔ کا جائزہ لیا ہے اور بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ غالب کے خطوط میں جانا انگریزی الفاظ بھی ملتے ہیں۔ انجم صاحب نے ان خطوط میں اردو انگریزی الفاظ کا فرق اور بعض کے ترجمے بھی پیش کئے ہیں۔

زیر نظر تنقیدی ادیشن میں غالب کے خطوط کے پہلے ادیشن میں غالب کے خطوط کے پہلے ادیشن اور ان کے ری پرنٹ جہاں جہاں ملے ان سے مقابلہ کر کے ان کے اختلافات کی وضاحت کی ہے اور ہر خط کے متن کی نشان دہی کی ہے۔ جتنے اہم مجموعے اس ادیشن سے پہلے مرتب ہوئے ہیں ان کے متن کے اختلاف نسخ بھی پیش کئے ہیں اس پہلی جلد میں تفتہ اور علانی کی تصویریں شامل کی گئی ہیں اور مکتوب البہم کے منقر حالات پیش کیے گئے ہیں۔ اس ادیشن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ غالب کے جن خطوں میں واقعات، مقامات، افراد، کتابوں اور رسائل کا ذکر ہے ان پر مرتب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ان پر تفصیلی حواشی لکھے ہیں۔

نانک رام صاحب کے مرتب کردہ خطوط غالب (جلد اول) میں اردو خطوط کی مجموعی تعداد ۵۶۸ ہے۔ یہ تعداد مولوی مہیش پرشاد ادیشن (جلد اول) کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہے لیکن انجم صاحب کے مرتب کردہ مجموعے میں اردو خطوط کی مجموعی تعداد ۸۷۳ ہے جو غالب کے تمام مجموعوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ انجم صاحب نے غالب کے خطوط کی تحقیق اور تلاش میں اضافہ کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا ہے اور کہاں کہاں سے یہ خطوط جمع کر کے اپنے مجموعے کو وضع

بنایا ہے مگر اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ زیر نظر مجموعے میں تفتہ کے نام ۱۲، نواب کلب علی خاں کے نام ۷۶، منشی نبی بخش حقیر کے نام ۷۱ اور نواب غلام الدین خاں علانی کے نام ۷۵ خطوط ہیں۔ انجم صاحب نے پہلی جلد میں تفتہ نادر علانی کے خطوط شامل کیے ہیں۔ اگر اس جلد میں دو کو شامل کرنا تھا تو تفتہ کے بعد نواب کلب علی خاں کو (خطوط کی تعداد کے اعتبار سے) شامل کرنا چاہئے تھا۔ علانی تو حقیر کے بعد آتے ہیں۔

غالب کی تصویر جو ڈاکٹر صاحب (سابق صدر جمہوریہ ہند)۔ دیوان غالب برلن اڈیشن کے ساتھ شائع کی تھی وہ اس قدر مشہور اور عام ہوئی کہ غالب کے کلام کے ساتھ نہتی ہو گئی۔ اسی طرح غالب کے خطوط کا یہ مجموعہ ڈاکٹر خلیق انجم اڈیشن غالب کی شخصیت کی ناسندگی کرے گا۔

اس تنقیدی اڈیشن میں بہت سی ایسی باتیں ملتی ہیں جو دوسرے مجموعوں میں نہیں ملتیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم اردو کے ممتاز محقق اور ماہر غالبیات ہیں۔ انھوں نے بڑی محنت اور دل سوزی سے تحقیق کر کے ان خطوط کے ایسے خوشی لکھے ہیں جن سے بہت سی نئی معلومات کا سراغ ملتا ہے۔ جس طرح غالب کی تحریروں کا ایک ایک لفظ اہل بصیرت کی آنکھوں کا سرمایہ ہے۔ اسی طرح یہ اڈیشن بھی غالب پرستوں کے لیے ایک خاصے کی چیز ہوگی اور انجم صاحب کی یہ سعی یقیناً مشکور ہوگی۔

اردو کتابوں کی کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی یہ مجموعہ نقش اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں کسی طرح ہیشیا نہیں بلکہ یہ اڈیشن پہلی صف میں جگہ پانے کا حق دار کہا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کی جلد بندی اس کے گٹ اپ اور حسن طباعت کو دیکھتے ہوئے کچھ کمزور ہے۔ جلد ساز نے



اس طرف توجہ نہیں دی۔ کتاب آفسیٹ سے غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے اور قیمت ۷۵ روپے زیادہ نہیں ہے۔ یقین ہے کہ غالب کے خطوط کا یہ تنقیدی ادیشن جس میں متنی تنقید کے طریقہ کار سے بحث کی گئی ہے غالب شناسی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔

(ایم حبیب خاں)

## آرامی ہند کی شرعی حیثیت بقیہ ص ۲۶

ادریہ کی تفصیلات سے آرامی ہند کی شرعی حیثیت پر شیخ جلال اور محمد اعلیٰ کے خیالات واضح ہوتے کے علاوہ دو اور اہم باتیں سامنے آتی ہیں جن سے معاصر حکومتیں ان کے نقطہ نظر کی عکاسی ہوتی ہے، اول یہ کہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلم حکمران مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک فقیر (خواجہ غفری ہو یا غیر غفری) کی رائے منتخب کرنے اور اس کے مطابق انتظامی اقدامات کرنے کے مجاز تھے۔ دوسرے یہ کہ دونوں نے ان حکمرانوں کے عملی اقدامات کو شرعی قوانین سے مطابقت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی بحث سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ان کا نظم و نسق شریعت کے مطابق تھا، جزئی طور پر اس خیال سے اتفاق کیا جاسکتا ہے لیکن بالکل اس سے قبول کرتا تاریخی حقائق سے انحراف ہوگا۔

۱۹۵۳ء حیات فی قصہ الحق و حدیث و علم و العبادۃ اسلام کا انکشاف و ترقی

۲۰۰۰

۱۹۵۵  
اسلام کا زریعہ انعام، تاریخ ادبیات ایران، تاریخ علم فقہ و تاریخ آیت حدیث ہم سلا حین ہر اول  
تذکرہ علاء محمد بن ظاہر محدثہ شیخ

۱۹۵۶  
ترجمان آئینہ مجلہ ثالث اسلام آباد انشا حکومت دہلیک صدر ایڈیٹرز جمعیہ جدید القوامی

سیاسی معلومات بنام وزیر مملکت شریز اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

[illegible]

۱۵۹۷ لغات القرآن علی سبیل تعلیم کی کہ میں نے ان لوگوں کو ایسا ہی تعلیم دیا ہے

۱۹۵۹ حضرت عمرؓ سرکاری شرطہ آفیسر تھے، ایک مرتبہ انھیں جنگ آزادی ہند میں مصائب و کوار

تفسیر کبریٰ اردو پارہ ۲۴-۲۵ حضرت امیر کبیر صدیق کے سہ کار کی خطوط

اہم خزان کا فلسفہ مذہب و اخلاق، عروت و زوال کا انجی ناسم۔

تفسیر شریعی، اردو مجلہ ازل و بزل، مظہرِ مباحثِ جاہل کے شہسوار، اسلامی کتب خانے، عربیہ نیا

نماز چہ ہے نہ کسی رشتہ

تفسیر نظم فی کرد و عیال و دنیا و موتیہ - مکتبہ تحفہ مریہ، حیات الافکار -

فیل سے فزات تک .

تفسیر طبری آرد و جلد سوم کتابی در پیشانی کتب و علماء و پندگانشان اول

نفسی حکمرانی از دید مبلغان پیام حضرت باقر علیه السلام در عصر ظهور و پسند عهده ریاست میسر

۱۹۲۵ء

ہندستان میں مسلمانوں کا ایک اعلیٰ درجہ کا طبقہ اور ان کی تاریخی حالت

۱۹۲۷ء

تفسير طبري في تفسيره. جواد سيد لواء المصروف (مستوف).

۱۹۶۰ء۔

۱۹۲۹  
۱۹۲۹

و استر و اوند با غایت رقت

۱۹۹۹

[illegible]

۱۹۹۹

۱۹۴۲  
فقد اسلامی کا آراغی نہیں مقرر انتخاب الترغیب والترہیب۔ انبار انکساری

عربی الفکر میں تمام ہندوستان



# BURHAN (Monthly)

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.

Id. No. D. (DN) 231

PHONE : 262815

JUNE 1984

No. 965-57

Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50

## روزوں میں

خاص طور پر اپنی صحت کا خیال رکھیے !  
روح کی پاکیزگی کے ساتھ جسمانی قوت کو قائم رکھنا بھی لازمی ہے !

رمضان المبارک میں افطار و سحر کی غذائی بے اعتدالیوں کے سبب  
قیض، ضعف، اعصاب، جسمانی خشکی، چڑچڑاہٹ اور  
نملک وغیرہ جیسی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔


## سنکارا

روزہ داروں کے لیے تغذیہ کی خرابی سے بچاؤ کا وسیلہ  
سنکارا تمام ضروری وٹامنوں کے ساتھ لازمی اور ضروری عناصر اور قدرتی دواؤں کا ایسا  
بے مثال ٹانک ہے جو رمضان المبارک کی خصوصی عبادات اور ریاضات کے لیے  
بر وقت آپ کو چاق و چوبند بناتا ہے۔  
تیزی کے ساتھ قوت کی بحالی کے لیے افطار کے وقت سنکارا ضرور پیجیے۔

## سنکارا

عالمی فیملی ٹانک ہر موسم کے لیے  
معدنیات، وٹامنوں اور  
قدرتی دواؤں کا  
نادر مرکب

**بمرد**



عید الرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

ٹائٹل جلال پریس جامع مسجد دہلی